اسد فیض

ملتان میں اقبال شناسی

اسد فیض

نیشنل بُک فاؤنڈیشن
اسلام آباد
لاہور - راولپنڈی - ملتان - کراچی - سکھّر - پشاور - کوئٹہ

اشاعت اوّل ۱۹۹۹

تعداد : ۵۰۰ کاپیاں

کوڈ نمبر : جی بی آر پی / پی / ۰۵-۷ / ۵۰۰

مطبوعہ : ایس ایم پرنٹرز، کراچی۔

ناشر

نیشنل بُک فاؤنڈیشن

اسلام آباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم والا ہے

انتساب

سارہ کے نام

دیباچہ دوم

ملتان میں اقبال شناسی میں ملتان میں علامہ اقبال کے بارے میں لکھی جانے والی تحریروں وسرگرمیوں کا احاطہ کیا گیا ہے۔

اس تحقیقی کام م چند نئے حقائق بھی سامنے آئے ہیں جنھوں نے اقبالیاتی تحقیق کو نئی العاد سے آشنا کیا۔ ان میں ملتان میں ۱۹۱۶ء میں قائم ہونے والی پہلی بزم اقبال کا قیام اور ۱۹۳۰ء کے لگ بھگ ملتان سے ہی اقبال کے نام سے ایک ہفت روزہ اخبار اقبال کا اجراء بھی ہے۔

ان دونوں میں ملتان کو بر صغیر سے اولت کا اعزاز حاصل ہے۔

اس تحقیقی کام کی تلخیص پر مبنی مقالے بہ عنوان ملتان م اقبال شناسی کے اولین نقوش اور ملتان میں اقبال شناسی کی روایت۔

ماہنامہ جلترنگ ملتان، ہفت روزہ ملتان ما ملتان، سہ ماہی خدا بخش جرنل (انڈیا) ماہنامہ قومی زبان کراچی، ماہنامہ ماہ نو لاہور، روزنامے نوائے وقت ملتان، روزنامہ خبریں ملتان میں شائع ہو چکے ہیں، اس حوالے سے اس تحقیق کام کا مکمل طور پر شائع ہونا اقبالیاتی ادب میں اہم ثابت ثابت ہو گا۔

فہرست

ضمیمہ نمبر ۳۔ بزم اقبال کی تقریبات کے دعوت ناموں کا عکس
ضمیمہ نمبر ۴۔ ملتان میں اقبالیات کے متعلق لکھی جانے والی پہلی نثری تحریر
ضمیمہ نمبر ۵۔ لالہ بال کشن بہترہ ابر کی تحریر کا عکس
ضمیمہ نمبر ۶۔ ہفتہ روزہ اقبال کی عکسی نقول
ضمیمہ نمبر ۷۔ ملتان کے ایک اخبار میں شائع شدہ قطعہ
ضمیمہ نمبر ۸۔ اسد ملتانی کے مرثیہ اقبال مطبوعہ ۱۹۳۸ء کے سرورق کا عکس
ضمیمہ نمبر ۹۔ راقم کے نام بیرسٹر جگدیش چندر بہترہ کا خط
ضمیمہ نمبر ۱۰۔ "بزم اقبال" گورنمنٹ کالج ملتان کے چند اہم اجلاسوں کی رپورٹوں کی عکسی نقول

حرف اوّل

اقبالیات سے میرا تعلق اور دلچسپی بہت پرانی ہے اور یہ تعلق عمر کے ساتھ ساتھ بڑھا اور مضبوط ہوا ہے۔ گھر میں والدہ کو ادب سے بے حد لگاؤ تھا۔ ادبی رسائل آتے تھے والد صاحب قیام پاکستان کے بعد صحافت کے پیشے سے وابستہ رہ چکے تھے اور اقبال ان کے پسندیدہ شاعر تھے۔ اس ماحول میں جب میرے شعور نے آنکھ کھولی تو اقبال کی "بانگ درا" اور "بال جبریل" سے میرا ایک ایسا تعلق قائم ہوا جس نے مجھے رفتہ رفتہ لفظ و معنی کی پہچان عطا کی۔

۱۹۷۸ء میں جب میں گورنمنٹ ایس ای کالج بہاول پور کا طالب علم تھا تو اسکے جریدہ "نخلستان ادب" میں میرا جو پہلا مضمون شائع ہوا، وہ علامہ اقبال سے ہی متعلق تھا۔ یہ مضمون "اور چراغ بجھ گیا" کے عنوان سے اقبال کی وفات اور آخری لمحات سے متعلق تھا۔ ۱۹۸۰ء میں جب میں ملتان منتقل ہوا تو ریڈیو پاکستان ملتان پر جو میرا پہلا پروگرام نشر ہوا وہ پروفیسر اسلم انصاری کے ساتھ ایک اقبال سیمینار تھا۔ ۱۹۹۱ء میں جب میرا داخلہ ایم فل اقبالیات میں ہوا تو شاید یہ اقبالیات سے میرے پرانے تعلق اور علامہ اقبال سے محبت و عقیدت ہی کا ایک تسلسل تھا۔ اقبالیات پر تاحال میرے تین مقالات بعنوان "اقبال کا تصور ثقافت"، "اقبال کی اردو نثر" اور "اقبال کی شخصیت خطوط کے آئینے میں" طبع ہوئے ہیں۔ اپنے تحقیقی مقالے کے لئے مواد کے حصول کی غرض سے جب میں نے ملتان شہر کی لائبریریوں اور درس گاہوں کے کتب خانوں کو کھنگالا تو اس جستجو میں مجھے

ملتان کی تاریخ نے مسحور کر کے رکھ دیا صدیوں پرانا یہ شہر اپنے اندر ایک تاریخ سمیٹے
ہوئے ہے۔ اس کی قدیم گلیوں اور قلعے کی دیواروں پر آج بھی عظیم حکمرانوں،
صوفیائے کرام، عظیم شعراء وادیبوں کے قدموں کی چاپ سنائی دیتی ہے۔ یہ شہر ایک
زندہ اور پائیدار تہذیب کا علم بردار ہے۔ اس شہر میں علم وعرفان کی لاتعداد شمعیں
روشن ہوئیں حضرت بہاء الدین ذکریاؒ اور فخر الدین عراقیؒ نے اپنے بصائر وحکم سے اس
ریگ زار کو شاداب کیا۔ اولیائے کرام کے مسکن ہونے کے سبب اس شہر کو مدینۃ
الاولیاء بھی کہا گیا۔ تاریخ اسلام کے مشہور فاتحین محمد بن قاسم اور محمود غزنوی بھی اس
سرزمین پر کچھ عرصہ مقیم رہے۔ اسی خطہ ملتان میں حضرت امیر خسروؒ پانچ سال تک
شہزادہ محمد کے دربار سے منسلک رہے۔ ملتان کے ایک قصبہ کھوتوال کے ایک بزرگ
جنھوں نے ملتان میں تعلیم حاصل کی پھر حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کی نظر کیمیا ساز نے
انہیں بھرپور کر دیا۔ دنیا میں حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کے نام سے مشہور ہوئے۔
علامہ اقبال بیسویں صدی کے عظیم شاعر اور فلسفی تھے، ان کی فکر اور فن نے نہ صرف
جدید ادبی رویوں کو شدت کے ساتھ متاثر کیا بلکہ ماضی کے نظریات اور فنی معجزوں
کے حاصلات کو جمع کرنے کی بھی کوشش کی ہے۔ فکر اقبال، فلسفہ، منطق، تاریخ،
مذہب، نفسیات اور مابعد الطبیعات کے معروف نظریات کا تجزیہ کرتی ہے۔ یہ فکر اپنی
وسعت اور اثر پذیری کے اعتبار سے اس وقت تمام دنیا میں ایک صحت مند فلسفہ کی
حیثیت سے متعارف ہو چکی ہے۔ پاکستان بلکہ بیرون ملک میں بھی اس پر بے پناہ تحقیقی
وتنقیدی کام ہوا ہے۔ ملک کے دوسرے بڑے ادبی مراکز کی طرح ملتان کے ادباء نے
بھی اقبالیات پر خاصا کام کیا ہے۔ ملتان کے تعلیمی اداروں کے جرائد کے اقبال نمبر
چھپے، جن میں علامہ اقبال کے فکر وفن پر سینکڑوں مقالات شائع ہوئے۔ ادبی تنظیموں

کے زیر اہتمام یوم اقبال کی تقاریب منعقد ہوتی رہیں۔ شعراء کرام نے علامہ اقبال کے حضور نذرانہ عقیدت کے طور پر نظمیں لکھیں اور پیروی اقبال میں اشعار کہے۔ ادیبوں نے علامہ اقبال کے افکار پر اردو، سرائیکی اور پنجابی میں کتب تصنیف کیں۔ ملتان کے ادیبوں اور دانشوروں نے نہ صرف علامہ اقبال کے افکار و نظریات کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا۔ بلکہ بہت سے سیاسی وادبی معرکوں میں علامہ اقبال کی معاونت بھی کی۔

ملتان میں اوّل اوّل اسد ملتانی نے فکر اقبال کے فروغ میں ناقابل فراموش خدمات سر انجام دیں۔ انہوں نے تمام عمر علامہ اقبال کے فکر و فلسفہ کو اور اس کے اتباع کو اپنی زندگی کا مقصد اوّلین بنائے رکھا۔

ملتان میں علامہ اقبال کے حوالے سے ادبی سرگرمیوں کا آغاز ۱۹۱۶ء میں ہوتا ہے، جب لالہ بال کشن بترہ ابر نے ملتان میں بزم اقبال قائم کی، بعد میں انہوں نے ۱۹۳۰ء میں ملتان ہی سے اقبال کے نام سے ایک ہفت روزہ جریدے کا بھی اجراء کیا۔

گذشتہ برس شائع ہونے والی عبدالمجید ساجد کی کتاب "اقبال حیات عصر" تک ملتان میں علامہ اقبال کے بارے میں اٹھہتر برس کی مدت میں جو تخلیقی، تحقیقی، تنقیدی اور معلوماتی سرمایہ جمع ہوا ہے۔ اسے بلاخوف وتردید اقبالیات کا ایک قابل فخر حصہ قرار دیا جاسکتا ہے اور دبستان ملتان کے حوالے سے اس کی الگ شناخت بھی ہے۔ اس پس منظر و پیش منظر کے ساتھ ضرورت اس امر کی تھی کہ ملتان میں اقبالیاتی ادب کے آغاز وارتقاء کا کھوج لگایا جائے اور اس کی نشان دہی کی جائے۔ اس تحقیقی مقالے میں یہی سعی کی گئی ہے۔ "ملتان میں اقبال شناسی" پانچ ابواب پر مشتمل تحقیقی مقالہ ہے، پہلا باب "ملتان کی ادبی و ثقافتی تاریخ" ہے، اس میں ملتان کی ادبی و ثقافتی تاریخ کو اجاگر کیا گیا

ہے اور عصر حاضر تک ملتان میں شعر وادب اور صحافت کے ارتقاء کا جائزہ لیا ہے۔
ذیلی باب "بعنوان ملتان میں اقبال شناسی کے اولین نقوش" میں ملتان میں علامہ اقبال کے حوالے سے اولین تحریروں کا کھوج نکالا ہے اور اقبالیات میں ملتان کی اہمیت و کردار پر روشنی ڈالی ہے۔

دوسرا باب "ملتان میں اقبالیات کا ارتقاء" ہے اس میں آغاز سے اب تک علامہ اقبال کے بارے میں لکھی جانے والی کتب، علامہ اقبال کی پیروی میں شعر کہنے اور انہیں اپنے اشعار میں نذرانہ عقیدت پیش کرنے والے شعراء کا تذکرہ بھی شامل ہے۔ اس کے ذیلی باب کا عنوان "ملتان میں علاقائی زبانوں میں اقبالیاتی تنقید اور کلام اقبال کے تراجم" ہے۔ اس عنوان سے سرائیکی اور پنجابی زبان میں اقبالیات پر لکھی جانے والی کتب اور مقالات کا جائزہ لیا ہے اور منظوم تصانیف و تراجم کی تفصیلات بیان کی ہیں۔
تیسرے باب کا عنوان "ملتان میں ناقدان اقبال ایک جائزہ" ہے، اس میں ملتان میں لکھی جانے والی اقبالیاتی تنقید اور ناقدین کا جائزہ لیا گیا ہے اور اس کا اقبالیات میں معیار متعین کیا ہے۔

چوتھا باب "ملتان میں اقبالیاتی ادب کے فروغ میں اداروں کا کردار" ہے۔ اس میں ملتان میں فروغ اقبالیات میں سرگرم عمل اداروں اور انکی کارکردگی کا جائزہ لیا ہے اور ملتان کی تعلیمی درس گاہوں کے مجلوں میں اقبالیات کے مندرجات کا اشاریہ مرتب کیا ہے۔
پانچواں باب "ملتان میں اقبال شناسی کا مجموعی جائزہ" میں ملتان میں فکر اقبال کی تفہیم و تشریح کے سلسلے میں کی جانے والی کوششوں کا مجموعی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ اس میں خطہ ملتان سے تعلق رکھنے والی شخصیات کی علامہ اقبال سے ملاقاتوں کا احوال بھی رقم کیا ہے۔

علامہ اقبال پر میرا یہ تحقیقی مقالہ اہل ملتان کی علامہ اقبال سے عقیدت کا مظہر ہے اس تحقیقی مقالہ کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے میں نے اختصار سے کام لیتے ہوئے خالص تحقیقی اسلوب اپنایا ہے۔ مواد اور قدیم اخبارات ورسائل کی فراہمی میں مشکلات لائبریروں کی خستہ حالی اور عملہ کا عدم تعاون ایک تکلیف دہ امر ہے، جس سے ہر محقق کو واسطہ پڑتا ہے تاہم جہاں تک ممکن ہو سکا ہے میں نے مواد کے بنیادی ماخذ تک رسائی حاصل کی۔ اسد ملتانی کے بارے میں جعفر بلوچ کی کتاب "اقبالیات اسد ملتانی" ایک عمدہ کوشش ہے لیکن میں نے اسد ملتانی کی نظموں اور تحریروں کے لئے اصل رسائل وجرائد تک رسائی حاصل کرنے کی غرض سے کراچی تک کا سفر کیا، جہاں انجمن ترقی اردو اور غالب لائبریری کے رسائل وکتب کے قدیم ذخیروں سے استفادہ کیا۔

اس تحقیقی مقالہ کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے مجھے اپنے نگران پروفیسر ڈاکٹر نجیب جمال کا قدم قدم پر تعاون حاصل رہا۔ ڈاکٹر نجیب جمال صاحب ادب شناس اور اقبال دوست شخصیت ہیں۔ اپنی علمی و شخصی خصوصیات کی بنیاد پر انکا شمار جامعہ ملتان کے مقبول اور آئیڈیل اساتذہ میں ہوتا ہے۔ انہوں نے بڑی محنت کر کے ادب اور تعلیم کے شعبہ میں اپنا مقام بنایا ہے۔ اس تحقیقی مقالہ کی تکمیل کے دوران ہی وہ بہاء الدین ذکریا یونیورسٹی سے جامعہ بہاول پور تشریف لے جا چکے ہیں، جہاں اب وہ چیئرمین، شعبہ اردو واقبالیات کے عہدہ پر فائز ہیں۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالی انہیں مزید ترقیاں عطا کرے کہ ایسی ہی شخصیات سے ادب اور دنیا آباد ہیں۔ اس تحقیقی مقالے کی ابتداء سے تکمیل تک میں ایک اور شخصیت کا بھی بے حد ممنون احسان ہوں اور وہ ہیں پروفیسر اسلم انصاری پروفیسر اسلم انصاری، ایک صاحب طرز شاعر ہی نہیں بلکہ ایک مثالی

استاد اور اچھے دوست بھی ہیں۔ اس تحقیقی مقالہ کے لئے مواد کی حصول یابی کی غرض سے متعدد جگہوں پر وہ میرے ہمراہ رہے خاص طور پر ڈاکٹر مہر عبدالحق سے ایک ملاقات یادگار اہمیت کی حامل ہے کہ اس وقت جب میں یہ سطور لکھ رہا ہوں، ڈاکٹر مہر عبدالحق اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں۔ اس کے علاوہ بہت سی شخصیات کا شکریہ ادا کرنا مجھ پر ان کی محبت وشفقت اور رہنمائی کا قرض ہے۔

ان میں ڈاکٹر انوار احمد کے مشورے، استاد محترم ساجد خان کی ذاتی اور شعبہ اردو کی لائبریری سے ہمہ وقت کتب کی دستیابی، ادیب وصحافی جاوید اختر بھٹی کی ذاتی لائبریری سے کتب کی فراہمی، فہیم اصغر کی رہنمائی اور کتب کی فراہمی، دوست وبزرگ اختر عزیز کی معلومات ومواد کے حصول کے لئے کوششیں، صدر شعبہ کیمیکل ٹیکنالوجی سید شمیم احمد کی خصوصی شفقت ورہنمائی، میرے دونوں بھائیوں آصف فیض اور عاصم فیض کی کتب اور فوٹواسٹیٹ کے لئے بھاگ دوڑ میرے والدین کی خصوصی دعائیں اور میری اہلیہ وبیٹی کی کوششیں یہ سب میرے لئے ایک عظیم سرمایہ ہیں۔ اللہ تعالی ان سب اصحاب کو اس کا اجر دے۔ میں بیرسٹر جگدیش چندر بترہ مقیم دہلی کا بھی بے حد شکر گزار ہوں، جنہوں نے دہلی سے لالہ بال کشن بترہ ابر کے بارے میں معلومات فراہم کیں۔ ان سطور کو تکمیل سے ہمکنار کرنے سے قبل میں دو اور شخصیات کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں، جن کی شخصیت اور اقبال شناسی واقبال فہمی نے مجھے بے حد متاثر کیا، ان میں ایک ڈاکٹر صدیق خان شبلی ہیں اور دوسرے ڈاکٹر محمد ریاض تھے (اللہ تعالی ان کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔ آمین)

آخر میں ڈاکٹر رحیم بخش شاہین صاحب کا بھی شکر گزار ہوں کہ ان کی یاد دہانی اور ہمت افزائی نے تحقیقی مقالہ کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں میری بے حد مدد اور رہنمائی کی۔

اللہ تعالیٰ ان کو اس کا اجر دے (آمین) میں شعبہ اقبالیات و علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کا بھی ممنون ہوں جس نے مجھے علامہ اقبال پر تحقیقی مقالہ لکھنے کا موقع فراہم کیا۔

اسد فیض

مارچ ۱۹۹۵ء

باب اوّل

ملتان کی ادبی و ثقافتی تاریخ

ہزاروں سال سے آباد ملتان شہر ہمیشہ سے اہم تہذیبوں کا گہوارہ اور مرکز رہا ہے۔ تاریخ کے بہت سے قافلے اس سرزمین سے گزرے اور سینکڑوں مرتبہ یہ شہر فاتحین اور قدرتی آفات کے ہاتھوں اجڑا اور آباد ہوا۔ اس شہر کی ایک ایک اینٹ پر صدیوں کی دھول جمی ہے اور ان گنت کہانیاں ان پر ثبت ہیں، اس اعتبار سے یہ جنوب مشرقی ایشیاء کا سب سے قدیم شہر ہے اور اس کی کہانی بے حد متنوع اور پراسرار ہے۔ مورخین نے اس کی قدامت کے بارے میں بہت سی روایات بیان کی ہیں۔ ابن حنیف اپنی کتاب "سات دریاؤں کی سرزمین" میں لکھتے ہیں۔

"ملتان کے موجودہ مقام پر پہلی بستی کم از کم ساڑھے پانچ ہزار سال قبل کے لگ بھگ بسائی گئی تھی" (۱)

تاریخ ملتان ذیشان میں منشی عبدالرحمٰن خان لکھتے ہیں۔

"حضرت نوح علیہ السلام کے طوفان کے وقت ملتان آباد تھا" (۲)

مورخ ملتان میں منشی حکم چند نے لکھا ہے کہ

"قوم ہنود کا بیان ہے کہ ابتدائے میں ہرن کشف راکھستان اور پرہلاد بھگت اس جگہ ہوئے جن کا زمانہ ست جگ ہے۔" (۳)

کرم الٰہی بدر اپنی کتاب "تاریخ ملتان" میں لکھتے ہیں،

"ملتان وشنو دیوتا کا تیرتھ ہے اور وشنو دیوتا اپنے پانچویں جنم میں رشی کشپ کے گھر

اسی ملتان میں پیداء ہوئے تھے نیز ہندوؤں کی مذہبی کتابوں میں یہ تحریر ہے کہ ملتان کے راجہ نے مہابھارت کی جنگ میں حصہ لیا تھا۔"(۴)

مختلف ادوار میں ملتان کو مختلف ناموں سے پکارا جاتا رہا ہے، قدیم کتابوں اور تذکروں میں اس کے مختلف نام ملتے ہیں، جو اس کے قدیم ارتقائی ادوار کی کہانی بیان کرتے ہیں۔

"ملتان شہر کا نام بھی اس زمانے یعنی آج سے کوئی ساڑھے چار پونے پانچ ہزار برس پیشتر ملوہہ یا اس سے ملتا جلتا ہی کچھ تھا۔"(۵)

"اپنے محل وقوع کے لحاظ سے ملتان ابتداء میں گاؤں بھر میں سب سے اہم قصبہ اور ہڑپہ و موہنجوڈرو کے عروج کے دنوں میں سے بڑا شہر تھا۔"(۶)

ملتان صدیوں سے وادی سندھ کا تجارتی دروازہ رہا ہے، یہاں سے وسطی ترکستان، ایران اور سراندیپ کے قافلوں کا گزرنا تاریخ میں بار بار ملتا ہے۔

"ملتان میں جو قوم ابتداء میں آباد تھی وہ ڈراویڈین تھی اس کی بہت شہادتیں موجود ہیں اور وہ ایک زمانے تک یہاں اپنی زندگی کو ترقی دیتی رہیں۔"

تیسری صدی قبل مسیح میں آریا پہاڑوں سے اتر کر وسطی پنجاب کے ان علاقوں میں رہائش پذیر ہو گئے تو یہاں ایک نئی تہذیب و ثقافت نے جنم لیا۔

"آریاؤں کی مذہبی کتاب "رگ وید" ملتان کی وسیع وادیوں میں تیرہ سو سال قبل از مسیح سے لے کر قبل مسیح آٹھ سو سال تک میں مکمل ہوئی۔"(۸)

ڈاکٹر سہیل بخاری نے "رگ وید" کو اردو کی تاریخ کا پہلا سرا قرار دیا ہے۔(۹)

ڈاکٹر روبینہ ترین کہتی ہیں،

"اردو کا پہلا گہوارہ وادی سندھ اور ملتان کی سرزمین ہے۔

اس کے بعد لسانی تشکیلات کا یہ عمل دوسرے علاقوں میں پھیلتا چلا گیا۔"(۱۰)

حافظ محمود شیرانی کہتے ہیں :

"اردو برج بھاشا کے مقابلہ میں پنجابی بالخصوص ملتانی سے مماثلت رکھتی ہے۔"(۱۱)

ان بیانات سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ یہ خطہ اردو زبان کا مولد اول رہا ہے۔

عسکری و سیاسی لحاظ سے بھی سلطنت دہلی میں ملتان کو بے حد اہمیت حاصل تھی۔ مسلم دور حکومت میں ملتان سیاسی طور پر ایک مضبوط مرکز کے طور پر سامنے آیا اور یہاں کے حاکموں نے دہلی کی بادشاہت کے استحکام میں ہمیشہ ایک اہم کردار ادا کیا۔

مسلمانوں کی فتح سندھ کے بعد ملتان اور اوچ شریف کو ایک نمایاں مقام حاصل ہوا۔ اس دور میں یہاں فاتحین کے ساتھ ساتھ علماء اور صوفیاء بھی آنا شروع ہوئے۔ محمود غزنوی کے ہندوستان پر حملوں میں یہ صحرائی علاقہ اپنی خاص اہمیت رکھتا ہے، یہاں کے لوگوں نے سومنات کی فتح میں محمود غزنوی کی جو اعانت کی وہ تاریخ کا حصہ ہے۔

"محمود غزنوی کے عہد میں البیرونی نے برسوں ملتان میں قیام کیا اور کتاب الہند لکھی"(۱۲)

محمود غزنوی کے بعد حضرت شاہ گردیز ملتان تشریف لائے اور درس و تبلیغ کے ذریعے اسلامی علوم کی ترویج کی کوششیں کیں۔

"انہوں نے ملتان میں کتب خانے کی بنیاد رکھ کر پہلی مرتبہ ملتان کو علمی خزانے کی اہمیت سے آشنا کیا۔"(۱۳)

۱۲۰۲ء سے ۱۲۲۷ء تک یہاں ناصر الدین قباچہ کی حکومت رہی یہ دور ملتان کی تاریخ کا ایک سنہری باب ہے، اس دور میں یہاں علمی و ادبی محفلیں عروج پر تھیں۔

"وسط ایشیاء میں مغلوں کے قتل عام کی وجہ سے فرار پانے والے امراء اور فضلاء سب سے پہلے ملتان پہنچتے تھے، جہاں شہزادہ محمد کی علم پروری اور جوہر شناسی انہیں ہمیشہ

کے لئے وہاں کا بنا دیتی تھی۔" (۱۴)

"شہزادہ محمد کے دربار میں یگانہ روزگار ہستیاں موجود تھیں، جہاں شاہ نامہ سنائی خاقانی اور خمسہ نظامی کے ادب پاروں پر علمی محفلیں جمتیں اور شعر و سخن کے ساتھ ساتھ تنقید و تحسین کے پھول برستے۔" (۱۵)

"اس کے دربار میں امیر خسرو اور نجم الدین حسن سنجری جیسی ماہ ناز ہستیاں موجود تھیں۔" (۱۶)

"عرفی نے فارسی شعراء کا تذکرہ سب سے پہلے دربار قباچہ میں تصنیف کر کے قباچہ کا نام زندہ جاوید کر دیا۔ قباچہ کے عہد حکومت میں اوچ کے ایک صاحب قلم نے سندھ کی پہلی تاریخ چچ نامہ کا ایک قدیم عربی کتاب سے ترجمہ کر کے دیا۔" (۱۷)

"امیر خسرو پانچ سال ملتان میں رہے، البتہ تیموری لشکر کے مقابلے میں جب شہزادہ محمد لڑتا ہوا مارا گیا تو دہلی واپس چلے گئے۔" (۱۸)

امیر خسرو ایک ایسے شاعر تھے، جن کی جڑیں برصغیر کی تہذیب میں بہت گہری تھیں۔ علامہ اقبال نے بال جبریل میں امیر خسرو کو یوں خراج عقیدت پیش کیا ہے،

پنپ سکا نہ خیاباں میں لالہ دل سوز
کہ سازگار نہیں یہ جہاں گندم و جو
رہے نہ ایبک و غوری کے معرکے باقی
ہمیشہ تازہ و شیریں ہے نغمہ خسرو (۱۹)

"اس دور میں ملتان کو یگانہ روزگار ہستیوں کا شہر ہونے کا شرف حاصل ہے۔ علمی وادبی سرگرمیوں کے علاوہ اس زمانہ میں حضور غوث بہاء الدین زکریاؒ یہاں جلوہ افروز ہوتے ہیں۔ جن کے نور و عرفان سے تمام وسط ایشیا جگمگا اٹھتا ہے۔" (۲۰)

غوث بہاء الدین زکریا ملتانیؒ وہ سر چشمہ فیض ہیں، جنہوں نے سندھ اور ملتان میں اسلام کے پودے کو سدابہار کر دیا۔ آپ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے ملتان میں ایک ایسا علمی ودینی مدرسہ قائم کیا، جس کے فارغ التحصیل اور تربیت یافتہ علماء مبلغین اور واعظین نے نہ صرف بر صغیر کے کونے کونے میں بلکہ بیرون ملک یعنی جاوا، سماٹرا، انڈونیشیا، فلپائن، خراسان اور چین تک اسلام کی روشنی پھیلائی یہ مدرسہ ایک اقامتی یونیورسٹی کی سی حیثیت رکھتا تھا۔

"حضرت بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کے دور میں خط نستعلیق کو بڑا عروج حاصل ہوا۔ حضرت نے جو مدرسہ قائم کیا، اس میں دینی علوم کے علاوہ خطاطی اور جلد سازی کے فنون بھی سکھائے جاتے تھے۔" (۲۱)

اشاعت اسلام میں شب وروز کوشاں اقلیم روحانیت کی وہ مایہ ناز ہستیاں جو شیخ بہاء الدین زکریا، شیخ صدر الدین عارف، شیخ رکن الدین ابوالفتح، سید جلال الدین اول اور جلال الدین مخدوم جہانیاں اور سندھ کے لعل شہباز قلندر کے مقدس اسماء سے تاریخ کے سینہ میں محفوظ ہیں۔ دراصل یہ وہ گوہر بے مثال ہیں، جن کی آب وتاب سے مغربی پنجاب اور سندھ میں بسنے والوں کے سینے روشن اور جگمگا اٹھے اور سرزمین ملتان کو ناز ہے کہ یہ سلسلہ فیض وبرکت شیخ اسلام بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کی وجہ سے جاری وساری ہوا۔ اس بناء پر ملتان کو مدینۃ الاولیاء بھی کہا گیا یعنی اولیاء کا شہر۔

"ہندوستان میں سہروردیہ سلسلہ کے موسس اعلی شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ تھے۔" (۲۲)

"حضرت بہاء الدین زکریاؒ کے خلفاء کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ مشہور ناموں میں سب سے پہلے فخر الدین عراقی کا نام آتا ہے۔ شیخ فخر الدین عراقی ہمدان کے نواح میں قریہ

یکجان میں ۶۰۰ھ میں پیدا ہوئے۔"(۲۳)

سترہ سال کی عمر میں ہمدان کے مدرسے سے علوم حکمت و فلسفہ و منطق کی تعلیم حاصل کی اور بغداد چلے آئے وہاں شیخ شہاب الدین سہروردی سے شرف بیعت حاصل کیا۔ شیخ نے ان کا تخلص عراقی رکھا اور ہندوستان جانے کا حکم دیا۔ چناں چہ ملتان آکر حضرت بہاء الدین زکریا کے مرید ہوئے، ان سے خلافت بھی ملی اور انکے داماد بھی ہو گئے۔

"۶۸۸ء میں دمشق میں اٹھاسی سال کی عمر میں انتقال ہوا اور حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کے پہلو میں دفن ہوئے۔"(۲۴)

ان کی کلیات بارہا چھپی ہیں، جس میں ۵۸۰۰ اشعار ہیں۔ ایک مثنوی عشاق نامہ ہے۔ ان کے مشہور رسالہ لمحات کا موضوع تصوف ہے۔ علامہ اقبال عراقی کے بے حد معترف تھے اور فن کے کلام کا مطالعہ کرتے رہتے تھے۔ ارمغان حجاز میں لکھتے ہیں۔

گہے شعر عراقی را بخوانم
گہے جامی زند آتش بجانم
ندانم گرچہ آہنگ عرب را
شریک نغمہ ہائے سار بانم (۲۵)

مگراس سے پہلے وہ عراقی کے صوفیاء پر اثر کو اچھا نہیں سمجھتے تھے چنانچہ رموز بے خودی میں کہتے ہیں۔

صوفی پشمینہ پوش حال مست
از شراب نغمہ قوال مست
آتش از شعر عراقی در دلش
در نمی سازد بہ قرآن محفلش (۲۶)

فخر الدین عراقی کی کتاب "لمعات" کے ذریعے ملتان اور بر صغیر کے صوفیاء ابن عربی کے خیالات سے متعارف ہوئے اور پھر یہ نظریہ مسلم بر صغیر میں بہت مقبول ہوا۔

"سہروردیہ نے ابن العربی کے فلسفہ وحدت الوجود کو رد نہیں کیا بلکہ اختیار کیا۔ ملتان میں یہ فلسفہ فخر الدین عراقی کی وساطت سے متعارف ہوا کتاب "لمعات" انہوں نے فصوص الحکم سے متاثر ہو کر لکھی تھی۔" (۲۷)

عراقی کے علاوہ حضرت بہاء الدین زکریا کے دوسرے مشہور اہل قلم مرید امیر سادات حسینی تھے جو "کنز الرموز"، "زاد السافرین" اور نزہت الارواح" کے مصنف تھے۔

"گلشن راز" جو شیخ محمود شبستری کی مشہور مثنوی ہے، حضرت امیر حسینی کے سوالات کے جواب میں لکھی گئی۔" (۲۸)

ہلاکو خان کے ہاتھوں عالم اسلامی میں خون کا ایک دریا بہہ چکا تھا، ساتھ ہی احساس خودی اور خود اعتمادی مسلمانوں میں ختم ہو چکی تھی۔ ایسے وقت میں سید امیر سادات حسینی نے حالات کا جائزہ لیتے ہوئے اٹھارہ سوال لکھ کر محمود شبستری کی خدمت میں ارسال کیے۔ یہ سوال منظوم تھے، علامہ شبستری نے بھی جواب منظوم ہی دیا اور اس کا نام "گلشن راز" رکھا۔ علامہ اقبال نے انہیں اٹھارہ سوالوں میں نو سوال لے کر "گلشن راز جدید" لکھی۔ یوں اقبال اور خطہ ملتان کا علم و حکمت کے حوالے سے ایک اہم تعلق بن جاتا ہے۔

ملتان میں اردو شاعری سے قبل شعراء عربی فارسی اور ملتانی زبان میں شعر کہتے تھے۔

"ملتانی شاعری کا نمونہ سب سے پہلے "نور نامہ" کی شکل میں ملتا ہے، جسے حافظ محمود شیرانی ۱۰۵۴ء کی تصنیف قرار دیتے ہیں۔" (۲۹)

ملتان کے شعراء نے عربی میں بھی شاعری کی۔

"تاریخ سندھ میں عربی شاعر ہارون بن عبداللہ ملتانی کا ذکر ملتا ہے۔"(۳۰)

فارسی طویل عرصہ تک ملتان کی سرکاری زبان رہی اور یہاں کے شعراء نے فارسی کو بھی شعر کے پیرائے میں ذریعہ اظہار بنایا۔ بابا فرید شکر گنج ۱۱۷۳ء میں ملتان کے نواحی قصبہ کھوتوال میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم ملتان کی درسگاہوں میں حاصل کی۔ بابا فرید کے اشلوک اردو کے اوّلین نمونوں میں شمار ہوتے ہیں۔

"خواجہ فرید سعود شکر گنج کی عطا یہ ہے کہ انہوں نے پنجاب کی سرزمین سے اردو میں تخلیق شعر کا عمل جاری کیا۔"(۳۱)

امیر خسرو اور امیر حسن سنجری جو ملتانی نژادنہ تھے انہوں نے بھی ملتان میں رہ کر ریختہ میں شعر کہے۔ اس طرح ملتان میں اردو شاعری کا آغاز بارہویں صدی کے آخر میں ہوتا ہے۔ ابتداء میں صوفیانہ افکار اور بعد ازاں مرثیہ گوئی ملتان کی شاعری میں نمایاں رہی۔ اس کے بعد غزل سرائی کا دور آیا۔

ڈاکٹر طاہر تونسوی ملتان میں اردو شاعری کے حوالے سے بابا فرید گنج شکر، امیر خسرو، امیر حسن سنجری اور شیخ علی متقی کو دور اول کے شعراء قرار دیتے ہیں۔ اس کے بعد ملتان میں اردو شاعری کا دوسرا دور سید علی حیدر ملتانی سے شروع ہوتا ہے۔ جو اٹھارویں صدی کے شاعر ہیں اور انکا کلام ابیات علی حیدر کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

اس دور کے دیگر شعراء میں منشی غلام حسن شہید ملتانی، قاضی گل محمد منیر ملتانی اور صابر ملتانی کے نام شامل ہیں۔

انیسویں صدی میں خطہ ملتان کے ایک عظیم صوفی شاعر خواجہ غلام فرید (۱۸۴۵ء۔۱۹۰۱ء) ہیں وہ بنیادی طور پر سرائیکی زبان کے شاعر ہیں انکی شاعری میں تصوف مسلک طریقت، رشد وہدایت انسان دوستی اور اخلاق کا انمول خزانہ موجود

ہے۔

علامہ اقبال اور خواجہ غلام فرید کے خیالات میں بہت سی اقدار مشترک موجود ہیں مثلاً دونوں شاعر عقل پر عشق کو فضیلت دیتے ہیں، دونوں رجائی اور امید پرست شاعر ہیں اور دونوں کے یہاں حرکت و عمل کی تلقین ملتی ہے۔

علامہ اقبال کا خواجہ غلام فرید کی شاعری کے بارے میں کہنا ہے "افسوس کہ خواجہ صاحب کی شاعری ایک علاقے تک محدود ہو کر رہ گئی۔ ان کا کلام ایک گہرے مطالعے کا محتاج ہے۔ مجھے تو اس میں بین الاقوامی حیثیت کے عناصر نظر آتے ہیں۔"(۳۲)

اس دور کے ایک اور شاعر ارشد گورگانی (۱۸۵۰ء۔۱۹۰۶ء) ہیں

"ارشد گورگانی کا اصل نام مرزا عبدالغنی گورگانی تھا۔ آپ بہادر شاہ ظفر کی بڑی شہزادی کشافہ بیگم کے حقیقی نواسے تھے۔"(۳۳)

۱۸۵۷ء میں لاہور آئے اور یہاں ملازمت اختیار کی بعد میں ملتان چلے آئے۔ یہیں وفات پا کر حسن پروانہ کے قبرستان میں دفن ہوئے۔ علامہ اقبال کے قیام لاہور کے ابتدائی برسوں میں لاہور کی شعری محافل میں ارشد گورگانی ایک نمایاں مقام رکھتے تھے۔

"علامہ اقبال نے بھاٹی دروازے کے مشاعرے میں غزل پڑھی تو اس شعر پر مرزا ارشد گورگانی سے بڑی داد ملی۔

موتی سمجھ کر شان کریمی نے چن لئے
قطرے جو تھے مرے عرق انفعال کے(۳۴)

اس دور کے دیگر شعراء میں مخدوم شیخ حسن بخش قریشی، خان بہادر سید حسن بخش گردیزی، طالب ملتانی، ناطق جالندھری، غنچہ امروہوی، قادر بخش ممتاز کے نام نظر

آتے ہیں۔

بیسویں صدی کی ابتدائی دہائیوں میں ملتان میں شاعری کے افق پر جو نام نظر آتے ہیں، ان میں ایک نمایاں نام راجہ محمد عبداللہ نیاز کا ہے۔

"راجہ عبداللہ نیاز ے کلام کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ وہ حالی، اکبر، اقبال اور ظفر علی خان کی قبیل کے شاعر ہیں۔" (۳۵)

ان کی شاعری میں فکر کی گہرائی، قومی احساس اور ملی درد نمایاں ہے۔ انکے ہم عصروں میں عبداللطیف تپش، وحشت ملتانی، آذر ملتانی، کشفی ملتانی کے علاوہ ایک اور نمایاں نام اسد ملتانی (۱۹۰۲ء۔۱۹۵۹) کا ہے۔

اسد ملتانی نے خطہ ملتان میں اقبالیات کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ وہ اقبال کے سچے عاشق اور پیروکار تھے۔ ان کا کوئی باقاعدہ مجموعہ کلام تو مرتب نہیں ہوا، البتہ ان کی دیگر شاعری کے علاوہ علامہ اقبال کی شان میں مختلف موضوعات کے حوالے سے انکی نظمیں ملتی ہیں، جو مختلف اخبارات ورسائل میں چھپی تھیں۔ ملتان میں اردو شاعری کا چوتھا دور ۱۹۲۰ء سے ۱۹۴۷ء کا ہے، اس زمانے میں پروفیسر اکبر منیر، خلیق ملتانی، لالہ بال کشن بترہ ابر، بھیم سین ظفر ادیب، جے چندر پریم ملتانی، مولانا عبدالرشید نسیم طالوت، سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے نام شامل ہیں۔

آزادی کے بعد سے اب تک شعراء کی جس نسل نے اردو شعر وادب کے فروغ میں نمایاں حصہ لیا، ان میں ارشد ملتانی، عاصی کرنالی، اسلم انصاری، عرش صدیقی، ضیاء شبنمی، اقبال ارشد، حسین سحر، طاہر تونسوی، انور جمال، طارق جامی اور ممتاز اطہر کے نام شامل ہیں۔

ملتان میں اردو صحافت کا آغاز ۱۸۵۲ء میں "ریاض نور" سے ہوا، اس کے مدیر منشی

مہدی حسین خاں تھے، ہفت روزہ "الشمس" کے ۲۸ نومبر ۱۹۲۲ء کے اداریہ میں "ریاض نور" کے اجراء کی تاریخ یوں درج ہے۔

"سب سے اول ملتان سے میر مہدی حسین خاں صاحب جو میرزا غالب کے شاگرد تھے انہوں نے "ریاض نور" کے نام سے 1852 میں روزنامہ نکالا" (۳۶)

یہ اخبار بعد میں ۱۸۵۷ء کے انقلاب کی نذر ہو گیا۔

ملتان کی صحافت کا باقاعدہ آغاز اسد ملتانی کے ہاتھوں ہوا، انہوں نے ۱۹۲۲ء میں "الشمس" کے نام سے ہفتہ وار اخبار اور "انعام" کے نام سے ایک ماہنامہ کا اجراء کیا۔ ۱۹۲۴ء میں اسد ملتانی نے ایک اور سائنسی اخبار "روشنی" نکالا۔ ۱۹۲۷ء میں کشفی ملتانی نے ملتان پنچ اور ناطق جالندھری نے "ساقی" جاری کیا۔ ۱۹۳۰ء میں لالہ بال کشن بترہ نے ہفت روزہ اخبار "اقبال" کا اجراء کیا۔ ۱۹۳۵ء سے ۱۹۴۱ء تک غنچہ امروہوی نے ماہانہ رسالہ "باغ وبہار" جاری کیا۔ اس میں برصغیر کے اس دور کے نامور لکھنے والوں کی تخلیقات شائع ہوتی تھیں۔

۱۹۳۴ء میں اسد ملتانی کے بھائی محمد اکرم خان نے روزنامہ "شمس" جاری کیا جو ۱۹۵۴ء تک پوری آب وتاب سے شائع ہوتا رہا۔ خبروں، تبصروں، زبان وادب اور سیاسی شعور کے اعتبار سے روزنامہ "شمس" ملک کے بڑے اخباروں میں سے کسی طور بھی کم تر نہیں تھا۔ اسد ملتانی کی جان دار نظموں نے اس اخبار کو اور بھی جاذبیت بخشی، سیاسی بیداری کا زمانہ آیا تو ملتان کی صحافت نے ایک اور کروٹ لی۔ کانگریس اور مسلم لیگ کی کشاکش اور ہندو اور مسلمانوں کا جذبہ سابقت ملتان کی صحافت میں نشاۃ الثانیہ کا پیام بر ثابت ہوا، اس دور کے میدان صحافت میں مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا۔ مسلمان صحافیوں میں یہاں اسد ملتانی، محمد اکرم خان (شمس) واحد ندوی، شیخ مظفر الدین

(زمیندار سدھار) مولانا نور احمد فریدی (صداقت)، منشی عبدالرحمٰن خان (مجاہد اسلام) کے نام نمایاں ہیں۔ ملتان کی صحافت میں ہندو اہل قلم خال خال ہی تھے۔ پنڈت ایشور دت (ویر کیسری) اور (گھن چکر) ہمت رائے (مسافر) کے نام قابل ذکر ہیں۔
ایک قوم پرست ہندو ودیا پرکاش نے ''نشان ہندو'' کے نام سے بھی ایک اخبار ملتان سے جاری کیا تھا۔ اس طرح قیام پاکستان سے قبل تک کل گیارہ اخبار و جرائد ملتان سے باقاعدگی سے چھپتے تھے۔
قیام پاکستان کے بعد ملتان میں صحافت انحطاط پذیر ہو گئی اور اس کی جگہ لاہور اور کراچی کے اخبارات یہاں کے قارئین کی توجہ کا مرکز بن گئے۔ روزنامہ ''شمس'' ۱۹۵۴ء میں بند ہو گیا اور ''زمیندار سدھار'' بھی بالآخر دم توڑ گیا۔ اس کے بعد ۱۹۵۵ء میں روزنامہ ''کارزار'' بھی جو کہ بڑی آب و تاب سے نکلا تھا، زیادہ عرصہ حالات کی تاب نہ لا سکا۔ اپریل ۱۹۵۹ء میں ملتان سے روزنامہ ''کوہستان'' اس کے کچھ ماہ بعد ۱۶ جون ۱۹۵۹ء کو روزنامہ ''نوائے وقت'' اور جولائی ۱۹۵۹ء میں روزنامہ ''امروز'' کا اجراء ہوا، ان میں ''کوہستان'' اور ''امروز'' تو بند ہو گئے لیکن ''نوائے وقت'' ابھی تک آب و تاب اور نئی تبدیلیوں کے ساتھ شائع ہو رہا ہے۔ ملتان سے اس دوران اور بہت سے اخبارات و جرائد کا اجراء ہوا، جن میں روزنامہ ''آفتاب''، ''سنگ میل''، ''اعلان''، ''قومی آواز''، ''حرارت''، ''عدل'' کے نام شامل ہیں، جو اب تک باقاعدگی سے شائع ہو رہے ہیں۔ ملتان میں تخلیق ہونے والے ادب و نثر پر ایک نظر ڈالی جائے تو اس میں اس عظیم دھرتی کی بو باس اور الگ شناخت موجود ہے، اس لئے اسے دبستان ملتان کے نام سے موسوم کیا جائے تو بے جا نہ ہو گا۔

(ب) ملتان میں اقبال شناسی کے اوّلین نقوش

خطہ ملتان میں شاعری اور نثر کے اس عظیم پس منظر کے ساتھ یہ ناممکن تھا کہ علامہ اقبال جو کہ بیسویں صدی کے ربع اوّل میں ایک ادبی و ثقافتی تحریک بن کر ابھرے ان کے اثرات یہاں کے ادب و ثقافت پر ثبت نہ ہوتے۔ ملتان میں ادبی جرائد کی اشاعت کا آغاز ۱۹۲۵ء کے لگ بھگ ہوا، جب ملتان سے ناطق جالندھری کی زیر ادارت "ساقی" ن۔م۔راشد نے "نخلستان"، غنچہ امروہوی نے ماہانہ رسالہ "باغ و بہار" اور بال کشن بترہ ابر نے ہفت روزہ "اقبال" کا اجراء کیا۔ ان جرائد کی اشاعت سے ملتان میں اردو تنقید کا بھی آغاز ہوتا ہے، اس لئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ ملتان میں اقبالیاتی ادب اور اردو تنقید کا آغاز ایک ساتھ ہوا۔ ان ابتدائی جرائد میں اکثر مضمون نگاروں نے اپنے موضوعات کی تشریح و توضیح کے لئے علامہ اقبال کے اشعار قلم بند کئے ہیں۔ لیکن ملتان کی ادبی محفلوں میں اس سے بہت پہلے علامہ اقبال کے نام اور اشعار کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔ جب ۱۹۱۶ء میں ملتان کے ایک ہندو وکیل لالہ بال کشن بترہ ابر جو کہ علامہ اقبال کے رنگ میں شاعری کرتے تھے، اور ان کی "علامہ اقبال سے خط و کتابت بھی تھی۔" (۳۷)

انہوں نے یہاں "بزم اقبال" قائم کی۔ یہ بر صغیر میں قائم ہونے والی پہلی بزم اقبال ہے، جس کے تحت مشاعرے اور تقاریب بھی منعقد ہوتی تھیں۔

"جب بال کشن بترہ ابر ملتانی ۱۹۱۶ء میں لاء کالج لاہور سے ایل ایل بی کر کے واپس آئے تو انہوں نے یہاں وکالت شروع کرنے کے بعد اس بزم کی بنیاد رکھی۔" (۳۸)

اس بارے میں عزیز حاصل پوری کا ایک بیان ہے کہ:

"جب میں ۱۹۴۸ء میں حاصل پور سے یہاں آکر مقیم ہوا تو ملتان میں "بزم اقبال" کا

بہت چرچا تھا، اس کے ادبی اجلاس وقتاً فوقتاً ہوا کرتے تھے، ان جلسوں میں ملتان کے تقریباً سب ہی شعراء شرکت کرتے تھے۔" (۳۹)

۱۹۴۷ء میں بال کشن بترہ ابر کے ہندوستان ہجرت کر جانے سے یہ بزم ختم ہو گئی۔

لالہ بال کشن بترہ علامہ اقبال کے بارے میں کہتے ہیں۔

آہ اے اقبال ہاں اے شاعر جادو بیاں!!

مر کے بھی تو زندہ ہے قائم جب تلک ہے آسماں (۴۰)

ملتان میں علامہ اقبال کے بارے میں لکھی جانے والی پہلی منظوم تخلیق اسد ملتانی کی ایک نظم ہے، جو فارسی زبان میں لکھی گئی ہے اور فروری ۱۹۳۰ء کے "معارف" اعظم گڑھ میں شائع ہوئی۔ نظم کا عنوان ہے، سوال بہ اقبال از جناب محمد اسد خاں صاحب بی اے ملتان اس پر مدیر نے ایک نوٹ بھی لکھا ہے۔

"شاعر کو ڈاکٹر سر اقبال مثنوی کی اسرار خودی پڑھ کر جو شکوک پیش آئے ہیں، وہ موزوں نغموں میں ادا ہوئے ہیں۔

صوفیانہ مثنوی گلشن راز کا وجود اسی طرح ہوا ہے۔ کیا ہمارے شاعر کے یہ شکوک ہمارے باکمال فلسفی شاعر کو ایک نئے گلسن راز کے کھلانے کی طرف متوجہ نہ کریں گے۔" (۴۱)

نظم کا آغاز اس شعر سے ہوتا ہے:

پیش اقبالی بزم اے اسد ایں مشکل خویش

ہست دل در بر من یا منم اندر دل خویش (۴۲)

اس نظم میں شاعر نے فلسفہ عشق، عقل اور خودی کے مفاہیم کی حقیقت کو تلاش

کرنے کی کوشش کی ہے اور انہیں بطور سوال اقبال کے سامنے رکھا ہے۔ اسد ملتانی نظم کے آخر میں لکھتے ہیں،

دارم امید کہ آن فلسفی صاحب دل

بخشاید بہ کرم عقدہ این سائل خویش(۴۳)

اسد ملتانی نے اس کے بعد عمر بھر علامہ اقبال کے افکار و نظریات کی پیروی کو اپنا مقصد حیات بنالیا اور تمام عمر اسی راہ پر گامزن رہے۔ اپنے ایک شعر میں کہتے ہیں۔

شعر میں حضرت اقبال کا پیرو ہونا

ہے اگر جرم تو بے شک اسد اقبالی ہے(۴۴)

نثر میں ملتان سے شائع ہونے والی علامہ اقبال پر پہلی تصنیف "ملت اور وطن" کے عنوان سے شائع ہونے والا ایک کتابچہ ہے جو ۱۶ مارچ ۱۹۳۸ء کو ادارہ روزنامہ "شمس" ملتان نے شائع کیا۔ اسے اسد ملتانی کے بھائی محمد اکرم خان مدیر روزنامہ شمس ملتان نے مرتب کیا تھا۔ بتیس صفحات پر مشتمل اس کتابچہ کا موضوع ملت اور وطن کے عنوان کے مولانا حسین احمد مدنی اور علامہ اقبال کی بحث ہے۔ کتابچہ کے آغاز میں تمہید کے عنوان سے محمد اکرم خاں لکھتے ہیں،

"مسئلہ کی اہمیت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ہم نے ضروری سمجھا کہ ان تمام مباحث کو ایک جگہ جمع کر کے ایک رسالہ کی صورت میں شائع کر دیا جائے تا کہ مسلمان اس مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر غور کر کے صحیح فیصلہ پر پہنچنے کی کوشش کر سکیں۔"(۴۵)

ابتداء میں مولانا حسین احمد مدنی کے نظریہ قومیت کی بارے میں مدیر احسان کے نوٹ کے ساتھ علامہ اقبال کے مولانا حسین احمد مدنی کے بارے میں کہے گئے وہ اشعار دیئے گئے ہیں جو روزنامہ احسان لاہور میں ۳۱ جنوری ۱۹۳۸ء کو شائع ہوئے اور بعد میں

"ارمغان حجاز" کی بھی زینت بنے۔

مولانا حسین احمد مدنی کے اس مسئلے کی وضاحت کے بارے میں خطوط اور علامہ اقبال کے جواب بھی شامل اشاعت ہیں۔ کتابچہ میں اقبال احمد خاں سہیل کی ایک نظم "ملت و قوم" بھی شامل ہے، جو اقبال احمد خاں سہیل نے مولانا حسین احمد مدنی کی حمایت میں لکھی اور ہفتہ وار "ہند" کلکتہ میں ۲۱ فروری ۱۹۳۸ء کو شائع ہوئی، اس کے جواب میں اسد ملتانی نے "ملت دینی یا قومیت وطن" کے عنوان سے سہیل علیگ کی نظم کا جواب لکھا۔ فارسی زبان میں یہ نظم روزنامہ "احسان" لاہور کی ۲ مارچ ۱۹۳۸ء کی اشاعت میں اشاعت میں شائع ہوئی اس میں اسد ملتانی کہتے ہیں

بگفت حضرت اقبال شعر پاک وبلند
کہ عین مظہر عشق محمد ﷺ عربی است (۴۶)

ملتان میں اقبالیات کے سلسلہ کی دوسری کڑی اسد ملتانی کا "مرثیہ اقبال" ہے جو ایک طویل ترکیب بند نظم ہے اور علامہ اقبال کے وفات کے بعد یکم جون ۱۹۳۸ء کو ادارہ روزنامہ شمس ملتان نے شائع کیا، اس میں اسد ملتانی کہتے ہیں،

مانتا ہی نہیں دل کہ پاگیا ہے وفات
وہ میرا مرشد واستاد مہربان اقبال (۴۷)

اس کا دیباچہ غلام احمد پرویز نے لکھا ہے وہ مرثیہ اقبال کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"اقبال کا مرثیہ در حقیقت عالم اسلام کی بے کسی اور یتیمی کا مرثیہ ہے اور اسے وہی شخص لکھ سکتا تھا جس کی انگلیاں نبض ملت پر اور نگاہیں رفتار زمانہ پر ہوں، جس کا دماغ حقائق قرآنی سے منور اور قلب درد ملی سے لبریز ہو، یہ توفیق حلقہ اقبال ہی کے کسی رند سرشار کا حصہ تھی اور ظاہر ہے کہ جناب اسد سے بڑھ کر اس سعادت کا مستحق اور کون

ہو سکتا تھا۔"(۴۸)

اس مرثیے میں اسد نے علامہ اقبال کو کئی خطابات سے یاد کیا ہے۔ امام فلسفہ، شاعر پیغمبر بہار، نوائے فطرت پر غالب آنے والا، زمزمہ پرداز، شاعر حیات، آفتاب مشرق اور ترجمان حقیقت وغیرہ۔ اس مرثیہ میں غم اور درد کی ایک تیز لہر شروع سے آخر تک موجود ہے۔

جولائی ۱۹۴۵ء میں اسد ملتانی کا ایک مضمون "اقبال، انا اور تخلیق" ماہنامہ معارف اعظم گڑھ میں شائع ہوا۔ اس مضمون کی ابتداء میں اسد ملتانی لکھتے ہیں۔

"حضرت علامہ اقبال کے شعر و فلسفہ کے متعلق بہت کچھ لکھا جا رہا ہے اور علمی نقطہ نظر سے یہ ایک مبارک علامت ہے لیکن یہ دیکھا گیا ہے کہ یا تو انکے متفرق اشعار کچھ کہیں سے اور کچھ کہیں سے لے کر چند تشریحی جملوں کے ذریعے باہم مربوط کر دیئے جاتے ہیں۔ اس طرح ایک خاصا دلچسپ مگر بالکل سطحی قسم کا مضمون تیار ہو جاتا ہے۔"(۴۹)

اس مضمون میں دراصل "زبور عجم" کے چند اشعار کی تشریح کی گئی ہے۔ علامہ اقبال کے فکر و فن پر پہلی باقاعدہ تنقیدی کتاب پروفیسر افتخار حسین شاہ کی "اقبال اور پیروی شبلی ہے"، جو فروری ۱۹۷۷ء میں منظر عام پر آئی، بعد میں اس کا ایک ایڈیشن ادارہ اعتقاد پبلشنگ ہاؤس دہلی کے زیر اہتمام ۱۹۸۸ء میں بھارت سے بھی شائع ہوا۔ یہ کتاب افتخار حسین شاہ کے گراں قدر چودہ مضامین کا مجموعہ ہے جو اقبالیاتی تنقید میں بے حد اہمیت کے حامل ہیں۔ علاقائی زبانوں میں ڈاکٹر مہر عبدالحق کی منظوم سرائیکی کتاب "جاوید نامہ اقبال" اولیت کا شرف رکھتی ہے جو ۱۹۷۴ء میں سرائیکی ادبی بورڈ کے زیر اہتمام شائع ہوئی۔

پنجابی زبان میں عبدالمجید ساجد کی کتاب "اقبال دی حیاتی" جو ۱۹۸۲ء میں منظر عام پر

آئی۔ یہ حیات اقبال پر پورے برصغیر میں پنجابی میں لکھی جانے والی پہلی مبسوط کتاب ہے۔اس کتاب کو ۱۹۸۴ء میں پاکستان رائٹرز گلڈ نے اول انعام دیا اور ۱۹۹۴ء میں اسے قومی صدارتی اقبال ایوارڈ سے نوازا گیا ہے۔ عبدالمجید خاں ساجد نے پنجابی زبان ہی میں علامہ اقبال کی دس نظموں کا منظوم ترجمہ "دلاں دا چانن" کے عنوان سے کیا ہے۔ یہ کتاب ۱۹۸۴ء میں شائع ہوئی۔

پروفیسر اکبر منیر ملتان کی پہلی شخصیت ہیں جن کے نام سب سے پہلے مارچ ۱۹۲۵ء میں علامہ اقبال کا ایک مکتوب ملتا ہے۔ پروفیسر اکبر منیر اس وقت گورنمنٹ کالج ملتان میں عربی کے استاد تھے۔ علامہ اقبال سے ان کی خط وکتابت کا آغاز اس وقت ہوا جب وہ جنوری 1918ء میں اسلامیہ کالج لاہور میں بی اے کے طالب علم تھے۔ "اقبال نامہ" حصہ دوم میں اکبر منیر کے نام علامہ اقبال کے نو خطوط ملتے ہیں۔

۱۹۵۲ء میں ملتان سے پہلے اردو اخبار "دریائے نور" کا آغاز ہوا، یہ ملتان میں اردو صحافت کا نقش اولین ہے، یوں ملتان کی صحافتی تاریخ ایک سو بیالیس برس پر محیط ہے۔ جنوری ۱۹۳۰ء میں ملتان کے ایک ہندو وکیل لالہ بال کشن بترہ ابر نے ایک ہفت روزہ اخبار "اقبال" کا اجراء کیا۔ ہفت روزہ اقبال ۱۶/۴×۲۳ سائز کے سولہ صفحات میں شائع ہوتا تھا۔ اس کا سالانہ چندہ ایک روپیہ آٹھ آنے اور قیمت فی پرچہ ایک آنہ تھی یہ اخبار اقبال برقی پریس اندرون بوہڑ گیٹ باہتمام ایم ایچ اختر پرنٹر پبلشر شائع ہوتا تھا۔ اس میں علمی وادبی مضامین کے علاوہ کتابوں پر تبصرے اور اہم خبریں وواقعات شائع ہوتے تھے۔ اخبار "اقبال" کے ایک دستیاب شمارے میں علامہ اقبال کی وفات پر یہ قطعہ شائع کیا گیا ہے۔

"جناب حضرت اقبال کر گئے رحلت
ہوا جو فوت سے ان کی ہر ایک دل رنجور
سن وفات سر اقبال آفتاب جہاں
کہا ہاتف غیبی نے مجھ کو المغفور" (۵۰)

یہ برصغیر پاک وہند میں علامہ اقبال کے نام سے شائع ہونے والا پہلا ہفت روزہ اخبار ہے اس کے بعد پریس لاز برانچ سول سیکریٹریٹ لاہور کے مطابق

"وزیر آباد سے ۱۹۳۳ء میں ایک ماہنامہ "اقبال" کے نام سے چھپنا شروع ہوا تھا، جس کے ایڈیٹر تبسم قریشی تھے۔" (۵۱)

یہ وہ ابتدائی کاوشیں تھیں، جنہوں نے اس عظیم خطہ میں اقبالیاتی ادب کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

حواشی

۱۔ بحوالہ "سات دریاؤں کی سرزمین" کاروان ادب ملتان، ۱۹۸۰ء، ص ۲۱۹

۲۔ بحوالہ "تاریخ ملتان ذیشان" عالمی ادارہ اشاعت اسلامیہ، ملتان ۱۹۸۶ء، ص ۳۱

۳۔ بحوالہ "تواریخ ضلع ملتان" نیو امپریل پریس لاہور، ۱۸۸۴ء ص ۴۲

۴۔ بحوالہ "تاریخ ملتان" رہبر ایجنسی، لاہور ۱۹۷۸ء ص ۲۱

۵۔ ابن حنیف، سات دریاؤں کی سرزمین، ص ۱۹۷

۶۔ ایضا، ص ۲۲۳

۷۔ ارشد حسین ارشد (مرتب) ملتان قدیم وجدید، بزم ترقی ادب، ملتان ۱۹۶۸ء ص ۱۰

۸۔ روبینہ ترین، ڈاکٹر "ملتان کی ادبی وتہذیبی زندگی میں صوفیائے کرام کا حصہ"، بیکن

بکس، ملتان ۱۹۸۹ء ص ۱۹

۹۔ سہیل بخاری، ڈاکٹر "اردو کی کہانی" مکتبہ شعاع ادب، لاہور ۱۹۷۵ء ص ۸۲

۱۰۔ "ملتان کی ادبی و تہذیبی زندگی میں صوفیائے کرام کا حصہ" صف ۸۲

۱۱۔ محمود شیرانی۔ حافظ "پنجاب میں اردو" مکتبہ معین الادب، لاہور س ن، ص ۴۸

۱۲۔ "ملتان کی ادبی و تہذیبی زندگی میں صوفیائے کرام کا حصہ"، ص ۵۲۷۔

۱۳۔ ایضاً، ص ۵۲۷

۱۴۔ ایضاً، ص ۳۸۴

۱۵۔ "تاریخ ملتان" ص ۱۳۹

۱۶۔ ایضاً، ص ۱۳۹

۱۷۔ ایضاً، ص ۱۴۰

۱۸۔ ماہنامہ پاکستانی ادب، کراچی، امیر خسرو نمبر، جلد ۲، اکتوبر، نومبر ۱۹۷۵ء ص ۱۱

۱۹۔ علامہ اقبال، بال جبریل، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ص ۱۹

۲۰۔ "تاریخ ملتان" ص ۱۲۶

۲۱۔ "ملتان کی ادبی و تہذیبی زندگی میں صوفیائے کرام کا حصہ" ص ۵۰۴

۲۲۔ "تاریخ ملتان" ص ۱۳۰

۲۳۔ برنی، سید مظفر حسین (مرتب) کلیات اقبال (جلد اول) اردو اکادمی،
دھلی ۱۹۹۲ء، ص ۹۹۲

۲۴۔ ایضاء، ص ۹۹۲

۲۵۔ "کلیات اقبال" (فارسی)، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، ص ۹۱۰

۲۶۔ ایضا، ص ۱۲۳

۲۷۔ "ملتان کی ادبی و تہذیبی زندگی میں صوفیائے کرام کا حصہ" ص ۵۳۳

۲۸۔ محمد اکرام شیخ، "آب کوثر" ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۸۷ء، ص ۲۶۰

۲۹۔ طاہر تونسوی، ڈاکٹر، "ملتان میں اردو شاعری" سنگ میل پبلی کیشنز لاہور،
۱۹۸۴ء ص ۱۰

۳۰۔ ایضاً، ص ۵

۳۱۔ انور سدید، "اردو ادب کی مختصر تاریخ" مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد،
۱۹۹۱ء ص ۶۹

۳۲۔ مہر عبدالحق، ڈاکٹر "پیام فرید" سرائیکی ادبی بورڈ، ملتان، ۱۹۸۷ء ص ۳

۳۳۔ ارشد حسین ارشد (مرتب) "ملتان قدیم و جدید" بزم ترقی ادب، ملتان
۱۹۶۸ء ص ۱۳۰

۳۴۔ غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر، اقبال کا ذہنی ارتقاء مکتبہ خیابان ادب، لاہور
۱۹۷۶ء ص ۱۲

۳۵۔ طاہر تونسوی ڈاکٹر "ملتان میں اردو شاعر" ص ۵۳

۳۶۔ ہفت روزہ "الشمس" ملتان، جلد ۱، شمارہ ۱، ۲۸ نومبر ۱۹۲۲ء ص ۲

۳۷۔ راقم کے نام بیرسٹر جگدیش چندر بترہ مقیم دہلی کا خط مورخہ ۱۴ جون ۱۹۹۴ء

۳۸۔ ممتاز حسین ملک، ملتان کے ادبی ادارے، غیر مطبوعہ تحقیقی مقالہ
۸۳۔۱۹۸۲ء جامعہ زکریا ملتان، ص ۲۴

۳۹۔ ایضاً، ص ۲۴

۴۰۔ بال کشن بترہ ابر کا ایک غیر مطبوعہ مکتوب "میری کہانی میری زبانی" مورخہ
۲۹۔۸۔۶۷ (یہ خط جاوید اختر بھٹی کے پاس محفوظ ہے)

۴۱۔ معارف، اعظم گڑھ، شمارہ نمبر ۲، جلد نمبر ۱۷، فروری ۱۹۳۰ء، ص ۱۴۴
۴۲۔ ایضاً، ص ۱۴۴
۴۳۔ ایضاً، ص ۱۴۴
۴۴۔ جعفر بلوچ (مرتب) "اقبالیات اسد ملتانی"، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور ۱۹۸۴ء، ص ۳۶
۴۵۔ محمد اکرم خان (مرتب) "ملتان اور وطن" ادارہ روزنامہ شمس، ملتان شہر، ۱۹۳۸ء، ص ۴
۴۶۔ ایضاً، ص ۱۶
۴۷۔ ذوالفقار احمد تابش، "نذر اقبال" اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۱۹۷۷ء ص ۲۸۰
۴۸۔ "اقبالیات اسد ملتانی" ص ۱۰۱
۴۹۔ ایضاً، ص ۹۷
۵۰۔ ہفت روزہ "اقبال" ملتان، شمارہ نمبر ۲۲، جلد نمبر ۱۱، ۷ نومبر ۱۹۳۸ء، ص ۱۰
۵۱۔ راقم کا ڈپٹی ڈائریکٹر تعلقات عامہ، سول سیکریٹریٹ لاہور سے انٹرویو، ۲۴ اپریل ۱۹۹۴

باب دوم

ملتان میں اقبالیات کا ارتقاء

ملتان میں اقبالیات کا ارتقاء

(بحوالہ شاعری)

علامہ اقبال بیسویں صدی کے ربع اول میں بر صغیر پاک وہند کے ادبی افق پر نمودار ہوئے، بلاشبہ وہ ایک عظیم شاعر، مفکر اور فلسفی تھے، ان کی ہمہ جہت شخصیت نے بر صغیر پاک وہند کے ادب، سیاست اور ثقافت پر گہرے اثرات مرتب کئے۔ علامہ اقبال کی شاعری زندہ اور متحرک الفاظ کی شاعری ہے۔ ایسی شاعری جو ہر زمانے اور قوم کے لئے منشور اور درس حیات کی حیثیت رکھتی ہے۔ علامہ اقبال کی شاعری کی بنیادی خصوصیات اور شناخت انکی شاعری میں فارسی عناصر کا نمایاں ہونا، غزل کے مقابلے میں نظم کا فروغ، فطرت پسندانہ رجحان اور قومی، سیاسی، اخلاقی اور اصلاحی موضوعات ہیں۔ یہی وہ اجزاء بھی ہیں جو مل کر دبستان اقبال کی تشکیل کرتے ہیں۔ علامہ اقبال کے بعد کسی شاعری کا جائزہ لیں تو اردو شاعری میں بہت سے شعراء نے اقبال کے اثرات کو قبول کیا اور انکی پیروی بھی کی لیکن اگر دبستان ملتان کے شعراء کی شاعری پر نظر ڈالیں تو نظر آتا ہے کہ ٹھیٹھ دبستان اقبال خطہ ملتان میں پیدا ہوا۔ یہاں ایسے لوگوں نے جنم لیا جنھوں نے خالصتاً اقبال کے رنگ میں شاعری کی ان میں پہلا نام اسد ملتانی کا ہے، جن کو اقبال کی تائید اور تحسین بھی حاصل تھی اور انہوں نے عمر بھر اپنی

شاعری میں یہ ثابت کر دکھایا ہے کہ انہوں نے صحیح معنوں میں اقبال کی پیروی کی اور اقبالیات کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا۔ خطہ ملتان کو اپنے اس فرزند پر فخر رہے گا۔

''اسد ملتانی ۱۹۰۲ء میں محلّہ کڑی افغاناں ملتان میں پیدا ہوئے۔''(۱)

ابتدائی تعلیم ملتان کے مختلف تعلیمی اداروں میں حاصل کی۔ میٹرک کے امتحان میں جب اسد نے کامیابی حاصل کی تو انہیں اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے لاہور بھیجا گیا، جہاں انہوں نے داخلہ کیلئے گورنمنٹ کالج کو ترجیح دی۔ وہاں کے جس ادبی ماحول میں اسد کی شاعرانہ صلاحیتوں نے تقویت پائی وہ علامہ اقبال کا پیدا کردہ تھا۔ اس کے علاوہ اسد ملتانی کے قیام لاہور کے پہلے برس ہی ایسی صورت بھی نکل آئی کہ ان کا علامہ اقبال سے تعلق خاطر بھی پیدا ہو گیا۔ اس میں ایک واقعہ اس کا سبب بنا۔ اس کا اظہار اسد ملتانی نے اپنے الفاظ میں یوں کیا ہے۔

''بیس پچیس برس پہلے گورنمنٹ کالج لاہور میں ہر سال تقسیم انعامات کے موقع پر ایک انعام اردو میں بہترین نظم لکھنے والے طالب علم کو بھی ملا کرتا تھا چناں چہ ۱۹۲۱ء میں جب میں سال اول میں تعلیم پاتا تھا۔ کالج کے طلباء کو حسب معمول نظمیں پیش کرنے کی دعوت دی گئی، انہی دنوں ایک مضمون ذہن میں گردش کر رہا تھا۔ اسی کو میں نے ''شبنم کا قطرہ'' عنوان دے کر نظم میں ڈھال دیا۔''(۲)

اس انعامی مقابلے کا فیصلہ ہوا تو اسد ملتانی کی نظم کو پہلا انعام ملا اور جب انہوں نے نظم دیکھی تو اس میں اصلاح کی گئی تھی دراصل اس کے جج علامہ اقبال تھے۔

''حضرت علامہ اقبال نے نظم کی اصلاح کرتے ہوئے پہلے پانچ تمہیدی اشعار حذف کر دیئے اور چھٹے شعر کو اصلاح دے کر نظم کا آغاز یوں کیا۔

قطرہ بے رنگ ہوں یا قلزم نیرنگ ہوں

سننے والے سن کہ میں بھی ایک خموش آہنگ ہوں (۳)

یہ ایک ایسا اعزاز تھا جسے اسد ملتانی نے ہمیشہ کے لئے حرز جاں بنا لیا اور تمام عمر اتباع اقبال میں قومی و ملی شاعری کو مقصد حیات بنائے رکھا۔ اسد ملتانی کو اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہنے پر قدرت حاصل تھی۔ ان کی نظمیں اور غزلیں ملک کے مقتدر اخبارات و جرائد "زمیندار"، "انقلاب"، "معارف"، "اعظم گڑھ"۔ "طلوع اسلام"، "نیرنگ خیال"، "ہمایوں"، "فاران"، "نمک دان" اور "عالمگیر" میں شائع ہوتی تھیں۔ اسد ملتانی کا تمام شعری سرمایہ مختلف اخبارات اور رسائل میں بکھرا ہوا ہے اور تا حال انکا کوئی کلیات یا شعری مجموعہ مدون نہیں ہوا ہے۔ علامہ اقبال کے بارے میں ان کی پہلی نظم فارسی زبان میں فروری ۱۹۳۱ء کے معارف، اعظم گڑھ میں سوال بہ اقبال کے عنوان سے شائع ہوئی جو کہ اسرار خودی کے مطالعہ کے نتیجہ میں جنم لینے والے سوالات پر مبنی ہے، جس کا براہ راست اظہار بھی انہوں نے علامہ اقبال سے ایک ملاقات میں کیا تھا۔

"جواب میں حضرت علامہ نے جناب اسد کو انگریزی خطبات کا مطالعہ کرنے کا مشورہ دیا۔" (۴)

علامہ اقبال اکثر نوجوانوں کی شعر گوئی کے سلسلے میں حوصلہ افزائی نہیں کرتے تھے کیوں کہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ برصغیر کے مسلمانوں کو شعر بازی کی ضرورت نہیں لیکن وہ اصحاب جن میں شعر گوئی کی فطری صلاحیت دیکھ کر انکو شعر گوئی ترک کرنے کا مشورہ نہیں دیا تھا بلکہ انکی حوصلہ افزائی کی ان میں ملتان کے پروفیسر اکبر منیر اور اسد ملتانی کے نام شامل ہیں، بقول خضر تمیمی علامہ اقبال نے ایک بار یہ فرمایا تھا۔

"آئندہ پنجاب کی ادبی روایات کو برقرار رکھے جانے کی امیدیں نوجوانوں سے وابستہ نظر

آتی ہیں۔ایک تاثیر اور دوسرے اسد محمد خان۔"(۵)

اسد ملتانی نے علامہ اقبال کے بارے میں متعدد نظمیں لکھی ہیں، ان کی اردو زبان میں لکھی گئی علامہ اقبال کے بارے میں پہلی نظم انہوں نے ۹ جنوری ۱۹۳۸ء کو یوم اقبال کے جلسہ منعقد لاہور میں پڑھی۔ اس میں وہ علامہ اقبال کو یوں خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔

شاعروں سے ہے بہت اونچا مقام اقبال کا
کیوں کہ ہم آہنگ قرآں ہے کلام اقبال کا (۶)

جون ۱۹۳۸ء میں انہوں نے علامہ اقبال کی وفات پر ایک مرثیہ لکھا جو مکتبہ الشمس ملتان کے زیر اہتمام شائع ہوا۔ یہ اٹھائیس صفحات پر مشتمل کتابچہ ہے۔ اردو میں اس سے قبل اور بھی شخصیات کے مرثیے لکھے گئے ہیں لیکن مرثیہ اقبال اپنے بیان اور اظہار کے لحاظ سے مرثیہ گوئی کی عمدہ صفات کا حامل ہے۔ ہر ایک شعر اقبال سے سچی محبت و عقیدت کا مظہر ہے۔

ذرا بھی جی نہیں لگتا جہان فانی میں
خلا سا ہوتا ہے محسوس زندگانی میں (۷)

کہاں کرائے گی جاوید منزل اب تری دید
کہ تونے جا کے بسا لی ہے منزل جاوید (۸)

ہوا جہاں میں یکایک یہ انقلاب افسوس
غروب ہوگیا مشرق کا آفتاب افسوس (۹)

یہ طویل مرثیہ المیہ انداز میں شروع ہو کر علامہ اقبال کے پیغام کو عام کرنے کے عزم کے ساتھ اختتام پذیر ہوتا ہے۔

اسد ملتانی لکھتے ہیں۔

اٹھو مقابلہ گردش زمانہ کریں
حیات وموت کو بابستہ قضا نہ کریں
فنا یہی ہے کہ دل میں نہ ہو یقین بقا
بقا یہی ہے کہ اندیشہ فنا نہ کریں
اسی سے ملت خوابیدہ جاگ اٹھے شائد
وطن میں عام پھر اقبال کا ترانہ کریں(۱۰)

۱۹۳۹ء میں اسد ملتانی کی ایک نظم "مقصود اقبال" کے عنوان سے مجلّہ "طلوع اسلام" میں شائع ہوئی اس کے ساتھ ایک نوٹ بھی تحریر کیا گیا ہے کہ،

"یہ اشعار مجلس مرکزیہ یوم اقبال لاہور کے منعقد کردہ یوم اقبال مورخہ ۱۰ اپریل ۱۹۳۹ کے لئے لکھے گئے۔ یہ محض تخیل پر مبنی نہیں ہیں بلکہ ان میں ایک سچے واقعہ کو شاعرانہ پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے۔"(۱۱)

اس نظم میں اسد ملتانی نے علامہ اقبال اور ایک ملاقاتی کے واقعہ کو نظم کیا ہے جو کہ ان سے شاعری کی بابت دریافت کرتا ہے لیکن علامہ اقبال اسے نصیحت کرتے ہیں کہ انکی شاعری کو نہیں اس میں پوشیدہ پیغام کو اپنایا جائے تو انسان پر فضلیت وراحت کے تمام در کھل جاتے ہیں۔ اس لئے کہ انکا مقصود قرآن ہے، جس سے انہوں نے رہنمائی حاصل کی ہے۔

"تری نظر میں ہیں میری تصانیف
میری نظروں میں قرآن مبین ہے
گزر جانا، مری بزم سخن سے
رہ قرآن میں گام اولین ہے"(۱۲)

علامہ اقبال کے بارے میں اسد ملتانی کی دوسری نظم مجلّہ "طلوع اسلام" کراچی میں ۱۹۴۰ء میں "یار اقبال" کے عنوان سے شائع ہوئی۔ اس نظم میں اسد ملتانی نے علامہ اقبال کی رحلت کو عالم اسلام کے لئے ایک عظیم سانحہ قرار دیا ہے اور انکے فکر و فلسفہ کو لازوال قرار دیتے ہوئے مسلمانوں کے لئے اس کی پیروی کی تلقین کی ہے، اسد ملتانی لکھتے ہیں:

نہیں اٹھتی کوئی پر درد صدا تیرے بعد
ہو گیا قافلہ محروم درا تیرے بعد (۱۳)

۲۱ اپریل ۱۹۴۱ء کو اسد ملتانی کی ایک نظم آل انڈیا ریڈیو دہلی سے بعنوان "شعر اقبال"، براڈکاسٹ ہوئی اس کے بعد یہ مئی ۱۹۴۱ء کے مجلّہ "طلوع اسلام" میں بھی شائع ہوئی۔ اس نظم میں اسد ملتانی شعر اقبال کی تاثیر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں

ایسے انداز سے پیغام بقا دیتا ہے
کر کے انسان میں احساس خودی بیدار
دل کی سوئی ہوئی قوت کو جگا دیتا ہے
فلسفے کو وہ بناتا ہے محبت کا غلام
عقل کو عشق کے رستے پہ لگا دیتا ہے (۱۴)

اسد ملتانی کی ایک اور نظم بعنوان "جناح و اقبال"، "طلوع اسلام" نومبر ۱۹۴۸ء کے شمارے میں شائع ہوئی، اس میں اسد ملتانی نے علامہ اقبال اور قائد اعظم کی عالم ارواح میں ایک ملاقات کو بیان کیا ہے، جس میں علامہ اقبال قائد اعظم کو قیام پاکستان پر مبارک باد دیتے اور فرماتے ہیں کہ آپ نے میرے خواب کو تعبیر سے ہم کنار کر دیا ہے اور اس پر شکر بجا لاتے ہیں کہ مسلمان بالآخر انگریز کے اقتدار کو ختم کرنے میں

کامیاب ہو گئے، آخر میں شاعر اپنی اس خواہش کا اظہار کرتا ہے۔

جلد پاکستان میں جاری ہو اسلامی نظام
تاکہ اطمینان حاصل ہو دل اقبال کو(۱۵)

۲۴ اپریل ۱۹۴۹ء کو کراچی میں یوم اقبال منعقد ہوا، اس میں اسد ملتانی نے "کارنامہ اقبال" کے عنوان سے ایک نظم پڑھی یہ نظم کراچی ریڈیو اسٹیشن سے بھی نشر ہوئی۔ اسد ملتانی اس نظم میں قیام پاکستان کو اقبال کا کارنامہ قرار دیتے ہیں اور کلام اقبال کو قرآن کی تفسیر کہتے ہیں:

شاعر کے تخیل کی تاثیر نظر آئی
اک مملکت نو کی تفسیر نظر آئی
جو خواب کہ دیکھا تھا اک مرد قلندر نے
اس خواب کی کیا دل کش تعبیر نظر آئی(۱۶)

مجلّہ "طلوع اسلام" اپریل ۱۹۵۰ء کے شمارہ میں اسد ملتانی کی ایک نظم "یوم اقبال" کے عنوان سے شائع ہوئی، اس نظم میں اسد ملتانی نے قوم کے عمومی رویے پر افسوس کا اظہار کیا ہے اور فکر اقبال و کلام کی ناقدری کو قوم کے زوال کا باعث قرار دیا ہے۔
اسد ملتانی لکھتے ہیں،

یہ کھیل کیا ہے کہ "اقبال" بن گیا اک بال
ہر ایک طفل دبستان جسے رہا ہے اچھال(۱۷)

اسد ملتانی کا کہنا ہے کہ ہمیں اقبال کی کتابوں اور کلام سے استفادہ کرنا چاہئے یہ ہماری کامیابی و سربلندی کا باعث ہو سکتا ہے۔
"طلوع اسلام" کے مئی ۱۹۵۰ء کے شمارے میں ایک نظم "کلام اقبال کا انگریزی

ترجمہ" کے عنوان سے شائع ہوئی۔ اس میں اسد ملتانی نے تاسف کا اظہار کیا ہے کہ علامہ اقبال کے کلام کو انگریزی میں ڈھالنے کی تیاری ہے لیکن یہ کیسا دستور ہے کہ ہم اپنے شاعر کی فکر سے استفادہ کرنے کے بجائے دوسری اقوام کو یہ عظیم سرمایہ منتقل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس بارے میں لکھتے ہیں

مسلمانان پاکستان شائد چاہتے یہ ہیں
کہ خود سوئے رہیں دنیا کو دیں پیغام بیداری (۱۸)

۲۱ اپریل ۱۹۵۱ء کو کراچی میں "یوم اقبال" منعقد ہوا اس میں اسد ملتانی نے "پیغام اقبال" کے عنوان سے سے ایک نظم پڑھی۔ اسد ملتانی نے اس میں کلام اقبال سے قوم کی لاتعلقی اور عدم توجہی کو اپنے اشعار کا موضوع بنایا ہے، وہ کہتے ہیں۔

یوم اقبال تو ہر سال منالیتے ہیں
لیکن اقبال کے پیغام سے کچھ کام نہیں (۱۹)

اسد ملتانی لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کی نااتفاقی نے انہیں اس انجام تک پہنچایا ہے کہ دنیا بھر میں وہ ذلیل ورسوا ہو رہے ہیں اس لئے مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کریں تاکہ عالم اسلام کے اتحاد کے بارے میں اقبال کا خواب شرمندہ تعبیر ہو سکے۔
۲۱ اپریل ۱۹۵۲ء کو جہانگیر پارک کراچی میں یوم اقبال منعقد ہوا اس میں اسد ملتانی نے "پیغام اقبال اور ہم" کے عنوان سے ایک نظم پڑھی، جس میں فکر اقبال کے مختلف موضوعات پر طبع آزمائی کی گئی ہے اور پیروی اقبال میں تمدن، پردہ، مجلس اقوام، فتنہ وطنیت، وحدت ملت اسلام پر اشعار لکھے ہیں۔ نظم کے آخر میں اسد ملتانی کہتے ہیں

اس نے جو کچھ بھی کہا ہم نے کیا اس کے خلاف
کس قدر ضد ہمیں اقبال کے پیغام سے ہے (۲۰)

مجلّہ "ماہ نو" کراچی کے شمارہ اپریل ۱۹۵۳ء میں اسد ملتانی کی ایک نظم "عصر اقبال" کے عنوان سے چھپی۔ اس میں اسد ملتانی کہتے ہیں کہ دنیا میں اس وقت مسلمان جو بیدار ہو رہے ہیں یہ سب علامہ اقبال کی عظم شاعری کا اعجاز ہے۔ اس لئے کہ اس سے پوری دنیا مستفید ہو رہی ہے۔ اس حوالے سے انہوں نے اس زمانہ کو عصر اقبال قرار دیا ہے۔

خلد نو میں سب سے اونچا قصر ہے اقبال کا
حق تو یہ ہے عصر حاضر عصر ہے اقبال کا(۲۱)

اپریل ۱۹۵۳ء میں مجلّہ "ماہ نو" میں اسد ملتانی کی ایک نظم "اقبال سے سوال" کے عنوان سے چھپی اس نظم میں پیروی اقبال میں مکالماتی انداز اپناتے ہوئے عارف مشرق اور سائل پاکستانی کے مکالمات درج کیے ہیں، جیسے پیغام مشرق میں علامہ اقبال نے مولانا روم کو اپنا رہنما مان کر سوال و جواب درج کئے ہیں اسد ملتانی نے علامہ اقبال کو عارف مشرق کا لقب دے کر خود سائل پاکستانی کے نام سے مختلف موضوعات پر سوال و جواب درج کئے ہیں۔

سائل پاکستان

ملک ابھی اپنا نہیں ہے خود کفیل
قوم کی ہو زندگی کی کیا سبیل
اہل یورپ سے ہم آزاد آج ہیں
ان کی اشیاء کے مگر محتاج ہیں
کچھ نہ لیں گے ان سے تو پائیں گے کیا
ہم بھلا پہنیں گے کیا، کھائیں گے کیا

آنچہ از خاک تو دست اے مرد حر
آں فروش داں بپوش واں بخور (۲۲)

۲۱ اپریل ۱۹۵۳ء کو جہانگیر پارک کراچی میں یوم اقبال منعقد ہوا اس کی صدارت سفیر مصر ڈاکٹر عبدالوہاب عزام بے نے کی۔ اسد ملتانی نے اس میں ''سیرت اقبال'' کے عنوان سے ایک نظم پڑھی اس نظم میں حیات اقبال کے ایک واقعہ کو منظوم کیا گیا ہے۔ جس میں وائسرائے ہند نے علامہ اقبال کو ایک عہدے کی پیش کش کی تھی، جس کی شرط یہ تھی کہ بیگم پردہ نہیں کریں گی کیوں کہ اس ملک میں پردے کا رواج نہیں، لیکن علامہ اقبال نے شعائر اسلام کے خلاف یہ عہدہ قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس نظم کے آخر شعر میں اسد ملتانی لکھتے ہیں۔

پردہ عورت کا ہے مخصوص شعار اسلام
اس کی توہین کسی حال میں منظور نہیں (۲۳)

اس شعری سرمایہ کے علاوہ اسد ملتانی نے اقبالیات سے متعلق موضوعات پر دو نثری مضامیں بھی لکھے ہیں۔ مئی ۱۹۴۱ء کے ماہنامہ ''طلوع اسلام'' میں اسد ملتانی کا ایک مضمون ''فیضان اقبال'' کے عنوان سے شائع ہوا۔ یہ مضمون علامہ اقبال سے اسد ملتانی کی ملاقاتوں کے احوال پر مبنی ہے۔ اس اعتبار سے یہ بے حد اہمیت کا حامل مضمون ہے کہ بہت سے موضوعات پر اس سے علامہ اقبال کے خیالات سے آگاہی حاصل ہوتی ہے ایک ملاقات کا حال درج کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''میں نے سوال کیا کہ آپ کے اس خیال کے متعلق طرح طرح کے شکوک ظاہر کئے جاتے ہیں کہ آپ اعلی انسان کے منتظر ہیں جیسا کہ آپ نے ''اسرار و رموز'' میں بھی

فرمایا ہے۔

اے سوار اشہب دوران بیا

اس سے کیسی شخصیت مراد ہے کیا

آپ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی اور انسان کامل کی توقع بھی رکھتے ہیں بولے ہرگز نہیں۔(۲۴)

اسی طرح ایک اور سوال کے بارے میں لکھتے ہیں جوان کے دوست اخگر صاحب نے علامہ اقبال سے کہا۔

"ڈاکٹر صاحب انسان کی زندگی کا کیا مقصد ہونا چاہئے۔بولے اس سوال کا کوئی جواب نہیں دیا جاسکتا ویسے زندگی خود بخود کوئی نہ کوئی مقصد ا اپنے لئے متعین کرلیتی ہے اور اس کے مطابق عمل کرتی ہے۔"(۲۵)

اسد ملتانی کا دوسرا مضمون "اقبال، انا اور تخلیق" کے عنوان سے معارف اعظم گڑھ میں جولائی ۱۹۴۵ء کے شمارہ میں شائع ہوا۔اس کی تحریک انہیں خواجہ عبدالحمید لیکچرار گورنمنٹ کالج لاہور کا مضمون پڑھ کر ہوئی، جو اسی عنوان سے "معارف" کے شمارہ نومبر۔دسمبر ۱۹۴۴ء میں شائع ہوا تھا۔اسد نے بھی اسی عنوان سے ایک تنقیدی مضمون لکھا۔اس مضمون میں اسد ملتانی نے علامہ اقبال پر لکھی جانے والی نثر پر کڑی نکتہ چینی کی ہے اور اس حوالے سے عمومی رویوں کو ہدف تنقید بنایا ہے۔اس کے علاوہ "زبور عجم" کے چند فارسی اشعار کی تشریح وتوضیح کی ہے۔اس کیلئے انہوں نے یوسف حسین خاں کی کتاب "روح اقبال" میں اس موضوع پر کی گئی تشریح کو ناقص اور بعید از معنی قرار دیا ہے۔

ڈاکٹر یوسف حسین خاں کی تصنیف "روح اقبال" غالباسب سے نمایاں حیثیت رکھتی

ہے لیکن افسوس ہے کہ مندرجہ بالا نظم کے ساتھ اس کتاب میں بھی مناسب سلوک نہیں کیا گیا۔ (۲۶)

اس پر اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے، اسد ملتانی کہتے ہیں

''جہاں تک میں نے غور کیا ہے یہ دونوں شرحیں حقیقت سے بہت دور ہیں اور غلط فہمی کا باعث ہیں ایک تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ پوری نظم بالخصوص آخری شعر کو مد نظر نہیں رکھا گیا۔ (۲۷)

منظوم تحریریں اور نثری مضامین کے علاوہ اسد ملتانی کی زندگی کے دو واقعات ان کی علامہ اقبال سے ذہنی و قلبی وابستگی کے آئینہ دار ہیں۔ اس سلسلے کا پہلا واقعہ ۱۹۳۹ء میں پیش آیا، جب بعد از وفات علامہ اقبال اصلاح کے لئے اسد ملتانی کے خواب میں آئے۔ ''بابر'' نام کی ایک نظم ماہنامہ طلوع اسلام میں شائع ہوئی۔ اس نظم کے ساتھ ایک نوٹ میں اسد نے اپنے خواب کی ملاقات کے بارے میں لکھا ہے

''اس نظم کے آخری تین شعر ۴ جون کو موزوں ہوئے ۱۴ جون کی صبح کو خواب میں دیکھا کہ حضرت علامہ اقبال کسی جگہ ایک مجمع کے درمیان بیٹھے ہیں۔ میں حاضر خدمت ہوا تو فرمایا کہ کچھ تازہ اشعار لکھے ہیں تو سناؤ میں نے عرض کیا کہ شہنشاہ بابر کے متعلق تین شعر کہے ہیں لیکن نظم کی تکمیل کے لئے ابھی کچھ بھرتی کرنا باقی ہیں۔

بھرتی کا لفظ سن کر میری طرف دیکھا اور فرمایا کہ مجھے بالکل ناپسند ہے غیر ضروری شعر کبھی نہ کہا کرو۔

جب میں نے دوسرے شعر کا پہلا مصرع پڑھا کہ

دانا زمی کینم بہ ذاتش ولے چہ سود تو ٹوک کر پوچھا کیا کہا، ما نازمی کینم بیادش ولے چہ سود؟ میں نے دہرایا تو خاموش ہو گئے۔

جب میں نے بہ ذاتش کی جگہ بیادش کے اشارہ پر غور کیا تو ایک عمدہ اصلاح نظر آئی۔(۲۸)

اسی طرح ایک اور واقعہ پیش آیا، جس سے اسد کو اپنے سوالات کا جواب مل گیا اسد ملتانی کے کچھ "اشعار دعا" کے عنوان سے مجلّہ "طلوع اسلام" میں شائع ہوئے، اس کے بارے میں وہ لکھتے ہیں۔

"یہ اشعار میں نے سن ۱۹۳۴ء میں لکھے تھے۔ ابھی کہیں شائع نہیں ہوئے تھے کہ ۱۹۳۶ء میں حضرت علامہ اقبال کی تصنیف "ضرب کلیم" طبع ہو کر سامنے آئی۔ اس میں "دعا" کے موضوع پر چند شعر دیکھے جنہیں پڑھ کر ایسا محسوس ہوا کہ گویا حضرت علامہ نے میرے ہی ان خیالات کو پیش نظر رکھ کر جواب دیا ہے اور "دعا" کے متعلق میرے نقطہ نظر کی اصلاح فرمائی ہے۔"(۲۹)

اسد ملتانی کی نظم

اے دل تو ہی بتا کہ مانگوں خدا سے کیا
ہوتا ہی ہے جہاں میں ہماری رضا سے کیا
ہے زیست اپنے بس میں نہ صرف اختیار میں
مطلب ہمیں پھر اپنی فنا و بقا سے کیا
جو حلقہ کمان قضا سے نکل چکا
رک جائے گا وہ تیر میری التجا سے کیا
اٹھتے ہیں خود بخود میرے دست دعا اسد
ہر چند سوچتا ہوں کہ ہوگا دعا سے کیا(۳۰)

علامہ اقبال کے دعائیہ اشعار

تری دعا سے قضا تو بدل نہیں سکتی
مگر ہے اس سے یہ ممکن کہ تو بدل جائے
تری خودی میں اگر انقلاب ہو پیدا
عجب نہیں کہ یہ چار سو بدل جائے
وہی شباب وہی ہائے رہور ہے باقی
طریق ساقی ورسم کدو بدل جائے
تیری دعا ہے کہ ہو تیری آرزو پوری
مری دعا ہے تری آرزو بدل جائے(۳۱)

اسد ملتانی نے پیروی اقبال میں بھی بہت سے موضوعات پر طبع آزمائی کی ہے مثلاً فقر کے بارے میں کہتے ہیں۔

فقر ہمت کا نتیجہ ہے کہ مجبوری کا
میں ہوں دنیا سے کہ دنیا ہے گریزاں مجھ سے(۳۲)

آزادی نسواں کی مخالفت کرتے ہوئے فکر اقبال کی پیروی میں کہتے ہیں۔

جب اختلاط زن ومرد عام ہو جائے
تو ٹوٹ جاتی ہیں جذب وکشش کی زنجیریں(۳۳)

اسد بعض نظموں کی بنیاد اقبال کے مصرعوں اور اشعار پر رکھتے ہیں مثلاً اقبال کا ایک مصرع ''پس چہ باید کرد اے اقوام شرق'' میں اب کیا کریں کی ردیف اپنے اشعار میں اس طرح استعمال کرتے ہیں۔

بن گیا دستور اسلامی اب آگے کیا کریں
ہوگئے خوش عارف وعالی اب آگے کیا کریں(۳۴)

اسد کے ہاں تضمین بھی اقبال کی پیروی ملتی ہے۔ مثلاً ان کی ایک نظم ''ترکی اور مجلس یورپ'' میں اقبال کا یہ شعر تضمین ہوا ہے:

سمجھ رہے ہیں وہ یورپ کو ہم جواز اپنا
ستارے جنکے نشیمن سے ہوں زیادہ قریب(۳۵)

اسد کی ایک نظم ''لامرکزیت''، ''شکوہ جواب شکوہ'' کے انداز میں ہے پہلے کچھ سوالات ہیں اور پھر انکے جوابات دو شعر ملاحظہ ہوں

سوال

کون ہوگا جسے توحید کا اقرار نہیں
کون ہم میں سے محمد ﷺ کا فداکار نہیں

جواب

نیک کاموں میں ہیں مصروف بہت لوگ مگر
ایک دوسرے سے کوئی سروکار نہیں(۳۶)

بیسویں صدی میں اسد ملتانی وہ پہلے اور اہم شاعر ہیں جنہوں نے کلام اقبال اور فکر اقبال کی اہمیت اور ضرورت کو محسوس کیا اور نہ صرف اس کے فروغ کا باعث بنے بلکہ ان کی شاعری کو دیکھ کر یہ باآسانی کہا جاسکتا ہے کہ انکی شاعری فکر اقبال کی تشریح وتوسیع بھی ہے۔ اسد ملتانی نے علامہ اقبال پر منظومات کے علاوہ قومی وملی عنوانات کے تحت بھی شاعری کی ان کی ایک نظم بعنوان ''ملتان'' ماہنامہ ''معارف'' اعظم گڑھ میں جنوری ۱۹۳۵ء میں شائع ہوئی، جس کا ایک شعر یوں تھا

گر کنوں تشکیل پاکستان خود
مرکز آں مملکت ، ملتان شود(۳۷)

اس میں پاکستان کا لفظ انہوں نے جنوری ۱۹۳۵ء میں اس وقت استعمال کیا، جب پاکستان ابھی ہیولائی ہیبت میں تھا۔ اسد نے ملتان کو اس کا مرکز قرار دیا تھا۔ اسد ملتانی اپنی ایک اور نظم ''یوم پاکستان'' میں کہتے ہیں

یوم ہر سال مناتے ہیں جو پاکستان کا
خاص اک یوم یہ اسلام کے ایام میں ہے
ہوگئی دین کی بنیاد پہ ملت قائم
اک نیا تجربہ اس دور کی اقوام میں ہے(۳۸)

اسد ملتانی نے خطہ ملتان میں صحافت کو فروغ دینے میں بھی نمایاں حصہ لیا۔ شبیر حسن اختر اپنے مضمون ''ملتان میں صحافت کا آغاز وارتقاء'' کے عنوان سے لکھتے ہیں۔ ''ملتان کی صحافت کا باقاعدہ آغاز یہاں کے مایہ ناز شاعر جناب اسد ملتانی کے ہاتھوں ہوا انہوں نے ۲۸ نومبر ۱۹۲۲ء کو ''الشمس'' کے نام سے ہفتہ وار خبار اور ''انعام'' کے نام سے ماہنامہ نکالا۔''(۳۹)

مجموعی طور پر اسد ملتانی کی نظم اور نثر علامہ اقبال، اسلام اور پاکستان سے والہانہ محبت کی آئینہ دار ہے۔ ادب، صحافت اور اقبالیات کے میدان میں نصف صدی پر محیط اسد ملتانی کی خدمات ایک قیمتی خزانہ اور اثاثہ ہیں، جنھیں فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

(خطہ ملتان میں اقبالیات کے حوالہ سے دوسری اہم شخصیت علامہ عبدالرشید نسیم) طالوت ہیں، جنھوں نے علامہ اقبال کی زندگی کے آخری ایام میں مولانا حسین احمد مدنی اور علامہ اقبال کے مابین ملت اور وطنیت کے موضوع پر تنازعہ میں مصالحتی کردار ادا کیا

اور انکی کوششوں سے یہ قضیہ اپنے انجام کو پہنچا۔

عبدالرشید نسیم طالوت (۱۹۰۹۔ ۱۹۶۳ء) ایک عالم، مثالی استاد، شاعر اور محقق تھے انہیں اردو، فارسی اور سرائیکی زبان پر عبور حاصل تھا۔ "دیوان فرید" پر ان کا طویل دیباچہ ان کے اعلیٰ تنقیدی شعور کا آئینہ دار ہے۔ ان کے مضامین ملکی و غیر ملکی جرائد کی زینت بنتے رہے ہیں۔ ان کا اصل نام عبدالرشید اور نسیم تخلص تھا۔ جب کہ اخباری نام طالوت تھا۔ انہوں نے طالوت کے قلمی نام کو ہی زیادہ تر ذریعہ اظہار بنایا اور علمی وادبی حلقوں میں اسی نام سے معروف ہوئے۔ علامہ عبدالرشید نسیم طالوت تمام عمر تدریس کے پیشے سے منسلک رہے اور ایک طویل عرصہ ملتان میں گزارا۔ بعد از وفات یہیں دفن کئے گئے۔ آپ کی شاعری کا زیادہ تر حصہ سیاسی موضوعات پر مبنی ہے جو کہ روزنامہ "زمیندار" میں شائع ہوا۔ اس کے علاوہ آپ کی اسلامی موضوعات پر نظمیں اور نعتیں "برہان" دہلی اور "معارف" اعظم گڑھ میں بھی شائع ہوتی تھیں، علامہ عبدالرشید نسیم طالوت نے "نظریہ قومیت اور مولانا حسین احمد مدنی و علامہ اقبال" کے عنوان سے ایک کتابچہ بھی مرتب کیا تھا۔ ۱۹۳۸ء میں مولانا حسین احمد مدنی اور علامہ اقبال کے مابین چپقلش کا آغاز ایک واقعہ سے ہوا۔

"۸ جنوری ۱۹۳۸ء کی رات صدر بازار دہلی پل بنگش کے اہل محلّہ نے ایک جلسہ کیا صدارت مولانا نور الدین صاحب نے کی۔ اس جلسہ میں مولانا مدنی کو سپاس نامہ پیش کیا گیا۔ مولانا مظہر الدین جو مسلم لیگی بھی تھے اور ہفت روزہ اخبار "الامان" دہلی کے ایڈیٹر بھی۔ وہ اور انکے ہم نوا اس جلسے سے مشتعل تھے لہذا اس خوف سے کہ کہیں اس جلسہ کو خراب کرنے کی کوشش نہ ہو جائے۔ صدر مجلس نے صدارتی تقریر میں کہہ دیا کہ اس جلسہ میں کانگریس اور مسلم لیگ کے متعلق کوئی تقریر نہ ہوگی۔ مولانا مدنی

نے ایڈریس کے جواب میں ملک کی حالت، بیرونی ممالک اور غیر اقوام نیز اندرون ملک میں آزادی کے تمہیدی مضمون میں یہ کہہ دیا کہ موجودہ زمانہ میں قومیں اوطان سے بنتی ہیں۔ نسل یا مذہب سے نہیں بنتیں۔ اس سلسلے میں انہوں نے انگلستان، امریکہ، جاپان اور فرانس وغیرہ کی مثالیں دیں"۔(۴۰)

اس بیان کے اخبارات میں چھپتے ہی بحث مباحثے کا ایک دور شروع ہو گیا، علامہ اقبال نے بھی اس پر اپنے رد عمل کا اظہار کیا، "یہ الفاظ کہ "قومیں اوطان سے بنتی ہیں" حضرت علامہ اقبال یا ان کے ہم عقیدہ لوگوں کے لئے نئے نہیں تھے لیکن ایک عالم دین کی زبان سے یہ سن کر انہیں از خود ذہنی اور روحانی تکلیف ہوئی۔ مولوی صاحب نے جو کچھ کہا تھا وہ اصل میں پنڈت جواہر لعل نہرو اور ان کے ہم نوا کانگریس لیڈروں کے ارشادات کی ترجمانی تھی"۔(۴۱)

علامہ اقبال نے مولانا مدنی کے بیان کے رد عمل میں ایک قطعہ لکھا جو ۳۱ جنوری ۱۹۳۸ء کے مسلم اخبارات یعنی "زمیندار"، "احسان" اور "انقلاب" میں طبع ہوا۔

"عجم ہنوز نداند رموز دیں ورنہ
ز دیوبند حسین احمد این چہ بو العجبی است
سرود بر سر منبر کہ ملت از وطن است
چہ بے خبر ز مقام محمد عربی است
بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است"(۴۲)

علامہ اقبال کے ان اشعار پر ادبی، دینی حلقوں میں ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ دہلی، بجنور کے کانگریس مسلمانوں کے حلقے بہت آتش زیرپا ہوئے، چناں چہ ان اشعار کے جواب

میں جناب اقبال احمد خاں سہیل علیگ نے بیس اشعار کی ایک نظم الجمعیۃ انصاری، مدینہ ہند کلکتہ میں چھپوا کر علامہ اقبال کا منہ چڑانے کی کوشش کی۔

"رموز حکمت ایماں نہ فلسفی جتن
تلاش لذت عرفان زبادہ غبی است
بلے نہ دیدن وبادیدہ در درا افتادن
دو گونہ شیوہ بوجہل است وبولہبی است(۴۳)

سہیل علیگ کی نظم ملت وقوم کے جواب میں اسد ملتانی نے بھی علامہ اقبال کے دفاع میں ایک نظم لکھی، جو "ملت دینی یا قومیت وطنی" کے عنوان سے روزنامہ "احسان"، لاہور میں ۲مارچ ۱۹۳۸ء کو شائع ہوئی۔

"بگفت حضرت اقبال شعر پاک وبلند
کہ عین مظہر عشق محمد عربی است
بہ مصطفےٰ برساں خویش راکہ دیں ھمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است"(۴۴)

اس موقع پر علامہ طالوت نے ملت اسلامیہ کی دونامور اور مقتدر شخصیتوں کے مابین نظری اختلاف اور قلمی نزاع کو ختم کرانے کی کوشش کی۔ مولانا طالوت کی عمر اس وقت ۲۹ برس تھی بھرپور جوانی کا یہ پرخروش دور تدبر کی گہرائی کا شناور نہیں ہوتا مگر اس عمر میں بھی انہوں نے جو سوچا اور کیا وہ برصغیر کی دیگر مدبر اور عمر رسیدہ قلمی وعلمی شخصتیوں سے نہ ہوسکا۔

علامہ طالوت نے معاملہ کی اصل حقیقت تک رسائی حاصل کرینے لئے پہلے مولانا حسین احمد مدنی کو ایک خط لکھا، جس کا جواب مولانا مدنی نے ۸ ذوالحجہ ۱۳۵۶ھ کو

تحریر کیا۔ اس خط میں مولانا مدنی نے اپنے خیالات و نظریات کی تفصیل تحریر کی اور لکھا
"میں نے یہ ہرگز نہیں کہا کہ مذہب و ملت کا دارومدار وطنیت پر ہے، یہ بالکل افترا اور دجل ہے۔
مگر سر اقبال جیسے مذہب اور متین شخص کا ان کی صف میں آجانا ضرور تعجب خیز امر ہے"۔ (۴۵)

اس خط کے ملنے کے بعد مولانا طالوت نے علامہ اقبال کو ایک خط تحریر کیا اور اس میں مولانا مدنی کے خط کے اقتباسات لکھ بھیجے اور لکھا کہ
"جہاں تک میرا خیال ہے مولانا کی پوزیشن صاف ہے اور آپ کی نظم کا اساس غلط پروپیگنڈے پر ہے، آپ کے نزدیک بھی اگر مولانا بے قصور ہوں تو مہربانی فرما کر اپنی عالی ظرفی کی بناء پر اخبارات میں ان کی پوزیشن صاف فرمائیں
ہمارے جیسے نیاز مند جو دونوں حضرات کے عقیدت کیش ہیں دوگونہ رنج و عذاب میں مبتلا ہیں"۔ (۴۶)

یہ مکتوب جب علامہ اقبال کو ملا تو بقول سید نذیر نیازی علامہ اقبال نے فرمایا
"افسوس ہے مولانا ہر روز ایک نئی بحث چھیڑ دیتے ہیں۔ اب وہ لغت کا سہارا لے رہے ہیں ہم سے کہتے ہیں قوم اور ملت میں فرق کریں۔ حالاں کہ یہ مسئلہ لغت کا نہیں قرآن پاک کی تعلیمات کا ہے۔" (۴۷)
علامہ اقبال اس مسئلے کے بارے میں بے حد فکر مند تھے اس کیلئے انہوں نے میثاق مدینہ کا بھی بطور خاص مطالعہ کیا اور اپنے احباب سے بھی مشورہ کرتے رہے۔ ۶ فروری ۱۹۳۸ء کو علامہ اقبال نے طالوت کے نام جواب تحریر کیا اور لکھا کہ
"میں نے آپ ہی کے خط کو جواب کیلئے انتخاب کیا ہے، جواب انشاء اللہ اخبار احسان

میں شائع ہوگا"۔(۴۸)

دوسرے خط جو چار دن کے وقفے کے بعد ۱۰ فروری ۱۹۳۸ء میں لکھا گیا۔ علامہ اقبال نے طالوت کو لکھا۔

"جو اقتباسات آپ نے انکے خط سے درج کئے ہیں ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مولوی صاحب نے فرمایا کہ آج کل قومیں اوطان سے بنتی ہیں اگر انکا مقصود ان الفاظ سے صرف ایک امر واقعہ کو بیان کرنا ہے تو اس پر کسی کو اعتراض نہیں ہو سکتا کیوں کہ فرنگی سیاست کا نظریہ ایشیاء میں بھی مقبول ہو رہا ہے۔ البتہ اگر انکا بھی مقصد تھا کہ ہندی مسلمان بھی اس نظریئے کو قبول کرلیں تو پھر بحث کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے"(۴۹)

علامہ طالوت نے اس خط کے مندرجات کے بارے میں مولانا حسین احمد مدنی کو ایک خط کے ذریعے آگاہ کیا اور اس کی وضاحت چاہی۔ مولانا حسین احمد مدنی نے جوابا طالوت کو لکھا،

"میں خیال کرتا ہوں کہ پھر الفاظ پر غور کیا جائے اور اس کے ساتھ ساتھ تقریر کے لاحق وسباق پر نظر ڈالی جائے میں عرض کر رہا تھا کہ موجودہ زمانے میں قومیں اوطان سے بنتی ہیں۔ یہ اس زمانے کے جاری ہونے والی نظریت اور ذہنیت کی خبر ہے۔ یہاں یہ نہیں کہا جاتا کہ تم کو ایسا کرنا چاہئے۔ خبر ہے انشا نہیں ہے۔ کسی ناقل نے مشورہ کو ذکر بھی نہیں کیا۔"(۵۰)

اس خط میں آگے چل کر مولانا مدنی مزید لکھتے ہیں۔

"ہم قوال اور فعال دونوں میں، قوم کی بے حسی اور کمزوری کی وجہ سے اس حالت میں پڑے ہوئے ہیں۔

پھر کس قدر تعجب خیز امر ہے کہ قوم اور ملت اور دین کو ایک قرار دیا گیا ہے فرق کو نقل

کر چکا ہوں۔ اگر خلاف لغت سر صاحب موصوف کا نظریہ دونوں کے اتحاد وغیرہ کا ہے تو ان کو اپنے نظریے کے مخالف کو ایسے ناشائستہ الفاظ کہنے کا کیا حق تھا۔" (۵۱)

جب اس خط کے اقتباسات علامہ طالوت نے علامہ اقبال کو بھیجے تو وہ اپنا اعتراض واپس لینے پر راضی ہو گئے اور ان کا بیان ۲۸ مارچ ۱۹۳۸ء کے روزنامہ "احسان"، لاہور میں شائع ہوا۔ ایڈیٹر کے نام اپنے مکتوب میں علامہ اقبال لکھتے ہیں۔

اقتباس سے صاف ظاہر ہے کہ مولانا اس بات سے صاف انکار کرتے ہیں کہ انہوں نے مسلمانان ہند کو جدید نظریہ قومیت اختیار کرنے کا مشورہ دیا لہذا میں اس بات کا اعلان ضروری سمجھتا ہوں کہ مجھ کو مولانا کے اس اعتراف کے بعد کسی قسم کا کوئی حق ان پر اعتراض کرنیکا نہیں رہتا۔" (۵۲)

یوں یہ قضیہ بلا آخر اختتام کو پہنچا۔ اس کے چوبیس روز بعد علامہ اقبال کا انتقال ہو گیا۔ مگر نومبر ۱۹۳۸ء میں "ارمغان حجاز" کی اشاعت سے یہ بھی چنگاری پھر سلگ پڑی کیوں کہ اس میں ان اشعار کو بھی شائع کر دیا گیا جو قلمی مجادلے کا باعث بنے تھے۔ علامہ اقبال نے بڑی فراخ دلی سے اپنا بیان واپس لے لیا تھا مگر مولانا حسین احمد مدنی بعد میں اپنے بیان سے منحرف ہو گئے تھے، جاوید اقبال اس بابت زندہ رود میں لکھتے ہیں،

"اقبال کی وفات کے چند ماہ بعد مولانا حسین احمد مدنی نے متحدہ قومیت اور اسلام کے نام سے ایک کتابچہ شائع کیا، جس میں اقبال کو ساحرین برطانیہ کے سحر میں مبتلا قرار دیا اور انہیں کودک ناداں کے لقب سے نوازا نیز اس کتابچہ میں انہوں نے اپنے سابقہ موقف سے انحراف کرتے ہوئے لکھا کہ مسلمانان ہند کے قومیت متحدہ میں شریک ہونے کا مشورہ دینے کو وہ خلاف دیانت یا ناجائز نہیں سمجھتے بلکہ اس مشورہ کو اسلامی تعلیمات کی رو سے جائز ثابت کرنے کیلئے اپنی علمیت کا پورا زور صرف کیا۔" (۵۳)

اور شائد یہی وجہ تھی کہ "ارمغان حجاز" میں یہ قطعہ موجود رہا لیکن اس سلسلے میں علامہ عبدالرشید نسیم طالوت کی مصالحتی کوششوں کا سب نے اعتراف کیا ہے۔

ایچ بی خان اپنی کتاب "برصغیر پاک و ہند کی سیاست میں علماء کا کردار" میں لکھتے ہیں،

"طالوت صاحب اس خط و کتابت کا واسطہ بنے۔ طالوت صاحب کی کوششوں سے ہی علامہ اقبال نے ۲۸ مارچ ۱۹۳۸ء کو مولانا حسین احمد مدنی کے بیان پر اپنا اعتراض واپس لے لیا تھا۔" (۵۴)

مگر سید نور محمد قادری نے اپنی کتاب "اقبال کے دینی اور سیاسی افکار" میں طالوت پر الزام عائد کیا ہے کہ انہوں نے علامہ اقبال کو مولانا مدنی کے خطوط سے متنازعہ اقتباسات جان بوجھ کر نہیں بھیجے، وہ اس سلسلے میں لکھتے ہیں،

"اس خط و کتابت کا اگر بہ نظر غائر مطالعہ کیا جائے تو حضرت طالوت کی وہ علمی بددیانتی اظہر من الشمس ہو جاتی ہے جو انہوں نے مدنی صاحب کی عقیدت یا کسی اور مصلحت سے مجبور ہو کر کی ہے۔" (۵۵)

علامہ طالوت چوں کہ دونوں مکاتب فکر کے مابین کشمکش اور قلمی تصادم ختم کرانا چاہتے تھے اس لئے انہوں نے ان طویل خطوط میں سے صرف انہی اقتباسات کا حوالہ دیا جو مصالحت اور مفاہمت کیلئے ضروری تھے مثلاً علامہ اقبال کی شخصی عظمت کے بارے میں مولانا مدنی مرحوم کے ریمارکس ان کے بیان کی لفظی وضاحت اور "ملت و قوم" کے سلسلے میں لغوی اور علمی بحث اس کے علاوہ "اقبال کا آخری معرکہ" میں سید نور محمد قادری خود یہ لکھتے ہیں کہ،

"حضرت علامہ کو طالوت صاحب کا خط ملنے سے پہلے ہی مولوی صاحب کا بیان پریس میں آ چکا تھا جو حضرت علامہ اور انکے دوستوں کی نظر سے گزر چکا تھا۔" (۵۶)

ایسی صورت میں یہ کہیں کر ممکن ہے کہ کوئی بات چھپی رہتی۔ ڈاکٹر مہر عبدالحق اس بارے میں کہتے ہیں،

"علامہ عبدالرشید نسیم طالوت نے یہ سب نیک نیتی سے کیا اور اس کے پس پردہ کوئی اور مقصد نہیں تھا۔" (۵۷)

علامہ طالوت ایک سچے عاشق رسول اور قادیانیت کے خلاف بہت بڑے مبلغ بھی تھے، انہوں نے نہ صرف اس سلسلے میں تحقیق کی بلکہ وہ اپنی شاعری میں بھی قادیانیت کے خلاف ایک محاذ بنائے رکھا۔ علامہ اقبال کی وفات پر طالوت نے ایک نظم بھی لکھی تھی۔

دین و ملت کا ترجماں نہ رہا
نکتہ آموز قادیاں نہ رہا
شارح رمز خاتمیت رقت
ماہر علم ایں وآں نہ رہا
کون لائے گا مژدہ ہائے بہار
بلبل ہند نغمہ خواں نہ رہا (۵۸)

خطہ ملتان میں اقبالیاتی ادب کے فروغ میں اسد ملتانی کے بعد دوسرا بڑا نام اسلم انصاری کا ہے اسلم انصاری (پ ۱۹۳۹ء) کو ناصر کاظمی نے اپنا ہم عصر قرار دیا تھا لیکن افتخار حسین شاہ انہیں اپنے ایک مضمون میں اسد ملتانی کا ثانی کا خطاب دے چکے ہیں۔ اسلم انصاری کا اب تک غزلوں اور نظموں پر مشتمل ایک شعری مجموعہ "خواب وآگہی" شائع ہوا ہے۔ لیکن انہوں نے ملتان میں علامہ اقبال کے فکر وفن کے فروغ میں بے حد اہم کردار ادا کیا ہے۔ ریڈیو پاکستان ملتان کے لئے علامہ اقبال کے بارے میں فیچرز اور تقاریر

لکھنے کے علاوہ انھوں نے "اقبال عہد آفریں" کے عنوان سے ایک کتاب بھی تحریر کی ہے، جسے اقبال شناس حلقوں میں بے حد پذیرائی حاصل ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ اقبالیات کے مختلف موضوعات پر انکے مضامین ملک کے بہت سے ادبی جرائد واخبارات میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ ۱۹۷۷ء میں اسلم انصاری نے فارسی زبان میں پندرہ سو اشعار کی ایک مثنوی "فرخ نامہ" لکھی جو کہ ابھی تک غیر مطبوعہ ہے۔ اس میں علامہ اقبال کو اپنا مرشد ور ہنما مان کر سوال وجواب کئے گئے ہیں۔

اقبال آشکارا من شود
دیدم آن روم روی ہمچو ماہتاب
روی آن دانای راز آن آفتاب
آفتاب شعر و فرنگ وہنر
یعنی آن اقبال آن عالی گہر
شاعر برنا، حکیم راز دان
اعتبار آسیا وخاور ان(۵۹)

اسلم انصاری اپنی ایک فارسی نظم میں علامہ اقبال کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

تو خود ببین کہ درین باغ نرگس نی حرف
ہمہ کلام وپیام نظر شداست از تو
فسردگی کہ نہالش زخون دل بالید
متاع شعلہ وشوق شرر شد است از تو(۶۰)

اسلم انصاری کے پہلے شعری مجموعے "خواب وآگہی" میں بھی جگہ جگہ علامہ اقبال کے

اثرات نمایاں نظر آتے ہیں، اسلم انصاری کا کہنا ہے،

”میرے ذہن کی تشکیل میں علامہ اقبال نے اہم کردار ادا کیا وہ میرے پہلے آئیڈیل ہیں۔“(۶۱)

اسلم انصاری نے ”بیابہ مجلس اقبال“ کے عنوان سے ۱۹۷۷ء میں ناقدان اقبال کے علامہ اقبال کے فکروفن پر خیالات پر مبنی منظوم غنایہ لکھا۔ جس میں انہوں نے ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم، ڈاکٹر یوسف حسین خاں، آرتھر آربری، عبدالوہاب عزام اور الیز اندرے بوسانی کی تنقید کو موضوع بنایا۔ یہ غنایہ ریڈیو پاکستان ملتان سے نشر ہوا۔

مقدمہ ”زبور عجم“ میں پروفیسر آرتھر آربری کے خیالات کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں،

”فکر اقبال ہے ایک گنج گہر

جو بھی دیکھے گا اقبال کے سب مقامات فکر و نظر

اس کو احساس ہو گا کہ اقبال نے

پردہ لفظ میں

پیکر شعر میں

کیسے گہرے مفاہیم پنہاں کیے

کیا مطالب تھے جن کو زباں بخش دی“(۶۲)

اسلم انصاری کی علامہ اقبال کے فکروفن پر ایک منظوم تصنیف بھی زیر طبع ہے۔

خطہ ملتان میں اقبال شناسی کے حوالے سے ایک اور اہم نام عاصی کرنالی (پ ۱۹۲۷ء) کا ہے انکی ادبی خدمات ربع صدی پر محیط ہیں، عاصی کرنالی کے اب تک چھ شعری مجموعے اور نثر کی چار کتب شائع ہو چکی ہیں۔ ۱۹۷۷ء میں علامہ اقبال کے صد سالہ جشن تقریبات پر جامعہ ملتان نے انہیں ان کی علمی وادبی خدمات پر تمغہ ”دانائے راز“

دیا عاصی کرنالی کا پہلا مجموعہ "رگ جان" ۱۹۵۶ء میں شائع ہوا اپنے پہلے شعری مجموعے کے بارے میں لکھتے ہیں۔

علامہ اقبال کی فکر اور شعری اسلوب کی گرفت مجھ پر تھی اور میں غیر ارادی، غیر شعوری طور پر انکی ہیبت و جلال سے مبہوت و مسحور تھا چناں چہ حیرت کی بات یہ ہے کہ رگ جاں (میرے پہلے شعری مجموعے میں) اقبال ہی کے شعری اسلوب کی نقالی کے نقوش ملتے ہیں۔ (۶۳)

عاصی کرنالی نے علامہ اقبال کے فکر و فن پر نہ صرف نثری مضامین لکھے بلکہ اپنے اشعار میں بھی علامہ اقبال کو خراج عقیدت پیش کیا ہے، انکے شعری مجموعے "چمن" میں علامہ اقبال پر سات نظمیں شامل ہیں۔ پہلی نظم "بارگاہ اقبال" میں کے عنوان سے لکھتے ہیں،

"جو تری آنکھوں سے ٹپکا جو ترے دل سے بہا
وہ لہو ملت کی رگ رگ میں رواں ہے آج بھی
تیری ملت راہ ہستی میں بھٹک سکتی نہیں
کیسے بھٹکے، تو امیر کارواں ہے آج بھی" (۶۴)

دوسری نظم "گل تر ترا کلام" میں کلام اقبال کی خصوصیات و افادیت کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں،

"اخلاص کی مہک سے معطر ترا کلام
احساس کے چمن کا گل تر ترا کلام
غواص آئیں فیض اٹھائیں بقدر ذوق
حکمت کے موتیوں کا سمندر ترا کلام" (۶۵)

تیسری نظم ''آئینہ دیا خود نگری کا'' میں کلام اور فکر اقبال کی ہمہ گیری کا تذکرہ کرتے ہیں:

''لو فکر کی ہر ذہن کو چھوتی ہی رہے گی
ہر عہد ہے اقبال کی پیغام بری کا''(۶۶)

چوتھی نظم ''ترا پیام دل نشاں'' میں عاصی کرنالی علامہ اقبال کے کلام کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں اور قیام پاکستان کے بعد قوم کی پیغام اقبال سے لاتعلقی پر نوحہ کناں ہیں۔ وہ لکھتے ہیں

ظلمت شب میں چلا لیکے چراغ آگاہی
منزل نو پہ آگیا قافلہ بلا کشاں
منزل پہ آ کے ہم بھول گئے تیرا پیام
بھول گئے ترا کلام ، تیرا سخن، تری زبان(۶۷)

پانچویں نظم ''تو وہ چراغ'' میں عاصی کرنالی کا کلام اقبال اور اس کے فکر و فلسفہ کو اپنی قوم کے لئے متاع عزیز قرار دیتے ہیں، جس کے استفادہ سے ہم ترقی اور کامیابی کی منزل کو چھو سکتے ہیں۔

تیرے پیام نے ہمیں درس خودی دیا
تیرے کلام نے ہمیں انسان بنا دیا
اے چارہ ساز مردہ دلاں جاں شکستگاں
تو نے ہمارے درد کو درماں بنا دیا(۶۸)

چھٹی نظم ''بازبیا'' فارسی زبان میں ہے۔ جس میں عاصی کرنالی اقبال کو پھر دعوت دیتے ہیں کہ پھر آجا اقبال، قوم کی رہنمائی کیلئے تمہاری ضرورت ہے۔ لوگ تمہارے کلام کو

بھول گئے ہیں اور یہ وقت کا تقاضا ہے کہ تم ایکبار پھر مہربانی کرو حرف سوز اور نوائے راز کی مانند آجاؤ۔ نظم کے آخر میں لکھتے ہیں۔

قدہ کشان ترا حالت خمار افتاد

بہ ساغر عجم وبادہ حجاز بیا

چہ موسم است کہ دل را شگفتگی ندہد

چوبار لطف بہ کشت فسردہ باز بیا (۶۹)

ساتویں نظم ''مکالمہ بروح اقبال'' میں عاصی کرنالی نے کلام اقبال سے اشعار کو منتخب کر کے اس سے مکالمہ تحریر کیا ہے، نظم کے آغاز ہی میں لکھتے ہیں۔

اے حکیم عارف اے نکتہ طراز

صاحب سرمایہ سوز و گداز

عہد ماضی میں ہمارے چارہ گر

مژدہ صحت تری موج نظر (۷۰)

عاصی کرنالی کی یہ سات نظمیں جو علامہ اقبال پر لکھی گئی ہیں۔ ان کی شاعری میں نمایاں اہمیت کی حامل ہیں، ان میں عاصی کرنالی نے نہ صرف علامہ اقبال کو اور انکی عظیم شاعری کو خراج عقیدت پیش کیا ہے بلکہ پیروی اقبال میں اقبال کی بحریں، استعارے اور تلازمات بھی جگہ جگہ استعمال کئے ہیں۔

ملتان کے بہت سے شعراء نے اقبال کو منظوم خراج عقیدت بھی پیش کیا ہے۔

ارشد ملتانی (پ ۱۹۲۴ء) کا شمار دبستان ملتان کے شعراء میں ہوتا ہے۔ وہ ۱۹۴۰ء سے شاعری کر رہے ہیں، ان کا اب تک ایک شعری مجموعہ ''ثبات'' شائع ہوا ہے۔ اس میں علامہ اقبال کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

وہ ایک مرد قلندر کہ جس کا سوزنوا
حیات نو کے تقاضوں سے ہم کو کلام ہوا
طلسم تیرہ شبی کا اسیر تھا جو افق
طلوع صبح درخشاں سے نالہ عام ہوا(۷۱)

پروفیسر جابر علی سید فارسی ادبیات کے استاد، شاعر اور نقاد تھے۔ ان کی شاعری میں جدت طرازی اور نئی مصنویت کے نشانات بھی ملتے ہیں۔ نظم اور غزل دونوں اصناف میں اظہار خیال کیا۔ انکی نظم میں ایسا آہنگ نظر آتا ہے کہ جو فارسی تراکیب سے ابھر تا ہے اور ان کے موضوعات زندگی کے عمیق مشاہدے سے جنم لیتے ہیں۔ ان کی غزل میں ہیت تراشی کے مقابلے میں ابلاغ مضمون کو زیادہ اہمیت حاصل ہے۔

''اقلیم'' کے نام سے انکا پہلا شعری مجموعہ زیر طبع ہے۔

''علامہ اقبال کی یاد میں'' کے عنوان سے اپنی ایک نظم میں علامہ اقبال کو یوں خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔

اے فلسفہ آشنائے عالم
حکمت آموز سعی پیہم
تھا درس ترا حقیقت آموز
اور تیری نوا حیات افروز(۷۲)

رفیق خاور جسکانی ۱۹۳۰ء۔۱۹۷۶ء ملتان میں شعر و ادب کے فروغ میں انہوں نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ ملتان رائٹرز گلڈ کے سیکرٹری رہے اور ریڈیو پاکستان ملتان سے بھی وابستہ رہے ان کا شعری مجموعہ ''شاخ زیتون'' کے نام سے چھپ چکا ہے۔ ''اے شاعروں کے شاعر'' کے عنوان سے علامہ اقبال کے بارے میں لکھتے ہیں،

اے شاعروں کے شاعر تو نے کہا

تند و سبک سیر ہے گرچہ زمانے کی رو

اور پھر زمانے کی رو میں سے ایک تازیانہ برق کی لہروں کی مانند گزرا

تیری عظمت کا اور لازوال ہونے کا راز اس میں ہے کہ تری

آتش نفسی کی ابتداء اور انتہا ایک ہے (۷۳)

پروفیسر حسین سحر شاعر اور نقاد ہیں تخاطب (غزلیات) "تقدیس" نعت، "تطہیر" منقبت اور بچوں کیلئے نظموں کا مجموعہ "پھول اور تارے" "عبدالعزیز خالد پر ایک تنقیدی کتاب "خالد، شخص و شاعر" چھپ چکی ہیں، نظم اور غزل کی اصناف میں زیادہ تر طبع آزمائی کی۔ علامہ اقبال کے بارے میں "شاعر مشرق" کے عنوان سے لکھتے ہیں،

شاعر مشرق یہ اعزاز فقط ہے تیرا

تو نے اک ارض خداداد کا سپنا دیکھا

تیرا ہر نقش قدم رہنمائے منزل

کارواں کے لئے پیغام ترا بانگ درا (۷۴)

پروفیسر صفدر حسین صفدر فلسفہ (۱۹۳۵۔۱۹۹۴) کے استاد تھے۔ شاعری میں غزل ان کا خاص میدان تھا۔ علامہ اقبال کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے "بیاد اقبال" کے عنوان سے لکھتے ہیں:

حسن افکار کا ایک تاج محل ہے اقبال

نغمہ اہل قلم ساز غزل ہے اقبال

رہبر جادہ اقوام و ملل ہے اقبال

شام کردار نہیں صبح عمل ہے اقبال (۷۵)

پروفیسر ڈاکٹر طاہر تونسوی (پ ۱۹۴۵) ادیب وشاعر اور نقاد ہیں اقبالیات میں بطور مرتب اور محقق اہم مقام رکھتے ہیں، علامہ اقبال کی شان میں "روح آدم کا مسیحا" کے عنوان سے لکھتے ہیں،

مجھے خبر ہے

یہ میرے وجدان نے کہا

وہ عقل ودانش کا ایک شجر ہے

وہ جس کی شاخوں نے فہم وادراک کو بھی

جوش جمال بخشا (۷۶)

فخر الدین بلے (پ ۱۹۳۰ء) ایک طویل عرصہ ملتان میں رہے۔ ادیب وشاعر ہیں، تقریباسو کے قریب مختلف موضوعات پر انکی مطبوعات چھپی ہیں۔ علامہ اقبال کے بارے میں اپنی عقیدت کا اظہار یوں کرتے ہیں۔

خیال وفکر کی معراج ہے کلام ترا

علاج کش مکش زیست ہے پیام ترا

جمال روح مکرم تری نظر کی تلاش

بھلا بتائے تو کیوں کر کوئی مقام ترا (۷۷)

خطہ ملتان میں پیروی اقبال میں جن شعراء نے طبع آزمائی کی ان میں پہلا نام لالہ بال کشن بترہ ابر کا ہے۔

لالہ بال کشن بترہ ابر (۱۸۸۴۔۱۹۶۹ء) شاعر، ادیب اور محقق تھے۔ انہوں نے تقریبا چالیس کتب تصنیف کیں، جن میں "تاریخ ملتان"، "ہندوؤں کے تہوار"، "بھگتی ساگر" اور "گنگا کی لہریں" قابل ذکر ہیں

لالہ بال کشن بترہ ابر کو شاعری سے بھی بے پناہ رغبت تھی ان کا کوئی مجموعہ کلام ابھی تک شائع نہیں ہوا۔ جاوید اختر بھٹی نے جنوری ۱۹۹۵ئیں "ابر گہربار" کے نام سے انکی کچھ نظمیں اور غزلیں مرتب کی ہیں۔ لالہ بال کشن بترہ ابر علامہ اقبال سے بے حد متاثر تھے، انکی شاعری میں کلام اقبال کے اثرات کی جھلک صاف نظر آتی ہے۔ "زندگی" کے عنوان سے انکے اشعار اور بانگ درا میں علامہ اقبال کی زندگی کے موضوع پر "خضر راہ" میں لکھے گئے اشعار میں بے حد مماثلت نظر آتی ہے۔

کون کہتا ہے کہ غم کی داستان ہے زندگی
سننے والا ہو تو اک رنگین بیاں ہے زندگی
اس تماشا گاہ ہستی میں نہ ڈر تو موت سے
موت کے پردے میں غافل نہاں ہے زندگی
مثل خاشاک رواں اے ابر ہے اپنا وجود
اور اک طوفان بحر بے کراں ہے زندگی(۷۸)

علامہ اقبال کے اشعار

بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم آب
اور آزادی میں بحر بے کراں ہے زندگی
آشکارا ہے یہ اپنی قوت تسخیر سے
گرچہ اک مٹی کے پیکر میں نہاں ہے زندگی
قلزم ہستی سے تو ابھرا ہے مانند حباب
اس زیاں خانے میں تیرا امتحان ہے زندگی(۷۹)

کشفی ملتانی (۱۹۵۲ـ۱۹۷۵) ایک طویل عرصہ ملتان میں مقیم رہے۔ دبستان ملتان

میں اہم ترحیثیت کے حامل شاعر تھے، ملک میں ہونے والی یوم اقبال کی تقاریب یں خصوصی طور پر شریک رہے۔

"اس کے علاوہ مختلف ادوار میں ملتان اور مظفر گڑھ سے شائع ہونے والے اخبارات رسائل ساقی، ملتان پنچ، باغ وبہار زمزم، بیباک، حقیقت، گھن چکر، بشارت اور اقبال میں نظم ونثر کی صورت میں بحضور اقبال نذرانہ عقیدت پیش کرتے رہے۔"(۸۰)

کشفی ملتانی نے علامہ اقبال کی نظموں کی تضمین بھی لکھی ہیں۔

"فرمان خدا۔ فرشتوں سے"

"ہر شخص کو جا کر میرا پیغام سنادو
بھٹکے ہوئے انسان کو رستے پہ لگا دو
پابند مصیبت کو مصیبت سے چھڑا دو
اٹھو میری دنیا کے غریبوں کو جگا دو
کاخ امراء کے درد ودیوار ہلا دو"(۸۱)

بھیم سین ظفر ادیب کا شمار ملتان کے نمایاں ہندو شعراء میں ہوتا تھا،

"پہلے غنچہ امروہوی سے اصلاح لیتے رہے بعد میں احسان دانش کی شاگردی اختیار کر لی۔"(۸۲)

بھیم سین ظفر ادیب کا پہلا شعری مجموعہ ۱۹۳۸ء میں "جوئبار" کے نام سے شائع ہوا۔ یہ ملتان میں شائع ہونے والا پہلا شعری مجموعہ بھی ہے، اس کا دیباچہ مشہور شاعرن۔م۔راشد نے لکھا تھا، جو خطہ ملتان میں لکھا جانے والا پہلا تنقیدی مضمون ہے۔ اس شعری مجموعے کے نہ صرف گیٹ اپ بلکہ طباعت میں بھی علامہ اقبال کے شعری مجموعوں کی پیروی کی گئی ہے۔ چھیانوے صفحات پر مشتمل اس شعری مجموعے

میں بہت سی نظمیں علامہ اقبال کی نظموں کی زمین میں لکھی گئی ہیں۔

تیرا مذہب نہیں مذہب ترا ایمان نہیں ایماں
ترے ایمان ومذہب میں نہیں کچھ درد کا درماں
یہ ایماں ہو نہیں سکتا، ہے تخم جذبہ بسمل
یہ ایماں ہو نہیں سکتا، فروغ کائنات دل
یہی فطرت کے سوز وساز کو بیمار کرتا ہے
یہ تخیل کی پرواز کو بیمار کرتا ہے(۸۳)

راجہ محمد عبداللہ نیاز (۱۸۹۵۔۱۹۷۱) مایہ ناز استاد اور اعلیٰ پایہ کے ادیب وشاعر تھے۔ خطہ ملتان میں جنم لینے والے شعراء میں راجہ عبداللہ نیاز کا مقام بے حد بلند ہے۔ ان کی نظمیں "حضرت مصور" کے نام سے "زمیندار" لاہور میں چھپتی رہیں۔ ۱۹۴۸ء میں ملتان چھاؤنی میں یوم اقبال منایا گیا۔ راجہ عبداللہ نیاز نے اپنی تقریر سے پہلے ایک رباعی اور قطعہ پڑھا۔

رباعی

"یہ رات کو تصویر درخشانی ہے
سمجھو مہ اس کی تو نادانی ہے
در پردہ یہ ہے پر تو یوم اقبال
دن ایک طرف رات بھی نورانی ہے"

قطعہ

"عشق صادق بخش دیتا ہے مقام
گفتہ انسان کو بھی الہام کا

حضرت اقبال کے اشعار میں
رنگ ہے جبریل کے پیغام کا(۸۴)

راجہ عبداللہ نیاز علامہ اقبال کی تخلیقی عظمتوں کے قائل تھے، انکی فکر کا ارتقاء انہیں اقبال کے قریب لے گیا، انہوں نے پیروی اقبال میں بھی بہت سی نظمیں لکھیں۔ ان کی ایک معروف نظم "نالہ انسان" مسدس میں لکھی گئی ہے۔ اس کا انداز اقبال کی نظم "شکوہ" کی طرح شوخ ہے یہی وہ نظم ہے جو راجہ نیاز نے ایک ملاقات میں علامہ اقبال کو سنائی تو وہ سر دھنتے رہے۔ (۸۵)

عبداللطیف تپش (۱۸۹۵۔۱۹۴۲ء) ایمرسن کالج ملتان میں فارسی ادبیات کے استاد تھے۔ ایک طویل عرصہ ملتان میں گزارا اور یہاں اقبالیات کے فروغ میں نمایاں حصہ لیا۔ عبداللطیف تپش سر عبدالقادر کے داماد تھے۔ ان کی کلام میں اقبال کا رنگ اور اسلوب صاف جھلکتا نظر آتا ہے،

"جلوہ بت خانہ ظلمات ہوں
پردہ بردار طلسم ذات ہوں
میری بے قدری نہ کر اے کج نظر
دور سے بھیجی ہوئی سوغات ہوں(۸۶)"

خطہ ملتان میں اقبالیاتی نثر

ملتان میں علامہ اقبال کے بارے میں لکھی جانے والی پہلی نثری تحریر "ملت اور وطن" کے نام سے اکتیس صفحات کا ایک کتابچہ ہے جسے محمد اکرم خاں، مدیر روزنامہ "شمس"، ملتان نے مرتب کیا اور اسے ۱۶ مارچ ۱۹۳۸ء کو مطبع شمس، ملتان شہر نے شائع کیا۔
ابتداء میں تمہید کے عنوان سے محمد اکرم خاں لکھتے ہیں،

"مسئلہ کی اہمیت کو مد نظر رکھتے ہوئے ہم نے ضروری سمجھا کہ ان تمام مباحث کو یکجا جمع کر کے ایک رسالہ کی صورت میں شائع کر دیا جائے تاکہ مسلمان اس مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر غور کر کے صحیح فیصلے پر پہنچنے کی کوشش کر سکیں۔"(۸۷)

اس کتابچہ میں مختلف عنوانات قائم کئے گئے ہیں، آغاز میں "مولانا حسین احمد مدنی کا نظریہ قومیت" کے تحت مولانا حسین احمد مدنی کے تعارف کے علاوہ اخبار روزنامہ احسان، لاہور میں ۳۱ جنوری ۱۹۳۸ء کو علامہ اقبال کے مولانا حسین احمد مدنی کے بارے میں کہے گئے تین اشعار اور اخبار کا تبصرہ بھی دیا گیا ہے۔ اس کے بعد نظریہ قومیت کی تشریح کے عنوان سے مولانا حسین احمد مدنی کی خط و کتابت درج ہے۔ اس مسئلہ پر مولانا حسین احمد مدنی کی حمایت میں "ملت و قوم" کے عنوان سے اقبال احمد خاں سہیل علیگ نے ایک نظم لکھی تھی جو ہفتہ وار ہند کلکتہ ۲۱ فروری ۱۹۳۸ء کو شائع ہوئی، اس کا اصل متن بھی دیا گیا ہے اس نظم کے جواب میں اسد ملتانی نے "ملت دینی یا قومیت وطن" کے عنوان سے فارسی میں علامہ اقبال کی حمایت میں ایک نظم لکھی جو ۲ مارچ ۱۹۳۸ء کو روزنامہ احسان، لاہور میں شائع ہوئی۔ اس کے بعد اس موضوع پر علامہ اقبال کے موقف کے طور پر انکا ایک مضمون شائع کیا گیا ہے، جو روزنامہ

"احسان"، لاہور میں ۹ مارچ ۱۹۳۸ء کو چھپا تھا۔

اس کتابچہ کے بعد گذشتہ نصف صدی سے زائد عرصہ میں خطہ ملتان میں علامہ اقبال کے فکرو فن پر اخبارات ورسائل میں سینکڑوں مضامین شائع ہوئے ہیں۔ ان دستیاب مضامین میں پہلا مضمون، جون ۱۹۴۹ء کے ایمرسن کالج ملتان کے مجلّہ نخلستان بعنوان "اقبال نپولین کے مزار پر" شائع ہوا، جو نسیم ملک ملتانی کا تحریر کردہ ہے، اس میں علامہ اقبال کے نپولین کے مزار پر حاضری کو موضوع بنایا گیا ہے، جس میں علامہ اقبال نپولین سے سوال کرتے ہیں۔

"اقبال نے کہا وہ کون سے ذرائع تھے جن کی وجہ سے دنیا کی سنہری کتابوں میں اب بھی تمہارے نام سورج کی طرح چمک رہے ہیں۔ اس نے کہا وہ جوش کردار ہے۔"(۸۸)

۱۹۵۵ء میں خطہ ملتان میں علامہ اقبال پر پہلی کتاب شائع ہوئی۔ یہ منشی عبدالرحمٰن نے "اقبال اور مسٹر" کے عنوان سے لکھی تھی۔

منشی عبدالرحمٰن (۱۹۱۲ـ۱۹۸۹ء) تقریباً سو سے زائد کتب کے مصنف تھے۔ علامہ اقبال، قائد اعظم، مذہب اور پاکستان ان کے بنیادی مضوعات رہے۔ ۱۹۶۵ء میں انہوں نے ملتان میں عالمی ادارہ اشاعت علوم اسلامیہ قائم کیا، جو اسلامی تعلیمات پر ہر ماہ ایک مجلّہ شائع کرتا ہے۔ علامہ اقبال کے بارے میں انکی پہلی کتاب اقبال اور مسٹر دراصل انہوں نے خلیفہ عبدالحکیم کے کتابچہ "اقبال اور ملا" کے جواب میں لکھی، جو ۱۹۵۵ء میں شائع ہوئی، ابتداء میں لکھتے ہیں،

"اقبال کا نام اور پیغام ایک قومی سرمایہ ہے۔ اسکا ضیاع یا اس کی تحقیر و تذلیل کسی قیمت پر برداشت نہیں کی جاسکتی"(۸۹)

منشی عبدالرحمٰن نے اپنی کتاب میں خلیفہ عبدالحکیم کے ملا کے بارے میں لگائے گئے

الزامات کا مدلل انداز میں جواب دیا ہے اور سوانح اقبال کے علاوہ مکاتب اقبال سے بھی اقتباسات درج کئے ہیں لکھتے ہیں،

”خلیفہ صاحب جس نظریہ کو اقبال کا نظریہ ظاہر کر رہے ہیں وہ فی الحقیقت اقبال کا نظریہ نہیں بلکہ وہ خود خلیفہ صاحب کا نظریہ ہے جسے وہ اقبال کی آڑ میں پیش کر رہے ہیں۔ علماء جن اصولوں پر پاکستان کی بقاو تہذیب کے خواہاں ہیں انہی اصولوں پر عمل پیرا ہونے کی اقبال بھی دعوت دیتے ہیں۔“(۹۰)

ایک مضمون ”مظلوم اقبال“ میں منشی عبدالرحمٰن نے مجلّہ ”طلوع اسلام“ سے علامہ اقبال کے تعلق اور غلام احمد پرویز کے عقائد کے بارے میں بحث کی ہے۔ اس سے نہ صرف علامہ اقبال کے مذہبی رجحانات اور عقائعد تفصیل کے ساتھ منظر عام پر آئے ہیں بلکہ مجلّہ ”طلوع اسلام“ اور غلام احمد پرویز سے ان کے تعلق کے بارے میں جو ابہام پائے جاتے ہیں، وہ بھی رفع ہو جاتے ہیں۔

منشی عبدالرحمٰن کی دوسری کتاب جو مختلف اقبال دوست شخصیات کے لکھے ہوئے مضامین پر مشتمل ہے بعنوان ”علامہ اقبال کی کردار کشی“ ۱۹۸۸ء میں طبع ہو کر منظر عام پر آئی۔ یہ اقبالیاتی ادب میں ایک فکر انگیز موضوع کی حامل کتاب ہے۔ منشی عبدالرحمٰن نے بے حد دلیری اور سچائی کے ساتھ ان افراد اور اداروں کا محاسبہ کیا ہے، جو علامہ اقبال اور فکر اقبال کو صرف اپنی دوکان داری چمکانے کے لئے استعمال کر رہے ہیں اور اصل پیغام سے انہیں کچھ سروکار نہیں۔ منشی عبدالرحمٰن نے علامہ اقبال پر عائد کئے جانے والے الزامات کو علامہ اقبال کی شاعری، مکاتب اور بیانات سے حوالے دے کر رد کیا ہے۔ کتاب میں اس حوالے سے دوسری اقبال دوست شخصیات کے مضامین بھی شامل کئے گئے ہیں۔ عظمت اقبال، وقار انبالوی علامہ اقبال پر بہتان عظیم،

مولانا عبدالمجید صدیقی کراچی، علامہ اقبال پر الزام تراشی ، ڈاکٹر منظور احمد ، اقبال دشمنی، ڈاکٹر محمد جمال بھٹہ ،اقبال کے ساتھ شدید ناانصافی ، ذوالفقار علی تابش، اقبال اور ہمارے فرائض، عبدالغنی فوق ،اقبال پر ایک اعتراض کا جواب ، سید ذوالفقار علی نسیم ،اقبال پر بعض فضلاء کی حرف گیری کی حقیقت ،ابو طاہر رشید احمد۔

۱۹۷۷ء میں پروفیسر افتخار حسین شان کی علامہ اقبال کے فکروفن پر ایک کتاب اقبال اور پیروی شبلی منظر عام پر آئی ، جسے علمی وادبی حلقوں میں بے حد سراہا گیا۔ یہ ان کے چودہ گراں قدر تنقیدی مضامین کا مجموعہ ہے ،جو اقبالیات تنقید میں بے حد اہمیت کے حامل ہیں اس کتاب کا ایک اڈیشن اعتقاد پبلشنگ ہاؤس ، نئی دہلی کے زیر اہتمام بھارت میں بھی شائع ہوا ہے۔

اس کتاب میں علامہ اقبال اور شبلی نعمانی کے مابین ذہنی وفکری مماثلتوں کی نشان دہی کی گئی ہے۔ کتاب کے باقی مضامین میں علامہ اقبال، محقق اور نقاد کی حیثیت سے ،اقبال کی قرآن دوستی کا جائزہ ، ساقی نامہ کا فکری اور فنی مطالعہ ،اقبال حضور رسالت ماب میں، اقبال کا نظریہ حیات ،اقبال پیام تسخیر فطرت ،اقبال کی اپنی نظر میں کلام اقبال ،اقبال کی اردو نثر ، اقبال اور کشمیر ، کلام اقبال میں تلمیحات ، کلام اقبال میں تشبیہات اور استعارے ،اقبال کا ایک محبوب موضوع وتربیت ،اقبال دوستی کا ایک تقاضا خود احتسابی شامل ہیں۔

پروفیسر افتخار حسین شاہ کے اس کتاب کے علاوہ بھی مضامین مختلف اخبارات ورسائل میں چھپ چکے ہیں۔ (اقبال اور کشمیر ،روزنامہ امروز، لاہور ۱۹۶۰ء) ''مسجد قرطبہ'' (نیا راہی ، کراچی ۱۹۶۶ء) پیغام اقبال کا سرسری جائزہ (تدریس، گجرات)، شبلی قائد اعظم اور اقبال (ملتان یونیورسٹی میگزین ۷۷۔۱۹۷۸) تاریخ ساز اقبال (المعارف،

لاہور ۱۹۸۰ء) اقبال اور گوئٹے (سہ ماہی اقبال، لاہور ۱۹۸۰ء) اقبال اور تندی باد مخالف (خیابان، دانائے راز نمبر، پشاور یونیورسٹی ۱۹۷۷ء) فکر اقبال اور عصر حاضر کے تقاضے (مجلہ نخلستان، گورنمنٹ کالج ملتان ۸۰-۱۹۷۹ء) اقبال اور بہبود آبادی (ادبی مجموعہ، شعور، ملتان ۱۹۸۷ء) اقبال شناسی اور اوپن یونیورسٹی (علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی میگزین ۱۹۸۷ء) اقبال شناسی اور اوپن یونیورسٹی (علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی میگزین ۱۹۸۷ء) ایمرسن اور اقبال (اقبالیات، لاہور ۱۹۸۹ء)، حسین احمد مدنی اور اقبال میں فکری اختلاف (روزنامہ امروز، ملتان ۹ مارچ ۱۹۹۱ء) امت نامہ اقبال (ماہنامہ سیارہ، اقبال نمبر ۱۹۷۷ء) اقبالیات میں ملتان کا حصہ (سہ ماہی اقبال، لاہور جنوری ۱۹۹۲ء)۔

۱۹۷۷ء میں وفاقی حکومت نے علامہ اقبال کی صد سالہ تقریبات کے سلسلے میں پروفیسر افتخار حسین شاہ کو اقبالیات کے فروغ میں نمایاں کارکردگی پر علامہ اقبال میڈل عطا کیا۔

۱۹۷۷ء میں ڈاکٹر طاہر تونسوی کی مرتب کردہ تین کتب شائع ہوئیں، ڈاکٹر طاہر تونسوی، شاعر اور نقاد ہیں۔ اقبالیاتی ادب میں انکا اہم کارنامہ قدیم اور نایاب مضامین کو الگ الگ عنوانات کے تحت کتابوں کی صورت میں مرتب کرنا ہے۔ اس سلسلے کی پہلی کتاب "اقبال اور پاکستانی ادب" ہے۔ جو عزیز احمد کے سات مقالات پر مبنی ہے۔ عزیز احمد اپنی کتاب "روح اقبال" کے سبب اقبالیاتی ادب میں نمایاں حیثیت کے حامل ادیب و نقاد ہیں۔ طاہر تونسوی نے اس کتاب میں عزیز احمد کے مختلف عنوانات کے تحت مقالات کو اس کتاب میں شامل کر دیا ہے، جو اخبارات و رسائل میں چھپ چکے ہیں، کتاب میں مندرجہ ذیل مضامین شامل ہیں۔

اقبال اور پاکستانی ادب، اقبال کی شاعری میں حسن و عشق کا عنصر، اقبال کا رد کردہ کلام ، کلاسیکی نظریات پر اقبال کی تنقید، اقبال کی آفاقیت کا مسئلہ ، اقبال کا نظریہ فن ، کلام اقبال میں خون جگر کی اصطلاح۔

ڈاکٹر طاہر تونسوی کی مرتب کردہ دوسری کتاب "حیات اقبال" ہے۔ ۳۰۲ صفحات پر محیط ہے اس کتاب کو ڈاکٹر طاہر تونسوی نے مختلف شخصیات کے علاوہ اقبال پر لکھے گئے نادر مضامین کو ایک جگہ جمع کر کے مرتب کیا ہے۔ کتاب تین حصوں پر مشتمل ہے، پہلے حصے میں حالات وواقعات کے حوالے سے چھ مضامین دوسرے حصے میں نفسیات اور تیسرے حصے میں تاثرات کے عنوان سے بالترتیب چار اور آٹھ مضامین شامل اشاعت ہیں۔ طاہر تونسوی کی ۱۹۷۷ء ہی میں شائع ہونے والی تیسری کتاب "اقبال اور سید سلیمان ندوی" ہے۔ اس عنوان سے طاہر تونسوی کا ایک مضمون بھی "نقوش"، اقبال نمبر ۲ کے شمارہ ۱۲۳، دسمبر ۱۹۷۷ء میں شائع ہوا ہے۔ متذکرہ کتاب میں علامہ اقبال کے حوالے سے سید سلیمان ندوی کی تمام تحریروں، خط وکتابت اور مجلہ معارف، اعظم گڑھ میں علامہ اقبال پر چھپنے والے مضامین کی فہرست بھی شامل کی گئی ہے۔ اس اعتبار سے یہ کتاب ایک مکمل اور اہم تحقیقی حوالے کی حیثیت رکھتی ہے۔

ڈاکٹر طاہر تونسوی کی مرتب کردہ چوتھی کتاب "اقبال اور مشاہیر" ۱۹۷۸ء میں شائع ہوئی۔ کتاب کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ "اقبال اور عجم"، "اقبال اور مشرق"، "اقبال اور مغرب" کے عنوان سے شعراء اور مفکرین کے علامہ اقبال سے ذہنی وفکری روابط اور ان کے بارے میں مضامین شائع کئے گئے ہیں۔ پہلے حصہ میں "اقبال اور حافظ"، کے عنوان سے سید حامد حسن قادری، اقبال اور رومی، ڈاکٹر خلیفہ

عبدالحکیم، "اقبال اور حلاج" کے عنوان سے بشیر احمد ڈار، کے مضامین شامل ہیں۔
دوسرے حصے "اقبال اور مشرق" کے تحت سات شخصیات پر مضامیں شامل ہیں۔اقبال اور غالب ، عبدالغنی ، اقبال اور چغتائی ، ڈاکٹر وحید قریشی، اقبال اور بیدل ، ڈاکٹر عبدالمغنی، اقبال اور شبلی، ڈاکٹر محمد ریاض، اقبال اور سر سید، ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا، اقبال اور حالی، پروفیسر سلیم اختر، اقبال اور اکبر، جعفر شاہ پھلواری، اقبال اور مغرب کے تحت تیسرے حصے میں اقبال اور برگساں، ڈاکٹر عشرت حسین انور، اقبال اور نطشے، ڈاکٹر عشرت حسین انور، اقبال اور گوئٹے، ممتاز حسین، اقبال اور آرنلڈ، پروفیسر صدیق جاوید۔
ڈاکٹر طاہر تونسوی کی پانچویں کتاب "اقبال اور عظیم شخصیات" کے عنوان سے ۱۹۷۹ء میں منظر عام پر آئی اس کتاب میں مختلف شخصیات اور علامہ اقبال کے حوالے سے گیارہ مقالات شامل کئے گئے ہیں اقبال اور عبدالرحمٰن الداخل، ڈاکٹر سید محمد یوسف، اقبال اور سلطان ٹیپو شہید، یوسف سلیم چشتی، اقبال اور قائداعظم، مرزا محمد منور، اقبال اور سید سلیمان ندوی، ڈاکٹر محمد معزالدین، اقبال اور بو علی قلندر، عباداللہ فاروقی، اقبال کے اساتذہ ڈاکٹر سلیم اختر، اقبال اور جمال الدین افغانی، ڈاکٹر معین الدین عقیل ، اقبال اور ابوالکلام آزاد، افضل حق قریشی، اقبال اور سر اکبر حیدری، رفیع الدین ھاشمی اقبال اور نادر شاہ، اختر راہی، اقبال اور بھرتری ہری، میرزا محمد بشیر ، تفہیم اقبال کے لئے یہ کتاب اور مضامین اقبالیاتی ادب میں ایک قابل قدر اضافہ ہیں۔
ڈاکٹر طاہر تونسوی کی ایک اور کتاب "اقبال شناسی از نخلستان" ۱۹۸۸ء میں شائع ہوئی اس کتاب میں ڈاکٹر طاہر تونسوی نے ایمرسن کالج (حال گورنمنٹ کالج ملتان) کے

مجلّہ نخلستان میں چھپنے والے علامہ اقبال پر مضامین کا انتخاب مرتب کیا۔ اس میں دس مضامین شائع کئے گئے ہیں، جن کا انتخاب سابقہ شماروں سے کیا گیا ہے۔ کتاب کے آخر میں مجلّہ نخلستان میں علامہ اقبال پر چھپنے والے تمام مضامین کی ایک فہرست بھی شائع کی گئی ہے۔

اس سلسلے کی دوسری کتاب جسے ڈاکٹر طاہر تونسوی نے ۱۹۸۹ء میں مرتب کیا "اقبال شناسی ار النخیل" کے نام سے چھپی۔ اس میں ولایت حسین اسلامیہ کالج ملتان کے مجلّہ "النخیل" میں علامہ اقبال کے فکر فن پر چھپنے والے مضامین کا ایک انتخاب مرتب کیا گیا ہے۔ اس مجموعے میں بارہ مضامین سابقہ شماروں سے انتخاب کر کے شامل کئے گئے ہیں۔ کتاب کے آخر میں "النخیل" میں اب تک چھپنے والے تمام مضامین کے فہرست بھی دی گئی ہے۔ اس طرح یہ دونوں کتب ملتان میں ملتان میں اقبال شناسی کے حوالے سے اہم کڑی کی حیثیت رکھتی ہیں۔

۱۹۷۸ء میں ملتان یونیورسٹی کے شعبہ مطبوعات نے علامہ اقبال پر دو کتب شائع کیں۔ پہلی کتاب ملتان یونیورسٹی میں ۲۵ اور ۲۶ دسمبر ۱۹۷۷ء کو منعقد اقبال اور قائد اعظم سیمینار کے مقالات پر مبنی ہے۔ جس میں ملک کے نام ور ادیبوں اور دانش وروں نے علامہ اقبال کے فکر و فلسفہ پر مقالات پڑھی، جو اس کتاب میں شائع کئے گئے ہیں۔ اپنی اہمیت اور افادیت کے لحاظ سے یہ تمام مقالات اقبالیاتی ادب میں عظیم سرمایہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ دوسری کتاب ۱۹۸۰ء میں منظر عام پر آئی، یہ ڈاکٹر این میری شمل کے چار لیکچرز پر مبنی ہیں جو انہوں نے وقتاً فوقتاً ملتان یونیورسٹی میں دیئے۔ اسے ڈاکٹر اے بی اشرف نے "لیکچرز آن علامہ اقبال" (بہ زبان انگریزی) کے نام سے مرتب کیا ہے۔

۱۹۷۸ء ہی میں پروفیسر جابر علی سید کی کتاب ''اقبال کا فنی ارتقاء'' منظر عام پر آئی۔ یہ کتاب علامہ اقبال کی فنی شخصیت کے خارجی پہلوؤں کو آشکار کرتی ہے۔ اس کتاب میں پروفیسر جابر علی سید کے گیارہ تنقیدی مقالات شامل ہیں۔ پروفیسر جابر علی سید نے اس کتاب میں فکر اقبال کی نئی جہات کو دریافت کرنے کی سعی کی ہے۔ کتاب میں مندرجہ ذیل عنوانات شامل ہیں، اقبال اور لفظ و معنی کا رشتہ، سٹینز ا اور ہماری شاعری اقبال سے پہلے، اقبال کا فنی ارتقاء، ابو العلا مصری، ایرج میرزا اور اقبال اور خطابیہ نظم، اقبال کی ایک غزل، اقبال کا شعری آہنگ، اقبال کا تصور فن۔

پروفیسر جابر علی سید کی دوسری کتاب ۱۹۸۵ء میں ''اقبال۔ ایک مطالعہ'' کے نام سے شائع ہوئی۔ ایک سو باون صفحات پر مبنی اس کتاب میں پروفیسر جابر علی سید کے دس تنقیدی مقالات شامل ہیں۔ ان میں سے کچھ مضامین اس سے قبل ان کی کتاب ''تنقید اور لبرلزم'' میں بھی چھپ چکے تھے، جو ۱۹۸۳ء میں شائع ہوئی۔

''اقبال اور فطرت'' اس مجموعہ کا پہلا مضمون ہے، جس میں علامہ اقبال کی فطرت پسندی کو موضوع بنایا گیا ہے اور انکی شاعری میں فطرت کے عناصر اور اس سے تعلق کو عیاں کیا گیا ہے۔ کتا کے دیگر مضامین، اقبال کا نظریہ حسن، شمع اور شاعر، تجزیہ، اقبال اور ذوق استفسار، اقبال اور تغزل، اقبال اور قطعہ، رباعی تنازعہ، اقبال کے ایک مصرعے کی تشریح، اقبال اور سپنگلر، کلام اقبال میں فنون لطیفہ کے عناصر، مثنویات اقبال اور الہلال۔

۱۹۸۵ء میں ڈاکٹر ایس ایم منہاج الدین کی کتاب ''افکار و تصورات اقبال'' منظر عام پر آئی۔ چار سو اٹھائیس صفحات پر مشتمل اس کتاب میں مختلف موضوعات کے حوالے سے فکر اقبال کی تشریح کی گئی ہے اور علامہ اقبال کی شاعری کا تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔

ڈاکٹر ایس ایم منہاج الدین کی دوسری کتاب "افکار اقبال"، ۱۹۸۶ء میں شائع ہوئی۔ اس مجموعے میں انہوں نے علامہ اقبال کی طویل اور مختصر نظموں کا فکری اور فنی جائزہ پیش کیا ہے۔

ڈاکٹر منہاج الدین کی تیسری کتاب "تصورات اقبال" (اقبال کے چند پہلو) ۱۹۸۹ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب میں چودہ مضامین شامل ہیں۔ جو زیادہ تر انکی پہلی کتاب "افکار و تصورات اقبال" کی ہی توسیع و تشریح ہے۔ کتاب کے آخر میں کلام اقبال کا انتخاب بھی شائع کیا گیا ہے۔ ۱۹۸۶ء میں پروفیسر حمید رضا صدیقی اور پروفیسر اجمل صدیقی کی باہمی کوششوں سے ایک کتاب "اقبال اور جدوجہد آزادی" کے نام سے قارئین کی توجہ کا مرکز بنی ۔ایک سوانچاس صفحات پر مشتمل اس کتاب میں "مسلم قومیت کا تشخص"، "اقبال اور احیائے اعتماد"، "جداگانہ وطن کا تصور"، "پنجاب میں مسلم لیگ کی تنظیم نو"، "قائداعظم کا صلاح کار"، "اسلامی فکر کی تشکیل جدید" اور "اقبال اور چوہدری رحمت علی" کے عنوانات کے تحت تحریک پاکستان میں علامہ اقبال کے عظیم تر کردار کو ثابت کیا گیا ہے۔ اس سلسلے یں دلائل سے چند غلط فہمیوں کا ازالہ بھی کیا گیا ہے۔

۱۹۸۷ء میں پروفیسر اسلم انصاری کی ایک کتاب "اقبال عہد آفریں" شائع ہوئی۔ اس کتاب کو کاروان ادب، ملتان نے شائع کیا۔ یہ کتاب پروفیسر اسلم انصاری کے سترہ علمی و تحقیقی مضامین کا مجموعہ ہے۔ جو انہوں نے تفہیم اقبال کے لئے لکھے۔ اس کتاب میں انہوں نے علامہ اقبال کے فکری ماخذ کو نہ صرف تلاش کیا ہے بلکہ آنے الے وقتوں کے لئے فکر اقبال کی نئی جہتوں کی بھی نشان دہی کی ہے۔ کتاب میں مندرجہ ذیل عنوانات پر مضامین شامل اشاعت ہیں۔

”اقبال۔ عہد آفرین، اقبال کی بیانیہ شاعری، اقبال اور عشق رسول، اقبال کا تصور تاریخ، تشکیل جدید الہیات اسلامیہ، اسلامی افکار کے تناظر میں، خطبات اقبال پر ایک نادر تبصرہ، فارسی شعرو وادب میں اقبال کی فکری اور فنی ترجیحات، اقبال کی مختصر ترین فارسی مثنوی، بندگی نامہ، اقبال کا ذوق مشرق، اقبال کی شاعری میں ڈرامائی عناصر، اقبال کا لفظی تخیل، اقبال اور احمد شاہ ابدالی، شاعر مشرق اور عبدالرحمٰن چغتائی، ہمالہ، اقبال اور نسل نو، سنگ و خشت یا افکار تازہ، اقبال شخص اور شخصیت ایک نظر میں۔“
(کتاب میں ہر عنوان سے قبل عمل مصوری سے) علامہ اقبال کے افکار کا ایک خوبصورت سکیچ بھی شائع کیا گیا ہے، جس سے کتاب کے صوری حسن میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ ۱۹۸۸ء میں ڈاکٹر اے بی اشرف کی دو کتب شائع ہوئیں، پہلی کتاب ”غالب اور اقبال“ ایک سو انتالیس صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں غالب اور اقبال کا تقابلی مطالعہ کیا گیا ہے، اس کتاب میں مندرجہ ذیل عنوانات پر مضامین شامل ہیں۔

غالب اور اقبال کا تقابلی مطالعہ، غالب کا فن، سیاسی اور سماجی تناظر میں، کلام غالب میں تمثال شعری کی بہترین مثال، غالب عصر حاضر کے آئینے میں، فلسفہ اقبال اور اس کے ماخذ، مسجد قرطبہ، اقبال کی شاہکار نظم، معروضی رشتوں کا شاعر، اقبال، اقبال کا نظریہ خیر وشر، اقبال کا نظریہ تعلیم، تنقید اقبال کی ایک نئی جھلک، روڈولف پان وچ اور اقبال، یہ سب مضامین مصنف کی منفرد سوچ اور واضع نقطہ نظر کے ترجمان ہیں، ڈاکٹر اے بی اشرف کی دوسری کتاب ”میر، غالب اور اقبال“ ۱۹۸۸ء میں شائع ہوئی۔ یہ کتاب بہتر صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں علامہ اقبال پر صرف ایک مضمون بعنوان ”غالب اور اقبال کا تقابلی مطالعہ“ شامل ہے۔

۱۹۸۹ء میں مولانا نور احمد خاں فریدی کا تحریر کردہ ایک کتابچہ بعنوان ”صوفیانہ افکار

و نظریات میں علامہ اقبال کے مجددانہ تصرفات" شائع ہوا۔ اسے قصر الادب ملتان نے شائع کیا ہے۔ اس کتابچہ میں مولانا نور احمد فریدی نے مختلف بزرگان دین کے نظریات کا تذکرہ کرتے ہوئے، علامہ اقبال کے دینی نظریات پر بحث کی ہے۔

۱۹۹۳ء میں ڈاکٹر عبدالرؤف شیخ کی ایک کتاب "اقبال شناسی اور عابد" شائع ہوئی کتاب ایک سو اٹھائیس صفحات پر مشتمل ہے، جسمیں عابد علی عابد کی اقبال شناسی کے حوالے سے انکی تحریروں کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ کتاب کے پہلے پچپن صفحات علامہ اقبال اور عابد علی عابد سے متعلق ہیں، باقی حصے میں عابد علی عابد کی دیگر ادبی تصانیف کا اندراج کیا گیا ہے۔

۱۹۹۳ء ہی میں ڈاکٹر انوار احمد کی کتاب "تحریک پاکستان میں علامہ اقبال کا کردار" منظر عام پر آئی۔ کتاب ایک سو ستائیس صفحات پر مشتمل ہے۔ ضمیمہ کے طور پر علامہ اقبال کے خطوط بنام قائداعظم بھی شامل کیے گئے ہیں۔

۱۹۹۴ء میں عبدالمجید ساجد کی کتاب "اقبال۔ حیات عصر" شائع ہوئی۔ پانچ سو بیس صفحات پر محیط یہ علامہ اقبال کی زندگی اور فکر و فن پر ایک مکمل کتاب ہے۔ اس سے قبل عبدالمجید ساجد "اقبال دی حیاتی" اور "دلاں دا چانن" کے عنوان سے دو کتب پنجابی زبان میں لکھ چکے ہیں۔

(ب) ملتان میں علاقائی زبانوں میں اقبالیاتی تنقید اور تراجم

سرائیکی ایک قدیم زبان ہے، جو مختلف ناموں سے اس خطہ میں بولی جاتی رہی ہے۔ اس میں عصر حاضر تک بے پناہ ادب تصنیف ہوا ہے۔

علامہ اقبال کی فکر اور فلسفہ کی ہمہ گیریت کے سبب دنیا کی مختلف زبانوں میں ان کے کلام اور افکار پر کام ہو رہا ہے۔ سرائیکی زبان میں بھی علامہ اقبال کے کلام کے نہ صرف تراجم کئے گئے ہیں، بلکہ علامہ اقبال کے فکروفن پر مضامین اور کتب بھی لکھی گئی ہیں۔

خطہ ملتان میں سرائیکی میں لکھی جانے والی پہلی کتاب ڈاکٹر مہر عبدالحق کی ''جاوید نامہ اقبال'' ہے جو کہ علامہ اقبال کی فارسی تصنیف ''جاوید نامہ'' کا منظوم سرائیکی ترجمہ ہے۔ دو سو تر تالیس صفحات پر مشتمل اس کتاب کو سرائیکی ادبی بورڈ نے ۱۹۷۴ء میں شائع کیا۔ یہ ترجمہ ملتان میں علاقائی زبانوں میں کلام اقبال کے ترجمے میں اولیت رکھتا ہے۔ کتاب کے دیباچہ میں ''جاوید نامہ'' کا ترجمہ کرنے کی غرض وغایت بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر مہر عبدالحق لکھتے ہیں،

''اسلوب بیان کے لحاظ سے ''جاوید نامہ'' فارسی کی نہایت بلند پایہ نظموں میں شمار ہوتی ہے۔ الفاظ کا موزوں ترین انتخاب اور برمحل دلکش منظر نگاری مختصر مگر جامع طرز ادا اور ڈرامائی تاثر آفرینی کے اعتبار سے یہ نظم کسی بھی دوسرے بلند پایہ ادب پارے کم نہیں۔'' (۹۱)

ڈاکٹر مہر عبدالحق اقبال فہمی میں اعلیٰ مقام رکھتے ہیں، انہوں نے "جاوید نامہ" کے ترجمہ میں لفظ و معنیٰ کی شان اور کلام اقبال کے اصل صوتی آہنگ کو بھی برقرار رکھا ہے۔ کتاب میں "حلاج" کے عنوان سے نظم کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

سینے دے وچ صور اسرافیل ہم
ملک وملت موت دی تمثیل ہم
مومناں دے کفر دے ہن رسم وراہ
امر حق آکھن ہے باطل ضابطہ
کیوں جو آب وخاک نال اس رابطہ
میں تاں خود بھڑکائی اے نار حیات
ڈس ڈتم مویاں کوں اسرار حیات (۹۲)

ترجمہ کی ایک اور خوبی یہ ہے کہ نظموں کے اوزان اور بحور بھی برقرار ہیں۔ جو علامہ اقبال نے استعمال کیے ہیں اور اصل متن کی روح کو بھی مجروح نہیں ہونے دیا۔ کتاب کے آخر میں "کجھ شریحاں" کے عنوان سے مشکل الفاظ اور تلمیحات کی تفصیلات بھی دی ہیں۔

"جاوید نامہ اقبال" کے بین السطور پوری کتاب میں ڈاکٹر مہر عبدالحق کی علامہ اقبال سے عقیدت اور محبت بھی ٹپکتی نظر آتی ہے، ڈاکٹر مہر عبدالحق کہتے ہیں،

"میری زندگی تین موضوعات سے عبارت ہے، قرآن حکیم، تعلیم اور اقبال" (۹۳)

۱۹۷۱ء میں ملتان سے عمر علی خاں بلوچ کی زیر ادارت ایک ماہوار جریدہ "سرائیکی ادب" سرائکی زبان میں چھپنا شروع ہوا۔ جس نے اس خطہ میں سرائیکی زبان وادب کے فروغ میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ اس جریدہ میں سرائیکی زبان میں علامہ اقبال پر

مضامین اور شعری تخلیقات بھی شائع ہوئی ہیں، یہ جریدہ اب تک باقاعدگی سے چھپ رہا ہے۔ فروری ۱۹۷۸ء کے شمارے میں ارشد ملتانی کی علامہ قبال کے بارے میں ایک نظم شائع ہوئی ہے وہ لکھتے ہیں،

ہن چرچے تیڈے علم دے ہر ملک دے اندر
دانش داتوں دریا ہیں تے حکمت دا سمندر
ہر موج تیڈی واقف عرفان الہی
فرمان تیڈا حامل فرمان الہی (۹۴)

"سرائیکی ادب" کے گذشتہ شماروں میں علامہ اقبال پر مندرجہ ذیل تنقیدی مضامین شائع ہوئے ہیں،

۱۔ اسلامی نظام اور جمہوریت۔ علامہ اقبال کے افکار و نظریات کی روشنی میں۔
مولانا نور احمد فریدی، دسمبر ۱۹۷۷ء

۲۔ اقبال دی نظر وچ عورت دا مقام، بیگم شاہین قریشی، دسمبر ۱۹۷۷ء

۳۔ اقبال دا نظریہ وطن، ارشد ملتانی، فروری ۱۹۷۸ء

۴۔ کیا بلھے شاہ اتے علامہ اقبال سیکولر ھن، سید محمد مسعود شاہ بخاری، فروری ۱۹۷۸ء

۵۔ خواجہ صاحب، اقبال اتے عشق، رئیس غلام نبی خان، ۔۔۔۔

پروفیسر اسلم انصاری ادیب اور شاعر ہیں، انہوں نے علامہ اقبال کے خطبات کا سرائیکی زبان میں ترجمہ کیا ہے۔ یہ ترجمہ ابھی تک غیر مطبوعہ ہے، ترجمہ کا خاص (وصف یہ ہے کہ پروفیسر اسلم انصاری نے خطبات کا سرائیکی ترجمہ کرتے وقت) سرائیکی زبان میں نئی فلسفیانہ اصطلاحات بھی وضع کی ہیں۔ اسلم انصاری پہلے خطبہ کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں،

"اگوں چل کر صوفیا تے اسلام دے متکلمین نے ایں معاملے وچ جو جو خدمت کیتی ہے او ساڈی رہتل دی تاریخ دے سبق سکھانین والے باب ہن۔" (۹۵)

ترجمہ میں مزید آسانی پیدا کرنے کے لئے انہوں نے بعض جگہ ساتھ ہی مشکل الفاظ کے اردو یا انگریزی معنی بھی دیئے ہیں۔

"اتھوں ای پتا لگ دے جو انھاں (صوفیا تے متکلمین) کوں سوچاں دے ہک گنڑوے منجے نظام دی کیھوں جئیں پچی سک ہئی۔ تے او حق سچ (صداقت) دے نال کہیر و جئیں مخلصانہ عقیدت رکھدے ہن۔" (۹۶)

علامہ اقبال کے خطبات گہری فلسفیانہ ودینی رمزوں کے حامل ہیں۔ ان کا سرائیکی زبان میں ترجمہ اسلم انصاری کا ایک بڑا ادبی کارنامہ ہے۔ اس کے علاوہ خادم ملک ملتانی نے "شکوہ جواب شکوہ" اور اسد ملتانی نے "بانگ درا" کی کچھ نظموں کا منظوم سرائیکی ترجمہ بھی کیا ہے۔

علاقائی زبانوں میں دوسری کتاب پنجابی زبان میں عبدالمجید ساجد کی "اقبال دی حیاتی" ہے، جو ۱۹۸۲ء میں مکتبہ کارواں ادب، ملتان کے زیر اہتمام شائع ہوئی۔ یہ چار سو چھپن صفحات پر مبنی ہے۔ کتاب میں مصنف نے اقبال کے آباؤ اجداد، انکی پیدائش اور علامہ اقبال کے تعلیمی کیریئر کا ذکر کرتے ہوئے، ۱۹۰۸ء سے ۱۹۳۸ء تک انکی زندگی کے اہم واقعات ہر سال کے حوالے سے بیان کئے ہیں۔ اس کے علاوہ مختلف موضوعات مثلاً ادب اور اخلاق، سر سید احمد خان، شبلی نعمانی، حسن نظامی، خواجہ حافظ شیرانی، غالب، اکبر آلہ آبادی، برگساں اور نطشے کے متعلق علامہ اقبال کے افکار کا تحقیقی جائزہ لینے کے بعد علامہ اقبال کے متعلق بعض غلط فہمیوں یا الزامات کی موثر صورت میں تردید کی ہے۔ "علامہ ہوراں وارے سچ جھوٹھ دا نتارا" کے عنوان سے علامہ اقبال

پر لگائے جانے والے الزامات پر بحث کی ہے اور انہیں لغو ثابت کیا ہے۔ شراب پینے کے الزام کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"ولیمہ مبارک دا حلفیہ بیان ایکہ حضرت علامہ نے کبھی شراب سے شغف نہیں رکھا۔" (۹۷)

عبدالمجید ساجد نے علامہ اقبال کے متعدد قریبی ساتھیوں کے بیانات کو مختلف کتابوں سے جمع کیا ہے اور اپنے دعوے کے ثبوت کے طور پر پیش کیا ہے، لکھتے ہیں۔

"۱۹۲۶ء وچ لیجسلیٹو کونسل دی ممبری جدوں علامہ ھوراں نوں ملی تے اوھناں نیں شراب تے پابندی لوادتی جہیڑا شراب تے پابندی لواندا اے، اوہ شراب کیویں پیندا اے۔" (۹۸)

"علامہ ھوراں دے خیال وچ" کے عنوان سے ادب تے تصوف، سیاست، عشق رسول، قادیانیت، قرآن اور کشمیر جیسے موضوعات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ کتاب کا وصف خاص اس کا تحقیقی مزاج اور اسلوب ہے۔ ۱۹۸۴ء میں پاکستان رائٹرز گلڈ نے اسے اول انعام دیا اور ۱۹۹۴ء میں اسے قومی صدارتی اقبال ایوارڈ سے نوازا گیا ہے۔

خطہ ملتان میں پنجابی زبان میں لکھی گئی دوسری کتاب عبدالمجید ساجد ہی کی علامہ اقبال کی کچھ نظموں کا منظوم پنجابی ترجمہ "دلاں دا چانن" ہے۔ یہ کتاب ایک سو پینتیس صفحات پر مشتمل ہے اور اسے کاروان ادب ملتان نے ۱۹۸۴ء میں شائع کیا۔

اس مجموعے میں عبدالمجید ساجد نے علامہ اقبال کی دس نظموں کا پنجابی زبان میں منظوم ترجمہ کیا ہے، اس مقصد کیلئے "بانگ درا" سے "شکوہ، جواب شکوہ"، "شمع اور شاعر"، "والدہ مرحومہ کی یاد میں"، "خضر راہ"، "طلوع اسلام"، "بال جبریل" میں سے "ذوق وشوق"، "مسجد قرطبہ"، "ساقی نامہ" اور "پیرو مرشد" کا انتخاب کیا گیا

ہے۔ فنی لحاظ سے ترجمہ قابل داد ہے، عبدالمجید ساجد نے ہر نظم کا پس منظر بیان کرتے ہوئے نظموں کے بارے میں مفید معلومات بھی فراہم کی ہیں۔ "جواب شکوہ" کے آخری بند کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں۔

"عقل تری اے ڈھال تے تیرا عشق تیری شمشیر اے
اس جگ دی سرداری ہن درویش تیری جاگیر اے
"غیر اللہ" سب نوں جلاوے اوہ تیری تکبیر اے
توں جے مسلم بن جاویں تے تیرے ہتھ تقدیر اے
کریں محمد ﷺ ناں وفا تے اساں وی تیرے ہوئے
ایہہ جہان کہیہ لوح قلم وی تیرے میرے ہوئے(۹۹)"

عبدالمجید ساجد کی یہ منظوم پنجابی زبان اور اقبالیاتی ادب میں ایک قابل قدر اضافہ ہے۔

مارچ ۱۹۷۴ء میں ملتان سے مشکور صابری کی زیر ادارت پنجابی زبان کے ایک مہینہ وار جریدہ "وارث شاہ" کا اجراء ہوا۔ اس جریدے نے ملک میں پنجابی زبان وادب کے فروغ میں نمایاں حصہ لیا ہے۔ "وارث شاہ" کے مختلف شماروں میں علامہ اقبال کے فکر وفن پر بھی مقالات شائع ہوتے رہے ہیں۔ اس کے علاوہ ۱۹۷۷ء میں علامہ اقبال کی پیدائش کی صد سالہ تقریبات کے سلسلے میں وارث شاہ کا ایک اقبال نمبر بھی شائع کیا گیا۔

مہینہ وار "وارث شاہ" میں علامہ اقبال پر مندرجہ ذیل مضامین شائع ہوئے ہیں۔

۱۔ اقبال ایک صوفی شاعر، ڈاکٹر فلپ ایل ڈی کھنہ، جولائی ۱۹۷۶ء

۲۔ میاں محمد تے اقبال، رضوان ثاقب، اپریل مئی ۱۹۷۷ء

۴۔اقبال دا فلسفہ عشق، ڈاکٹر وحید قریشی نومبر۔دسمبر ۱۹۷۷ء اقبال نمبر
۵۔اقبال دا نظریہ قومیت، محمد ممتاز علی قریشی۔
۶۔اقبال تے رسول پاک دی ذات اقدس، شہباز ملک،
۷۔اقبال تے پنجاب شاعراں تے فکر دی سانجھ، سید اختر جعفری، ایضاً
۸۔اقبال دے اک مصرے دی تشریح، پروفیسر جابر علی سید، ایضاً
۹۔علامہ اقبال نال پنجابی بارے اک انٹرویو عزیز میسوری، ایضاً

حواشی

۱۔ جعفر بلوچ (مرتب) اقبالیات اسد ملتانی، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۱۹۸۴ص ۱۲
۲۔ عطاء اللہ شیخ، اقبال نامہ (حصہ اول) شیخ محمد اشرف لاہور، س ن، ص ۲۴۰، ۳۴۱
۳۔اقبالیات اسد ملتانی، ص ۵۶
۴۔ایضاً، ص ۲۸
۵۔ایضاً، ص ۳۵
۶۔اسد ملتان، مرثیہ اقبال، مطبع شمس، ملتان، ۱۹۳۹ء، ص ۲۷
۷۔ ایضاً، ص ۱۲
۸۔ایضاً، ص ۱۳
۹۔ایضاً، ص ۱۶
۱۰۔ایضاً، ص ۲۳
۱۱۔اقبالیات اسید ملتانی، ص ۱۱۲
۱۲۔ایضاً، ص ۱۱۳

۱۳۔ایضاً، ص ۱۱۵

۱۴۔ایضاً، ص ۱۱۷

۱۵۔ایضاً، ص ۱۱۸

۱۶۔ایضاً، ص ۱۱۹

۱۷۔ایضاً، ص ۱۲۰

۱۸۔ماہنامہ "ماہ نو" کراچی، شمارہ نمبر ۵، جلد نمبر ۳، مئی ۱۹۵۰ء ص ۶۰

۱۹۔ماہنامہ "طلوع اسلام" کراچی، شمارہ نمبر ۴، جلد ۴۔اپریل ۱۹۵۱ء ص ۴۷

۲۰۔ماہنامہ "طلوع اسلام" کراچی، شمارہ نمبر ۵ جلد ۵، مئی ۱۹۵۲ء، ص ۲۵

۲۱۔ماہنامہ طلوع اسلام، کراچی، شمارہ نمبر ۴ جلد نمبر ۶، اپریل ۱۹۵۳ء، ص ۱۶

۲۲۔ ماہنامہ ماہ نو کراچی، جلد نمبر ۶ شمارہ نمبر ۱، اپریل ۱۹۵۳ء، ص ۱۲۔ ۱۳

۲۳۔ ہفت روزہ الشمس، ملتان، جلد نمبر ۳۶ شمارہ نمبر ۱۶ اپریل ۱۹۸۶ء، ص ۳

۲۴۔اقبالیات اسد ملتانی، ص ۵۷

۲۵۔ایضاً، ف ۶۷

۲۶۔ایضاً، ص ۸۵

۲۷۔ایضاً، ص ۸۹

۲۸۔ عبدالباقی، اسد ملتانی۔ شخصیت و فن، غیر مطبوعہ مقالہ (ایم اے اردو) جامعہ زکریا، ملتان، ۱۹۷۸ء ص ۱۴۳

۲۹۔ایضاً، ص ۱۴۴

۳۰۔ایضاً، ص ۱۴۵

۳۱۔ایضاً، ص ۱۴۵

۳۲۔ ایضاً، ص ۱۴۶

۳۳۔ ایضاً، ص ۱۴۶

۳۴۔ ایضاً، ص ۱۴۶

۳۵۔ ایضاً، ص ۱۴۷

۳۶۔ ایضاً، ص ۱۴۷

۳۷۔ اقبالیات اسد ملتانی، جعفر بلوچ، ص ۲۳، اپریل ۱۹۵۹ء، ص ۱۶

۳۸۔ ماہنامہ آستانہ زکریا، ملتان، جلد ۲ شمارہ ۱۰

۳۹۔ ملتان قدیم وجدید، بزم ترقی ادب، ملتان، ۱۹۶۸ء، ص ۱۴۴

۴۰۔ مختار ظفر، ڈاکٹر ملتان کی شعری روایت، غیر مطبوعہ تحقیقی مقالہ برائے پی ایچ ڈی (اردو) جامعہ زکریا، ملتان ۱۹۹۴ء، ص ۱۶۵

۴۱۔ قادری۔ سید نور محمد، اقبال کے دینی اور سیاسی افکار، زمیندار ایجوکیشنل ایسوسی ایشن، گجرات، ۱۹۸۲ء، ص ۱۱۰

۴۲۔ خان محمد اکرم (مرتب) ملت اور وطن، ادارہ روزنامہ شمس، ملتان، ۱۹۳۸ء۔ ص ۵

۴۳۔ ایضاً، ص ۱۵

۴۴۔ ایضاً، ص ۱۶

۴۵۔ طالوت (مرتب) نظریہ قومیت اور مولانا حسین احمد صاحب مدنی وعلامہ اقبال، کتب خانہ صدیقہ ڈیرہ غازی خان، س ن، ص ۲۱

۴۶۔ ایضاً، ص ۳۶

۴۷۔ نیازی، سید نذیر، اقبال کے حضور، اقبال اکادمی، کراچی، ۱۹۷۱، ص ۲۲۰

۴۸۔ نظریہ قومیت اور مولانا حسین احمد صاحب مدنی و علامہ اقبال، ص ۳۷
۴۹۔ ایضاً، ص ۳۸
۵۰۔ ایضاً، ص ۴۱
۵۱۔ ایضاً، ص ۴۴
۵۲۔ ایضاً، ص ۴۸
۵۳۔ جاوید اقبال، زندہ رود (حیات اقبال کا اختتامی دور) شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، ۱۹۸۴ء ص ۶۵۳
۵۴۔ خان، ایچ بی، برصغیر پاک و ہند کی سیاست میں علماء کا کردار، قومی ادارہ برائے تحقیق و ثقافت، اسلام آباد، ۱۹۸۵ء ص ۳۶۹
۵۵۔ قادری، سید نور محمد، اقبال کے دینی اور سیاسی افکار، زمیندار ایجوکیشنل ایسوسی ایشن، گجرات، ۱۹۸۲ء ص ۱۲۴
۵۶۔ قادری، سید نور محمد، اقبال کا آخری معرکہ، رضا پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۷۹ء، ص ۶۹۔
۵۷۔ ڈاکٹر مہر عبدالحق سے راقم کا انٹرویو، ۱۳ اگست ۱۹۹۴ء بہ مقام شادمان کالونی ملتان۔
۵۸۔ یہ نظم علامہ طالوت کی خود نوشت ڈائری سے بعنوان ''آہ ترجمان حقیقت'' دستیاب ہوئی۔ جو ان کے بیٹے حماد رشید کے پاس محفوظ ہے۔
۵۹۔ اسلم انصاری کی غیر مطبوعہ مثنوی ''فرخ نامہ'' سے اقتباس
۶۰۔ اسلم انصاری، اقبال عہد آفریں، کاروان ادب، ملتان، ۱۹۸۷ء ص ۱۱
۶۱۔ اسلم انصاری سے ایک انٹرویو، ۱۵ اگست ۱۹۹۴ء بمقام گورنمنٹ کالج ملتان۔
۶۲۔ ملتان یونیورسٹی میگزین، دانائے راز نمبر، ملتان یونیورسٹی ملتان ۱۹۷۷۔۷۸، ص ۱۵۱
۶۳۔ عاصی کرنالی، چراغ نظر، ۱۹۹۲ء ص ۵

۶۴۔ عاصی کرنالی، چمن، مکتبہ اہل قلم، ملتان، ۱۹۸۶ء ص ۸۶

۶۵۔ ایضاً۔ ص ۸۷

۶۶۔ ایضاً۔ ص ۸۸

۶۷۔ ایضاً۔ ص ۸۹

۶۸۔ ایضاً۔ ص ۹۱

۶۹۔ ایضاً، ص ۹۲

۷۰۔ ایضاً، ص ۹۳

۷۱۔ ارشد ملتانی، ثبات، بزم ثقافت، ملتان، ۱۹۸۳ء ص ۲۰

۷۲۔ ناصر زیدی (مرتب) بیاد شاعر مشرق، مکتبہ عالیہ، لاہور، ۱۹۷۷ء ص ۸۱

۷۳۔ ایضاً، ص ۱۳۰

۷۴۔ ایضاً، ص ۱۰۰

۷۵۔ ایضاً، ص ۱۸۷ء

۷۶۔ ایضاً، ص ۱۳۶

۷۷۔ ایضاً، ص ۲۳۸

۷۸۔ جاید اختر بھٹی۔ (مرتب) ابر گہربار، ۱۹۹۵ء، ص ۳۸

۷۹۔ علامہ اقبال، کلیات اقبال (اردو) اقبال اکادمی پاکستان، لاہور،

۱۹۹۴ء، ص ۲۸۸

۸۰۔ بحوالہ ملتان میں اقبال شناسی، مجلہ اقبال (سہ ماہی) بزم اقبال، لاہور

جلد ۳۸۔ ۳۹، شمارہ ۱۔ ۴، اکتوبر ۱۹۹۱ء، جنوری ۱۹۹۲ء، ص ۲۰۴

۸۱۔ ہفت روزہ بشارات، مظفر گڑھ، شمارہ نمبر ۳۰، ۷ اگست ۱۹۷۰ء

۸۲۔ طاہر تونسوی، ڈاکٹر، ملتان میں اردو شاعری، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور،
۱۹۸۴ء، ص ۹۷
۸۳۔ ادیب، بھیم سین ظفر، جوئے بار، ۱۹۸۸ء ص ۸۳
۸۴۔ مختار ظفر، ڈاکٹر، ملتان کی شعری روایت، غیر مطبوعہ مقالہ برائے پی ایچ ڈی
(اردو) جامعہ زکریا، ملتان، ۱۹۹۸ء، ص ۵۸
۸۵۔ ماہنامہ شام و سحر، لاہور، اپریل ۱۹۹۰ء، ص ۱۱
۸۶۔ ملتان میں اردو شاعری، ص ۵۷
۸۷۔ ملت اور وطن (مرتب) محمد اکرم خاں، ص ۴
۸۸۔ مجلہ نخلستان ادب، ایمرسن کالج، ملتان ۱۹۴۸ء ص ۲۵
۸۹۔ عبدالرحمٰن، منشی، اقبال اور مسٹر، گوشہ ادب، لاہور، ۱۹۵۵ء، ص ۱۶
۹۰۔ ایضاً، ص ۸۵
۹۱۔ مہر عبدالحق، ڈاکٹر، جاوید نامہ اقبال، سرائیکی ادبی بورڈ، ملتان، ۱۹۷۴ء، ص ۱۳
۹۲۔ ایضاً، ص ۱۳۳
۹۳۔ ڈاکٹر مہر عبدالحق سے راقم کا انٹرویو، ۱۳ اگست ۱۹۹۴ء
۹۴۔ ماہنامہ سرائیکی ادب، ملتان، جلد ۸ شمارہ ۲، فروری ۱۹۷۸ء ص ۳۰
۹۵۔ اسلم انصاری، خطبات اقبال کا سرائیکی ترجمہ (غیر مطبوعہ)
۹۶۔ ایضاً
۹۷۔ ساجد، عبدالمجید، اقبال دی حیاتی، کاروان ادب، ملتان، ۱۹۸۲ء، ص ۴۳۳
۹۸۔ ایضاً، ص ۴۳۵
۹۹۔ ساجد، عبدالمجید، دلاں دا چانن، کاروان ادب، ملتان، ۱۹۸۴ء، ص ۵۱

باب سوم

ملتان میں ناقدان اقبال

اسد ملتانی

ملتان میں اقبالیات کا پہلا نقاد اسد ملتانی ہے۔ اسد ملتانی نے نہ صرف اپنے اشعار کے ذریعے علامہ اقبال کے فکر وفن کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا بلکہ ان کا مضمون "اقبال، انا اور تخلیق "مطبوعہ جولائی ۱۹۴۵ء "معارف "اعظم گڑھ، ملتان میں علامہ اقبال پر لکھا جانے والا تنقیدی مضمون بھی ہے۔ اس مضمون میں جو کہ خواجہ عبدالحمید لیکچرار فلسفہ گورنمنٹ کالج لاہور کے مضمون کے جواب میں شائع ہوا۔ اسد ملتانی نے علامہ اقبال پر لکھی جانیوالی عمومی تنقید پر کڑی نکتہ چینی کی ہے، وہ لکھتے ہیں۔

"حضرت علامہ اقبال کے شعر و فلسفہ کے متعلق بہت کچھ لکھا جارہا ہے اور علمی نقطہ نظر سے یہ ایک مبارک علامت ہے لیکن یہ دیکھا ہے کہ یا تو ان کے متفرق اشعار کچھ کہیں سے اور کچھ کہیں سے لے کر چند تشریحی جملوں کے ذریعے باہم مربوط کر دیئے جاتے ہیں، اس طرح ایک خاصا دلچسپ مگر بالکل سطحی قسم کا مضمون تیار ہو جاتا ہے۔"(۱۱)

"اقبال، انا اور تخلیق" میں اسد ملتانی نے "زبور عجم" کے چند فارسی اشعار کی تشریح و توضیح کی ہے۔

"ایں جہاں چیست ؟ صنم خانہ پندار من است
جلوہ او گرو دیدہ بیدار من است
ہمہ آفاق کہ گیرم بنگاہے اورا
حلقہ ھست کہ از گردش پرکار من است
ہستی و نیستی از دیدن و نادیدن من
چہ زمان و چہ مکاں شوخی افکار من است
از فسوں کاری دل سیر و سکوں عیب و حضور
ایں کہ غماز و کشائیندہ اسرار من است
ساز تقدیرم و صد نغمہ پنہاں دارم
ہر کجا زخمہ اندیشہ رسد تار من است
اے من از فیض تو پائیندہ نشان تو کجاست
ایں دو گیتی اثر ماست، جہاں تو کجاست (۲)

اسد ملتانی نے اپنے مضمون میں خواجہ عبدالحمید کے مضمون کو نقد و نظر کی کسوٹی پر پرکھتے ہوئے اس کے توضیحی پہلوؤں اور اشعار کی تشریح میں اختلافی جہتوں کی نشان دہی کی اور ان اشعار کے بین السطور اقبال کے حقیقی مافی الضمیر کو تلاش کیا ہے۔ اشعار کی تشریح کے سلسلے میں اسد ملتانی دیگر شارحین کی آراء کو رد کرتے ہیں۔

"تعجب کی بات ہے کہ اس نظم کے سمجھنے اور سمجھانے میں اکثر ارباب فکر نے ٹھوکر کھائی ہے اور اس کے صاف اور سدھے معانی بیان کر دینے کے بجائے خواہ مخواہ بے سروپا توجیہوں اور دور از کار تاویلوں سے کام لیا ہے۔" (۳)

اس ضمن میں انہوں نے روح اقبال کے مصنف (یوسف حسین خاں اور خواجہ

عبدالحمید دونوں کی تشریحات پر دلائل کے ساتھ گرفت کی ہے۔ پہلے انہوں نے یوسف خان کی اس طویل تمہید کو نقل کیا ہے، جو انہوں نے متذکرہ نظم کی تشریح کیلئے شاعر اور عالم فطرت کا عنوان دے کر باندھی ہے۔

"یہ جو کچھ ہم نے اوپر بیان کیا آرٹسٹ یا شاعر کے اندرونی جذبات و کیفیات کا تجزیہ تھا ان کی بدولت وہ اپنے دل کو کائنات سے متحد کر لیتا ہے۔ اس کے دل کی ہنگامہ آرائیاں شورش حیات کی ایک بولتی ہوئی تصویر بن جاتی ہیں۔

اس کا نغمہ زندگی کے زیر و بم میں توازن پیدا کرتا ہے اور اس کے درد کی کسک کائنات کی روح کو تڑپا دیتی ہے۔ وہ اپنے آرٹ کے ذریعے فطرت سے تعلق پیدا کرتا اور اپنے نفس گرم سے اس میں زندگی کی لہر دوڑا دیتا ہے۔" (۴)

اس کے بعد یوسف حسین خاں نظم کے معانی کی طرف ان الفاظ میں رہنمائی کرتے ہیں

"فطرت کے بے معنی طومار میں آرٹسٹ کی نظر نظم و معنی پیدا کرتی ہے۔ آرٹسٹ فطرت کے تقاضوں اور غیر ضروری تفصیلات کو الگ الگ کر کے ان میں ربط قائم کرتا ہے۔ جب وہ اپنے ربط و نظم پیدا کرنا چاہتا ہے تو عالم کو بھی اپنے ذہنی ربط و نظم سے وابستہ کرتا ہے۔ وہ ایک ایک کر کے ان سب رکاوٹوں کو دور کر دیتا ہے جو فطرت کے اظہار میں مانع آتی ہیں وہ حقیقت کو آزاد کرتا اور اس میں اپنے شوخی فکر سے نزاکت پیدا کر دیتا ہے۔ فطرت کے جلووں کی بو قلمونی اس کے دیدہ بیدار کی رہین منت ہے۔ زمان و مکاں بھی اس کی شوخی فکر کے آئینہ دار ہیں" (۵)

اس کے برعکس خواجہ عبدالحمید اپنے مقالے میں لکھتے ہیں۔

"انا نے جب اپنی خودی کی تعمیر کر لی تو وہ اپنے سامنے نئی دنیائیں کھلتا دیکھتا ہے اس کا پہلا ماحول اس کے لئے تنگ ہو جاتا ہے (شایان جنون من پہنائے دو گیتی نیست) اس

کی نظر زیادہ جسوداور شوخ، اسکی امنگ بے قید، اس کا بازو ہمہ گیر اور اس کی گرفت مضبوط تر ہو جاتی ہے۔ نگاہ ما بہ گریبان کہکشاں افتد، ایسا انا اپنے تخلیقی جوش سرشار و مجبور ہو کر بول اٹھتا ہے

ایں جہاں چیست؟ صنم خانہ پندار من است
جلوہ او گر ودیدہ بیدار من است

کیا یہ دعوی مجذوب کی بڑ ہے یا حقیقت پر مبنی ہے۔ شاعر کا مبالغہ ہے یا امر واقعہ کا اقرار؟ یہ لمبی بحث ہے۔ اقبال مبالغہ کا قائل نہیں اس لئے اس کی منشاء کے صحیح تعین کیلئے ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ ان (اور ایسے دوسرے اشعار) میں "من وما" سے شاعر کیا مراد لیتا ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ من وما فرد ہے لیکن صوفیاء اور حکماء کا ایک گروہ ایسا گزرا ہے کہ جن کی تعلیم یہ تھی کہ یہ من و حقیقت بشری انا نہیں ہے بلکہ اس کی وہ حالت ہے جب وہ اپنی معراج پر پہنچ کر انائے کبیر میں مل جاتی ہے۔ اقبال کی تعلیمات سے اس عقیدہ کی تائید نہیں ہوتی لیکن ایک دوسرا گروہ ہے جس سے (کم از کم اس اہم امر میں) اقبال متفق نظر آتا ہے۔ اس کے مطابق انا کی یہ معراج نہیں ہے کہ وہ انائے کبیر میں ضم ہو جائے بلکہ وہ اس سے اس طرح سیراب اور فیض یاب ہوتا ہے کہ انائے کبیر کی تخلیق فضلیت کمال جوش و خروش سے اس میں جاری وساری ہو جاتی ہے۔"(۶)

اسد ملتانی ان دونوں تشریحات پر تبصرہ کرتے ہوئے اپنا موقف بیان کرتے ہیں،

"گویا ایک کے نزدیک آرٹسٹ عالم فطرت کی بے ترتیبی میں اپنے تخیل سے نظم وترتیب پیدا کرنیکی کوشش کرتا اور اس بناء پر کائنات کو اپنی تخلیق سمجھنے لگتا ہے۔ دوسرے کے نزدیک کائنات کا یہ تصور انسان کی طاقت ہی سے باہر ہے اور اس کا احساس اس وقت ہوتا ہے جب وہ اپنی نہیں بلکہ انائے کبیر کی نظر سے دیکھتا ہے۔ ظاہر

ہے کہ یہ دونوں تشریحیں ایک دوسرے سے متضاد ہیں۔لہذا دونوں تو صحیح ہو نہیں سکتیں۔"(۷)

اسد کا موقف ہے کہ دونوں تشریحیں حقیقت سے بہت دور اور غلط فہمی کا باعث ہیں، ایک تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ پوری نظم بالخصوص آخری شعر کو مد نظر نہیں رکھا گیا اور دوسرے یہ کہ اشعار کو کائنات کی تخلیق سے متعلق سمجھا گیا حالاں کہ یہ محض ادراک ومشاہدہ سے تعلق رکھتے ہیں، پوری نظم کو دیکھا جائے تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ نظم شاعرانہ تخلیل کا نتیجہ ہے۔ اور نہ خدائی نقطہ نظر کی ترجمانی بلکہ انسان اور محض انسان کے مطالعہ کائنات پر مبنی ہے۔یہ دعوی مجذوب کی بڑ ہے نہ شاعر کا مبالغہ بلکہ امر واقعہ ہے اور عین حقیقت ان اشعار کا میں "من وما" سے کوئی فوق البشر یا غیر معمولی انا نہیں بلکہ انسان اور مطلق انسان مراد ہے جو حواس خمسہ کے ذریعہ اس مادی دنیا کو محسوس کرتا ہے اور ذہنی طور پر اس دنیا کے مقابلہ میں ایک عقبیٰ کا تصور کرتا ہے، اسد ملتانی لکھتے ہیں،

"اس نظم کے پہلے تین "ایں جہاں" یعنی اس مادی دنیا کے متعلق ہیں۔پانچواں اور چھٹا شعر "آں جہاں" یعنی عقبیٰ کے بارے میں ہے اور چوتھا شعر دونوں جہاں پر حاوی ہے، آخری شعر کا استفہام پوری نظم کی جان اور ایسا سوال جس کے اندر جواب بھی پوشیدہ ہے۔"(۸)

ان اشعار کی تشریح کرتے ہوئے اسد ملتانی اقبال کے اس سوال کا جواب کہ انہوں نے اس جہاں کو اپنے پندار کا صنم خانہ کیوں کہا ہے، سائنسی حوالوں سے جواز تلاش کریں، ان کا نظریہ ہے کہ اس مادی دنیا کا علم ہمیں اپنے حواس خمسہ کے ذریعہ ہوتا ہے۔ شروع شروع میں تو ماہرین طبیعات نے اپنی معلومات کے گھمنڈ میں یہی خیال کیا کہ

بس کل کائنات یہ ہے جس کا پتہ ہمارے حواس خمسہ دے رہے ہیں، پھر سائنسی انکشافات نے انہیں لاادریت کی منزل میں پہنچادیا۔اب کوئی اہم علم بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ ہمارے حواس خمسہ تمام موجودات کا ادراک کر سکتے ہیں یہاں طویل مگر دلچسپ مباحث کے ذریعہ اسد ملتانی کی نارسائی ثابت کرتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ خدواند تعالی کی تخلیقی کی ہوئی پوری کائنات کا علم ہمارے احاطہ ادراک سے باہر ہے اور اہم اپنے حواس خمسہ سے جس کو عالم یا جہاں سمجھتے ہیں وہ خدا کی تمام وکمال کائنات کا ایک محدود جزو ہے۔ایسی حالت میں کیا یہ دعوی امر واقعہ نہیں کہ یہ جہاں ہمارے ہی خیال کا بت خانہ ہے کیوں کہ اس کا جلوہ ہمارے دیدہ بیدار پر منحصر ہے اور ہمیں جو کچھ نظر آتا ہے یا حواس کے ذریعے محسوس ہوتا ہے اسے ہمت کہتے ہیں۔اس کے برعکس باقی جو کچھ ہے اس نیست ٹھہراتے ہیں۔ غرض یہ کہ نہ صرف یہ مادی کائنات ہمارے تخیل کی رہین منت ہے بلکہ زبان ہمارے فکر کی شوخی اور غیب ہمارے دل کی فسوں کاری کا نتیجہ ہونے کی باعث دوسرا جہاں بھی ہمارے حواس باطنی کا ممنون ہے۔

چوں کہ اس جہاں کا بویا ہو اس جہاں میں ہی کاٹا جاتا ہے۔اس لئے اس جہاں کے نوروناز بھی ہمارے اسی جہاں کے کفر وایمان کا حاصل ہیں گویا ہم تقدیر کے ساز ہیں اور ہمارے اندر سینکڑوں نغمے چھپے ہوئے ہیں، جہاں کہیں خیال کا مضراب پہنچ سکتا ہے وہاں ہمارا ہی تار موجود ہوتا ہے، یہاں اسد ملتانی نے ''گلشن راز جدید'' کے ان افکار سے بھی اپنے موقف کی تائید کی ہے جن کا حوالہ دیکر ڈاکٹر یوسف حسین خاں نے اپنے خیال کو تقویت دی تھی پھر اپنی بحث کو سمیٹتے ہوئے اسد یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ یہ جہاں ہماری تجلیات کے سوا کچھ نہیں کیوں کہ ہمارے بغیر نہ روشنی کا جلوہ ہے نہ آواز کا گویا یہ دونوں جہاں ہمارے ادراک و تخیل کا نتیجہ ہیں۔اب اس تمہید کے بعد خالق

کون ومکاں کو مخاطب کر کے سوال کیا ہے کہ تیرا نشاں کہاں ہے ؟ جب یہ دونوں جہاں ہمارے آثار ہیں تو تیرا جہاں کون سا ہے ؟ سوال نہایت نازک ہے کیوں کہ جو کائنات ہمارے خیال کا بت خانہ ہو اس کے مطالعہ سے خود اپنی ذات کا پتہ چلے گا۔ ایسی محدود کائنات میں خدا کا نشان کیوں کر مل سکتا ہے، لیکن شاعر نے بہ کمال حکمت اس سوال میں "اے من از تو پائندہ" کا ٹکڑا رکھ کر انسان اور خدا کے تعلق کی طرف بلیغ اشارہ کر دیا ہے۔ یعنی انسان نے پہلے ہی بے ساختہ طور پر تسلیم کر لیا ہے کہ مرا وجود خدا کے فیض سے قائم ہے یہ مان لینے کی بعد انسان کے فکر وخیال کے پیدا کردہ جہان بھی بالواسطہ خدا ہی کے فیض کا نتیجہ ثابت ہو تے ہیں لیکن شاعر کا مقصود یہ ظاہر کرنا ہے کہ خدا کو اس مادی کائنات کے اندر تلاش کرنا بے حاصل ہے کیوں کہ اس مادی کائنات سے تو انسان کے وجود کا پتہ چلتا ہے۔ ہاں جب انسان اپنے نفس کا مطالعہ کرے تو یہاں سے اسے خدا کا سراغ مل سکتا ہے۔

اسد ملتانی نے گہرے فنی شعور و علمی بصیرت کے ساتھ ان اشعار کے مفاہیم بیان کئے ہیں جن سے نہ صرف ان اشعار کی اہمیت وافادیت واضح ہو جاتی ہے بلکہ اسد ملتانی کی اقبالیات میں گہری دسترس اور دلچسپی کا بھی اندازہ ہو تا ہے انکا اسلوب سادہ اور عام فہم ہے۔ اسد ملتانی کے چند اور تنقیدی مضامین بھی اخبارات ورسائل میں چھپے ہیں، "شاعر کیا ہے" (معارف، اعظم گڑھ، جولائی ۱۹۲۹ء) "زبان کا اثر مذہب پر" (مجلّہ طلوع اسلام، کراچی ۱۹۳۶) "غالب کا ایک غیر مطبوعہ قطعہ" (مجلّہ ماہ نو، کراچی، ستمبر ۱۹۵۰) "جگر کا ایک شعر" (مجلّہ فاران، کراچی، ستمبر ۱۹۵۰ء) "چکبست کا ایک شعر" (مجلّہ فاران، کراچی، اگست ۱۹۵۰ء) "تلفظ کی غلطیاں" (مجلّہ فاران، کراچی۔ ستمبر ۱۹۵۲ء)

منشی عبدالرحمٰن

منشی عبدالرحمٰن ملتان کی ایک قد آور علمی و دینی شخصیت تھے، انہوں نے تاریخی اور دینی موضوعات پر سو سے زائد کتب تصنیف کی ہیں۔ علامہ اقبال کے حوالے سے انکی دو کتب شائع ہوئیں، انکی پہلی کتاب ”اقبال اور مسٹر“ ۱۹۵۵ء میں شائع ہوئی۔ یہ کتاب خلیفہ عبدالحکیم کی کتاب ”اقبال اور ملا“ کا جواب ہے، اس بارے میں لکھتے ہیں،

”بزم اقبال لاہور نے ”اقبال اور ملا“ کے نام سے ایک رسالہ شائع کیا جس میں یہ ثابت کرنیکی کوشش کی گئی کہ علامہ اقبال مدعیان دین اور حامیان شرح متین کو دین کے لئے ایک خطرہ سمجھتے تھے۔“(۹)

اس کتاب کے جواب میں منشی عبدالرحمٰن نے ”اقبال اور مسٹر“ لکھ کر اپنے جذبات وخیالات کا اظہار کیا اور علامہ اقبال کی تحریروں سے استدلال کرتے ہوئے یہ ثابت کیا کہ علامہ اقبال کا یہ مدعانہ تھا بلکہ انکے بہی خواہوں یا دوست نما دشمنوں نے اقبال کے فلسفہ وفکر کو اپنے افکار و نظریات کی ترویج و عزائم کی تکمیل کیلئے استعمال کیا ہے۔

اس سلسلے میں منشی عبدالرحمٰن علامہ غلام احمد پرویز کی مثال دیتے ہوئے لکھتے ہیں،

”اس گروہ نے اقبال کی روز افزوں محبوبیت و مقبولیت سے فائدہ اٹھانے کیلئے اس کی یادگار کے طور پر دہلی سے ایک ملی، اسلامی مجلّہ بنام ”طلوع اسلام“ جاری کیا جواب کراچی سے شائع ہو رہا ہے۔ عوام پر ظاہر کرنے کے لئے کہ یہ رسالہ علامہ اقبال کے خیالات کا ترجماں ہے۔ اس کے سرورق پر مدتوں ”بیادگار حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ“ کے الفاظ اور ان کے فوٹو شائع کیا جاتا رہا اور اس کے مدیر مسٹر پرویز نے دنیا کو اس بات کا مزید یقین دلانے کے لئے یہاں تک لکھ دیا کہ ان کے اجتہاد کا خاکہ علامہ اقبال کے ذہن کا رہین منت ہے۔ اس آڑ میں انہوں نے سرور دو جہاں صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم کے اقوال وافعال کو جھٹلایا۔" (۱۰)

منشی عبدالرحمٰن کی دوسری کتاب "علامہ اقبال کی کردار کشی" ۱۹۸۸ء میں طبع ہوئی۔ اس کتاب میں منشی عبدالرحمٰن نے علامہ اقبال کے بارے میں معاندانہ نظریات کی حامل تحریروں اور کوششوں کی نشان دہی کی ہے اور اپنے دعوے کی حمایت میں چند اقبال دوست شخصیات کے مضامین بھی اس کتاب میں شامل کئے ہیں۔

منشی عبدالرحمٰن فکر اقبال کو سیاسی طور پر اپنے مقاصد کیلئے استعمال کرنے والی حکومتوں کی مذمت بھی کرتے ہیں اور علامہ اقبال پر لکھی گئی معاندانہ تنقید کی بھی نشان دہی کرتے ہیں، جسے وہ اقبال کی کردار کشی یا اقبال کشی کی ذیل میں لاتے ہیں،

"سلیم احمد نے "اقبال ایک شاعر"، کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ جو اس نتیجہ پر پہنچاتی ہے کہ اقبال نے جو کچھ لکھایا کہا وہ ان کی ذاتی زندگی کی ناکامیوں، بے عملی، جذبہ کی کمی اور مستقل خواہشات کی کمی کا نتیجہ ہے اور اپنے ترکش کا آخری تیر علامہ اقبال کی عظمت واہمیت کو داغ دار کرنے کے لئے یہ چھوڑا کہ اقبال جنس اور جبلت سے خائف تھا۔" (۱۱)

منشی عبدالرحمٰن اس بارے میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں،

"علامہ اقبال قدرت کا ایک ایسا عطیہ تھے جو اکثر و بیشتر ایسے وقت میں ملتا ہے جب کسی قوم کے قوی واعضاء مضمحل اور مفلوج ہو جاتے ہیں۔ اس میں از سر نو ایک نئی روح پھونکنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی لئے علامہ اقبال کو شروع سے فکر رسا عطا ہوئی تھی۔ ارباب قضا و قدر شروع سے انکی نگرانی کر رہے تھے کیوں کہ ان سے تعمیر ملت کا کام لیا جانے والا تھا۔ آپ کو متوازن طبیعت عطا ہوئی تھی۔ آپ کی فکر و نظر میں کوئی افراط و تفریط نہ تھی۔" (۱۲)

منشی عبدالرحمن اس بات پر تاسف کا اظہار کرتے ہیں کہ قیام پاکستان کے بعد قوم افکار اقبال کی اتباع میں گامزن نہ رہی اور زوال اور ذلت سے دوچار ہوئی۔

"پاکستان کی سب سے بڑی بد قسمتی یہ تھی کہ پاکستان بننے کے بعد اس کی عنان اقتدار مغرب زدہ لوگوں کے ہاتھ میں آئی اور انہوں نے پاکستان کو اس تہذیب کا نمونہ بنانے کی ٹھانی جس کے خلاف علامہ اقبال ساری عمر جہاد کرتے رہے اور جنہوں نے اس کی کمائی کو خاک میں ملا دیا اور پاکستان کو اسلامی تہذیب و ثقافت کا نمونہ بنانے کی بجائے داعی اسلام کی عزت و عظمت کو مٹانے کیلئے دشمنان اسلام کو کھلی چھٹی دے دی۔" (۱۳)

منشی عبدالرحمان کا اقبالیات میں سرمایہ تخلیق بے حد قلیل ہے لیکن ان کی تحریریں جذبات کی شدت، وطن دوستی اور اقبال سے عقیدت کی آئینہ دار ہیں، فکر اقبال کے بارے میں لکھتے ہیں،

"اسلامیات کے روح مجسم اور اسلام کے اس پیغامبر کے پیغام کی روح کو سمجھنے کے لئے قرآن وحدیث اور اسلامی تاریخ کے گہرے مطالعہ کی ضرورت ہے کیوں کہ آپ نے اپنے پیغام میں زیادہ تر قرآنی آیات، احادیث اور سلف کے نظریات کی ترجمانی کی ہے اور ان پر اپنے فکر و فلسفہ کی بنیاد رکھی ہے۔ اسی کی بنا پر آپ نے عصر جدید کو للکارا، وطنیت کا بت توڑا، دنیائے اسلام کو بیداری کا پیغام دیا۔ مردہ دلوں میں زندگی کی رمق پیدا کی۔ مسلمانوں کو رنگ ونسب سے بچایا۔ فرد کو ملت سے وابستہ رہنے کی تاکید کی سکوت و جمود کو خودکشی قرار دیا اور مسلمانوں کو شکوک کی دلدل سے نکال کر یقین کی شاہراہ پر لا کھڑا کیا۔" (۱۴)

منشی عبدالرحمن کی دونوں کاوشوں "اقبال اور مسٹر" اور "علامہ اقبال کی کردار کشی" اقبالیات میں ایک دفاعی حصار کی حیثیت رکھتی ہیں۔ انہوں نے استناد واستشہاد کے

ساتھ مخالفین کے الزامات کو رد کیا ہے اور علامہ اقبال کے مکاتب اور تحریروں سے موثر انداز میں معاندانہ تحریروں کا جواب تحریر کیا ہے اور اس سلسلے میں لکھے گئے دیگر مواد کو اپنے دعوے کے حق میں اپنی دوسری کتاب "علامہ اقبال کی کردار کشی" میں شامل اشاعت کیا ہے۔

اقبالیات میں یہ ان کا ایک علمی و تحقیقی کارنامہ ہے اور یہ اس بات کا احساس بھی دلاتا ہے کہ اقبالیات میں اس کی اشد ضرورت ہے تاکہ اقبال کے فکر و فلسفہ کا اصل روپ نکھر کر سامنے آسکے جو ایک قابل عمل فلسفہ ہے اور وقت کی اہم ضرورت بھی ہے۔

افتخار حسین شاہ

افتخار حسین شاہ ادیب، نقاد اور محقق ہیں، انکی اب تک ایک کتاب "اقبال اور پیروی شبلی" شائع ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ مختلف علمی و ادبی موضوعات پر اسی مقالات جنکا غالب حصہ اقبالات پر مبنی ہے ملک کے مقتدر اخبارات و جرائد میں چھپ چکے ہیں، "اقبال اور پیروی شبلی" علامہ اقبال کی حیات، کلام و فلسفہ اور فن کے بارے میں چودہ قابل قدر مضامین کا مجموعہ ہے۔

کتاب کا پہلا مضمون "اقبال اور پیروی شبلی" ہے، اس میں افتخار حسین شاہ دلائل سے یہ ثابت کرتے نظر آتے ہیں کہ اقبال شبلی سے متاثر تھے، اور فکر اقبال شبلی کی ہی توسیع ہے۔ مضمون کے آغاز میں لکھتے ہیں،

"شیخ عبدالقادر کی طرح سے سوچتے ہوئے میں یہ کہنا مناسب سمجھتا ہوں کہ اگر میں مسئلہ حلول کا قائل ہوتا تو یہ اعلان کرتا کہ شبلی کی روح کا جسد اقبال میں حلول ہوا تھا یا یہ کہتا کہ اگر شبلی ۱۸۵۷ء میں اعظم گڑھ کے قریب قصبہ بندول میں پیدا ہونے کی بجائے ۱۸۷۷ء میں سیالکوٹ میں پیدا ہوتے تو وہ اقبال ہوتے۔" (۱۵)

پروفیسر افتخار حسین شاہ نے عام اتفاقات اور واقعات سے دونوں اکابر کی زندگیوں میں مطابقتیں تلاش کی ہیں، جن سے کلی طور پر یہ تسلیم نہیں کیا جاسکتا کہ اقبال شبلی کی فکری توسیع تھے البتہ اقبال شبلی کی ذہانتوں کے قائل اور ان سے متاثر ضرور تھے۔

افتخار حسین شاہ نے اقبالیات کی متنوع جہتوں کی عقدہ کشائی کا فریضہ بھی سرانجام دیا ہے۔انہوں نے ''علامہ اقبال محقق اور نقاد کی حیثیت سے'' کے عنوان سے علامہ اقبال کی تنقیدی صلاحیتوں کا جائزہ لیا ہے اور ان کی تحریروں اور کلام میں موجودہ تنقیدی اشارات کو اپنے مضمون میں بیان کیا ہے۔

''میرے خیال میں اقبال فن تحقیق سے بھی واقف تھے اور تنقیدی اصولوں سے بھی بخوبی آگاہ تھے۔ فن تحقیق سے آشنا ہونے اور اس فن کا تجربہ حاصل کرنے کے مواقع ان کو میکلوڈ عربک ریڈر کی حیثیت سے ملے اور تنقیدی اصولوں سے واقفیت انہیں اپنے وسیع مطالعہ کی بدولت حاصل ہوئی ان کی بعض تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ مشہور شاعر اور نقاد میتھو آرنلڈ کے تنقیدی نظریات سے وہ باخبر تھے۔''(۱۶)

اپنے اس مضمون میں افتخار حسین شاہ نے ایک نیا نقطہ نظر پیش کیا ہے۔ان کا موقف ہے کہ علامہ اقبال کو شاعری ترک کر کے اقتصادیات اور دوسرے علوم کی طرف توجہ دینی چاہئے تھی اور یہ آرنلڈ کی سازش تھی کہ اس نے علامہ اقبال کو دوبارہ شاعری کی طرف مائل کر دیا تاکہ وہ ان دقیق کاموں کی طرف توجہ نہ دے سکیں اس بارے میں افتخار حسین شاہ اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں،

''مجھے کامل یقین ہے کہ اگر شاعری ترک کر دیتے تو فقہ، اجتہاد اور قرآن حکیم کے متعلق تمام مجوزہ کتب مکمل کر لینے کے علاوہ بعض دوسری ایسی تحقیق معرکتہ الآراء تصانیف پیش کرتے کہ جن کی اہمیت کسی طرح بھی ان کے شعری مجموعوں سے کم نہ

ہوتی۔"(۱۷)

پروفیسر افتخار حسین شاہ کے اس موقف سے اختلاف کیا جا سکتا ہے اس لئے کہ مارچ ۱۸۹۹ء میں علامہ اقبال نے فلسفہ کا امتحان دیا اور اس میں تھرڈ ڈویژن میں کامیاب ہوئے تو اگلے ماہ ہی ۱۸۹۹ء میں اورینٹل کالج لاہور میں ان کا بطور میکلوڈ عربک ریڈر تقرر ہوا۔ یہاں وہ جو مضامین پڑھاتے تھے، اس میں

"تاریخ اور علم القصاد، ہفتے میں چھ پیریڈ نصاب، سیلے کی تالیف Expansion of England انگلستان اور ہندوستان کی تاریخ پر نوٹس (۳) فاوسیٹ (Fawcett) کی تالیف (Political Economy) "

اس کے علاوہ اورینٹل کالج کی سالانہ رپورٹ بابت ۱۹۰۱ء۔ ۱۹۰۲ء کے اندراج کے مطابق شیخ محمد اقبال ایم اے نے مندرجہ ذیل تراجم و تالیف مرتب کیں۔

(۱) دستوری تاریخ کے موضوع پر سٹبس کی تصنیف Early Plantagcents کا اردو میں تلخیص و ترجمہ۔

(۲) علم الاقتصاد کے موضوع پر واکر کی تصنیف Political Economy کا اردو میں ترجمہ و تلخیص۔

(۳) علم الاقتصاد پر ایک نئی تصنیف (زیر ترتیب)"(۱۸)

اس سے یہ تاثر ملتا ہے کہ چوں کہ وہ کالج میں طلباء کو یہ مضمون پڑھاتے تھے، اس لئے ہندوستان کے حالات کے پس منظر میں انہوں نے طلباء کی سہولت کے لئے یہ کتاب تصنیف کی اور اس کے پس پردہ اور کوئی عزائم یا محرکات نہیں تھے اور وہ علم الاقتصاد پر ایک انگریزی کتاب کا ترجمہ بھی کر چکے تھے۔ اس کے علاوہ یہ الزام کہ اس موضوع سے انہیں آرنلڈ نے سازش کے تحت دور کر دیا حالاں کہ دیباچہ میں اقبال نے اظہار

تشکر کے ساتھ یہ بھی بتایا کہ ہے کہ

"اس کتاب کے لکھنے کی تحریک "استاذی المعظم حضرت قبلہ آرنلڈ صاحب کی طرف سے ہوئی۔"(۱۹)

جہاں تک ان کی ساعری کا تعلق ہے، اس بارے میں قاضی احمد میاں جونا گڑھی اپنی کتاب "اقبالیات کا تنقیدی جائزہ" میں شاعری کے اعجاز کی بابت لکھتے ہیں۔

"دنیا کے بڑے بڑے مفکرین نے جنھوں نے بنی نوع انسان کو اپنا پیغام دیا ہے عموما شاعری کو اپنا آلہ ء کار بنایا ہے۔ اپنے افکار وخیالات کو دوسروں تک پہنچانے کے لئے (شاعری سے بڑھ کر کوئی دل کش اور پر اثر ذریعہ نہیں ہو سکتا۔) اس نکتہ کو اقبال نے سمجھ کر شاعری کو اپنا ترجمان بنایا۔"(۲۰)

"اقبال کی قرآن دوستی کا جائزہ" میں پروفیسر افتخار حسین شاہ نے کلام اقبال میں قرآن مجید کے متعلق علامہ اقبال کے افکار و نظریات کا جائزہ لیا ہے اور اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ

"ام الکتاب سے شاعر کی عقیدت رسمی اور سرسری نہیں بلکہ ایمان کی صورت اختیار کئے ہوئے تھے ۔ حکیم ملت کو پختہ یقین ہو چکا تھا کہ عصر حاضر میں انسانیت کی نشو و نما کا ضامن صرف قرآن ہے۔"(۲۱)

قرآن مجید کی آیات کو اپنے کلام میں منظوم کرنیکے حوالے سے افتخار حسین شاہ یہ استدلال دیتے ہیں کہ ایسا وہی شخص کر سکتا ہے جس نے قرآن کا بہ غور مطالعہ کیا ہو۔

"کلام اقبال میں تلمیحات" کے عنوان سے پروفیسر افتخار حسین شاہ نے کلام اقبال میں تلمیحات کی نشان دہی کی ہے اور اس میں ان کے علمی وادبی پس منظر کو بھی پیش نظر رکھا ہے۔

پروفیسر افتخار حسین شاہ نے اقبالیات کے حوالے سے نئے اور اچھوتے موضوعات تخلیق کئے ہیں۔ انکا اس سلسلہ کا ایک مضمون "ایمرسن اور اقبال" ہے۔ جس میں انہوں نے ان دونوں شخصیات کے مابین فکری وفنی مماثلتوں کو تلاش کیا ہے۔ علامہ اقبال کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"۱۹۰۵ء تک ایمرسن، لانگ فیلو اور دیگر امریکی مفکرین کی تحریروں کی بدولت امریکہ کے روایت شکن اور اپنی پہنچان کے ترجمان رجحانات سے آشنا ہو چکے تھے۔ اس کا ثبوت "بانگ درا" کے پہلے حصہ میں شامل ایمرسن کی نظموں سے ماخوذ وہ نظمیں بھی ہیں، جن کے عنوانات، "ایک پہاڑ اور گلہری" اور "رخصت اے بزم جہاں" میں "علم الاقتصاد" اور "پیام مشرق" میں امریکہ کے جس قائل ستائش پہلو کی طرف اقبال نے اشارہ کیا ہے میرے خیال میں وہی پہلو ایمرسن کی طرف اقبال کی خاص توجہ کا باعث بنا۔" (۲۲)

اس بارے میں مزید لکھتے ہیں کہ یہ استعماراتی طاقتوں کی سازش تھی کہ اقبال بہ غرض تعلیم امریکہ اور کینیڈا کے بجائے برطانیہ گئے۔

"بیدار مغز اقبال جو ۱۹۰۴ء میں علم الاقتصاد لکھتے ہوئے اپنی اور اپنے ہم وطنوں کی مفلسی کے اصل اسباب سے آگاہ ہو چکا تھا اور اپنے آقاؤں کے استحصالی نظام کو سمجھ چکا تھا، اعلی تعلیم کے حصول کے لئے ان کے زیر اثر رہنے پر مجبور ہوا اور برطانوی اقتدار سے آزاد امریکہ جیسے ملک میں اپنی خواہش کے مطابق نہ جا سکا۔" (۲۳)

اپنے اس مضمون میں افتخار حسین شاہ نے ایمرسن اور اقبال کی شاعری میں بعض فکری مطابقتوں کی بھی نشان دہی کی ہے اور ان کا خیال ہے کہ علامہ اقبال کی ابتدائی شاعری میں ان پر پہلا اور گہرا اثر ایمرسن کا تھا جس کی پیروی میں انہوں نے نظمیں لکھیں اور ان

کی نظموں کے تراجم بھی کئے۔ جمہوریت، خطر پسندی، فطرت، تعلیم اور حسن کے بارے میں ایمرسن کے افکار و مضامین سے اقتباسات کے ساتھ علامہ اقبال کے کلام اور افکار میں ان کی مطابقتوں کا موازنہ کیا ہے۔ اپنے ایک اور مضمون میں "اقبال اور گوئٹے" کے عنوان سے کلام و فکر اقبال پر گوئٹے کے اثرات کا جائزہ لیا ہے اور لکھتے ہیں۔

"اقبال نے بعض ایسے موضوعات پر بھی نظمیں لکھی ہیں، جن پر گوئٹے طبع آزمائی کر چکا تھا مثلاً شاعر اور حور کے موضوع پر۔" (۲۴)

اپنے ایک اور مضمون "اسرار خودی میں ذکر شہ مردان علیؓ" میں علامہ اقبال کی فارسی مثنوی میں حضرت علیؓ کے تذکرے کی بابت لکھتے ہیں،

"اقبال اپنے نظریات کو عملی صورت میں دکھانے کے لئے اسلامی تاریخ کا سہارا لیتے ہیں اور حضرت علیؓ کو ایک روشن مثال کی صورت میں پیش کرتے ہیں۔ یہ انتخاب قابل داد اور لاجواب ہے کیوں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ ہر اعتبار سے نائب حق، انسان کامل، مرد مومن، صاحب عشق اور صاحب خودی کا مثالی نمونہ تھے۔" (۲۵)

افتخار حسین شاہ کی رائے میں اقبال حضرت علیؓ رضی اللہ تعالی عنہ کے بے حد مداح تھے اور کلام میں انکا بار بار تذکرہ کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اقبال بر صغیر جنوبی ایشیاء کے مسلمانوں میں بہادری، جرأت اور شجاعت پیدا کرنے کے لئے اور حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کی مثال پیش کرتے ہیں۔

پروفیسر افتخار حسین شاہ نے اقبالیات کے فروغ میں جو اہم کردار ادا کیا ہے۔ ان میں ان کے مقالات کے علاوہ ایک پہلو اقبالیات پر تحقیق کا بھی ہے۔ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کے بی۔ اے کے نصاب "اقبالیات" میں علامہ اقبال کی نظم "تصویر درد"

کا تعارف اور تشریح کرتے ہوئے اس میں انہوں نے بیدل کے ایک شعر کی نشان دہی کی ہے۔

"دریں حسرت سرا عمر ہیست افسون جرس درام
زفیض دل دتپیدن ھا خروش نے نفس درام"

اس شعر کی تشریح لکھنے سے پہلے اس بات کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ یہ شعر فارسی زبان کے معروف شاعر مرزا عبدالقادر بیدل کا ہے اور کلیات بیدل (۱۳۴۱ھ) کے صفحہ نمبر ۹۱۱ پر موجود ہے اس کے پہلے مصرے میں لفظ حسرت کی جگہ حیرت ہے۔" (۲۶)

اقبالیات پر مضامین میں پروفیسر افتخار حسین شاہ کا اسلوب گہری علمی معنویت کا حامل ہے۔ وہ پر شکوہ الفاظوں کے استعمال سے اپنی نثر کو رنگین بناتے ہیں۔ اپنے مضمون "اقبال حضور رسالت مآب میں" میں لکھتے ہیں،

"علامہ اقبال نے جہاں بعض تشبیہوں، استعاروں، تلمیحوں اور علامتوں کو اپنے کلام میں نئی معنوی زندگی بخشی ہے اور روایات کی کہنگی کو تازگی میں تبدیل کیا ہے وہاں انہوں نے انداز منقبت بھی دوسروں سے مختلف اور جداگانہ اختیار کیا ہے شاعر مشرق نے حضور رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں جہاں بھی عقیدت کے پھول پیش کیے ہیں، محض روایات کی پشت پناہی کے خیال سے نہیں بلکہ اس محبت اور عقیدت کے جذبہ سے سرشار ہو کر کیے ہیں جو انہیں رسول مقبول کی ذات گرامی سے بدرجہ کمال تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ان پھولوں سے جن کو ساعر کی قلبی گہرائیوں نے ترو تازگی بخشی ہے، بے پناہ خلوص وصدق کی خوشبو آتی ہے۔" (۲۷)

افتخار حسین شاہ نے اقبال کی شخصیت کو تاریخی تناظر میں دیکھا ہے اور ان محرکات کا

جائزہ لیا ہے جن کے تحت علامہ اقبال ایک عالم گیر شخصیت کے طور پر برصغیر کے افق پر نمایاں ہوئے۔ افتخار حسین شاہ کے اقبالیات پر مضامین ان کے مطالعہ کی وسعت، فکر کی گہرائی و ندرت کی گواہی دیتے ہیں، انہوں نے اقبالیات کے متنوع موضوعات پر لکھا ہے اور بعض نئے موضوعات کا اضافہ بھی کیا ہے۔ انکی اقبالیات پر تحقیق بھی بعض نئے انکشافات کا باعث ہے جس سے اقبالیات کا دائرہ کار وسیع ہوا ہے۔

جابر علی سید

جابر علی سید ادیب، شاعر اور نقاد تھے، انکی اب تک چھ کتب شائع ہو چکی ہیں، "تنقید اور لبرلزم" (۱۹۸۳ء)، "تنقید و تحقیق" (۱۹۸۷ء)، "لسانی و عروضی مقالات" (۱۹۸۹)، "استعارے کے چار شہر" (۱۹۹۴ء) علامہ اقبال کے فکر و فن پر ان کی دو کتب "اقبال کا فن ارتقاء" ۱۹۷۸ء میں اور دوسری کتاب "اقبال۔ ایک مطالعہ" ۱۹۸۵ء میں طبع ہوئی۔ جابر علی سید کو لفظ کی ماہیت اور عروض سے خصوصی دلچسپی اور دسترس حاصل تھی۔ انہوں نے اپنی کتب میں تنقید کے نظری مباحث سے لے کر اردو ادب کے مقبول شعراء غالب اور اقبال کے فکر و فن کا محاکمہ بھی پیش کیا ہے۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی ان کی تنقید کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں،

"وہ ان نقادوں میں سے تھے جن کا تنقیدی سرمایہ بقامت کہتر مگر رطب ویابس سے پاک ہے اور ایک توازن، وقار اور ٹھہراؤ کی کیفیت لئے ہوئے ہے۔" (۲۸)

"اقبال کا فنی ارتقاء" کا پہلا مقالہ "اقبال اور لفظ و معنی کا رشتہ" ہے یہ مضمون اس سے قبل بھی ملتان یونیورسٹی میگزین "دانائے راز" نمبر ۱۹۷۷ء میں شائع ہو چکا تھا۔ اس

مضمون میں جابر علی سید نے سائنس، فلسفہ اور نفسیات کے تناظر میں لفظ اور معنی کے حوالے سے کلام اقبال میں ان مقالات کی نشان دہی کی ہے۔ جہاں علامہ اقبال نے اسے خوبصورتی سے برتا ہے اور اس طرح اپنی شاعری میں حسن اور نئے معانی پیدا کئے ہیں۔
''سٹینزا اور ہماری شاعری اقبال سے پہلے''۔ میں علامہ اقبال کی شاعری کا جائزہ لیا ہے اور لکھتے ہیں۔

''اگر ہم انگریزی کی ہیت اور تیکنیک کو کسی قدر آزادی اور وسعت دے دیں تو اقبال کی بعض ڈرامائی نظمیں سیٹنزا ٹھہریں گی کان میں مکالمہ ''ابلیس و آدم'' اور ''پیر رومی اور مرید ہندی'' قابل ذکر ہیں۔''(۲۹)

فنی اعتبار سے جابر علی سید نے اقبال سے قبل اور معاصرین اقبال کی شاعری میں اس تکنیک کے استعمال کا جائزہ بھی لیا ہے۔ ''اقبال کا فنی ارتقاء'' اس کتاب کا ایک طویل مقالہ ہے۔ اس میں علامہ اقبال کی شاعری میں موجودہ علامات و استعارات کا تنقیدی جائزہ لینے کے علاوہ جابر علی سید ''زبور عجم'' میں ''نالہ طور'' کی رباعیات کو عروضی طور پر رباعیات نہیں بلکہ قطعات قرار دیتے ہیں، اس بارے میں لکھتے ہیں۔

''اقبال نے جو استثناء، قطعہ اور رباعی کے فرق کے سلسلے میں اختیار کیا ہے اس کی وجہ رباعیات بابا طاہر ہیں، جن میں سے صرف پہلی دو رباعیات ہیں اور بقیہ سب مندرجہ ذیل وزن میں ہیں۔ مفاعلین مفاعلین فعولن، لیکن یہ وزن رباعی کے دائرے سے خارج ہے۔ اس میں صرف تین رکن آرہے ہیں۔ رباعیات بابا طاہر کے اولین مرتب کا نام معلوم نہیں ہوسکا۔ اس کی غلط فہمی نے قطعے اور رباعی کے لازمی فرق کو نظر انداز کر دیا۔''(۳۰)

اس مضمون میں جابر علی سید نے کلام اقبال میں مختلف عناصر اور متنوع تکنیک کے

استعمال کا کھوج نکالا ہے اور اس کی توسیع و تشریح کی ہے۔ نظم ''مسجد قرطبہ'' کے حوالے سے جابر علی سید رقم طراز ہیں،

''مسجد قرطبہ، اقبال کے فنی ارتقاء کا نقطہ معراج ہے۔ اس کا موضوع، ترکیب بندی، آہنگ، وسعت اور تعمیر سب غیر فانی عناصر ہیں، جو یک جا ہو کر ایک بڑے فن پارے کی تخلیق میں برابر کے شریک ہیں۔''(۳۱)

''اقبال کا فنی ارتقاء'' کا ایک اور اہم مقالہ ''اقبال کے تین لہجے'' ہے اس میں انہوں نے اقبال کی شاعری میں مختلف تدریجی ادوار میں علامہ اقبال کی شاعری میں ان کی فکر و فنی ترجیحات کا تعین کیا ہے۔

''اقبال کی شاعری میں ہمیں تین بڑے معنی خیز اور بنیادی لہجے محسوس ہوتے ہیں، نشاطیہ، جو غزلیہ ہے۔ فکریہ جو اس کے فلسفے اور پیغام سے پیدا ہوتا ہے اور حزنیہ جو پہلے دو لہجوں کے مقابلے میں کمزور واقع ہوا ہے۔ لیکن اس کا گہرا احساس اور معنویت پڑھنے والے کو اپنی گرفت میں لے لیتی ہے۔''(۳۲)

''اقبال اور پطرس بخاری'' میں پطرس بخاری کے کلام اقبال پر کیے گئے اعتراض کے جواب میں رقم طراز ہیں،

''ہم قطعی طور پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ پطرس کے اعتراض کی نوعیت کسی نفسیاتی پیچیدگی کا اظہار ہے۔ انانیت یا احساس کمتری یا کوئی ایسا رد عمل جو ''ایک فلسفہ زدہ سید زادے کے نام'' نے پیدا کیا ہو۔ پطرس کو ہم کسی طرح بھی شاعری کا نقاد نہیں کہہ سکتے۔''(۳۳)

''اقبال کا شعری آہنگ'' کے عنوان سے کلام اقبال میں اوزان و بحور کا تنقیدی و توضیحی جائزہ لیا ہے اور کلام اقبال میں اوزان اور بحور کی نشان دہی کی ہے۔

"ھزج زحانی آٹھ رکنی بسر امی۔ مفعول مفاعلین چار بار یہ بسر امی بحروں میں ہے جن کے عین درمیان وقفہ ہوتا ہے جو تفکر اور آہنگ دونوں پہلو رکھتا ہے۔ اقبال نے "بانگ درا" اور "بال جبریل" کی بعض غزلوں میں اسے برتا ہے۔" (۳۴)

اس بحث سے وہ اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ

"اقبال کا شعری آہنگ کامل، متنوع اور بوقلموں ہے۔ اس نے دانستہ طور پر دقیق بحور میں شاعری کرنے سے گریز کیا ہے۔ وہ انحطاطی نہیں انقلابی ہے جو انتہائی شعوری سطح پر موسیقی پیدا کرنیکی کوشش نہیں کرتا بلکہ اپنے شعری آہنگ اور اپنے انقلابی یا تجریدی افکار میں زیادہ مطابقت پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔" (۳۵)

اپنی دوسری کتاب "اقبال ایک مطالعہ" میں جابر علی سید نے متنوع موضوعات کے تحت اقبالیات کا جائزہ لیا ہے اور ایسے موضوعات پر قلم اٹھایا ہے، جن کو اس سے قبل نقادوں نے درخور اعتنا نہ سمجھا۔

"اقبال اور فطرت" اس مجموعہ مقالات کا ایک فکر انگیز اور طویل مضمون ہے، جس میں کلام اقبال میں علامہ اقبال کے فطرت سے تعلق اور اسکے بیان کو موضوع بنایا ہے اور اردو و انگریزی شاعری کی روایت میں اس کو جانچا ہے۔

"بال جبریل" کو "بانگ درا" سے برتر مجموعہ شعری تسلیم کیا جاتا ہے یہ مجموعی طور پر درست ہے۔ لیکن "بانگ درا" کی ایک عظمت جس کا تعلق فطرت نگاری سے ہے وہ "بال جبریل" میں دب کر رہ گئی ہے۔" (۳۶)

"اقبال اور نظریہ حسن" اس کتاب کا ایک اور مقالہ ہے، جس میں جابر علی سید نے کلام اقبال سے اقبال کا نظریہ حسن تشکیل دیا ہے۔

"ہمالہ کے حرکی عناصر (Froticsome) ہوتے ہوئے بھی ایک سنجیدہ اور حیات

آگیں طرز زندگی کے مظہر بنیادی ہیں۔ ان عناصر کی یقینی موجودگی کے باوصف "ہمالہ" جیسی اہم اور رد مک نظم شاعر کے تصور حسن کو محض جزوی طور پر سامنے لا سکتی ہے تاہم یہ بہت بڑی بات ہے کہ "ہمالہ" ہر حال میں اقبال کے آخری اور قطعی نظریے کا اولین سنگ میل ہے۔" (۳۷)

اپنے ایک اور مضمون "اقبال اور ذوق استفسار" میں فکر اقبال میں جنم لینے والے کائنات مذہب اور انسان کے بارے میں سوالات کے بین السطور اقبال کا زاویہ نظر اور سوچ کی عکاسی کی گئی ہے۔ اقبال ایک فلسفیانہ ذہن اور پس منظر رکھتے تھے۔ کلام اقبال میں بہت سے اسے اشعار ہیں جہاں علامہ اقبال کا ذوق جستجو اور فکر ان معانی کی تلاش کے لئے کوشاں ہے۔ جو فلسفہ میں بھی انہیں درپیش تھے۔

"اقبال کی استفساریت بو قلموں ہے اور مختلف مواقع پر مختلف نوعیتیں رکھتی ہے۔ ان نوعیتوں میں مابعد الطبعی تجسس ہمیشہ غالب اور نمایاں رہا ہے۔" (۳۸)

"مثنویات اقبال اور الہلال" اس کتاب کا ایک اہم مضمون ہے، جس میں تاریخی حوالوں اور کلام اقبال کا تجزیہ کرنے کے بعد "الہلال" کے ناظم فضل الدین احمد مرزا اور مدیر "الہلال" ابو الکلام آزاد کی جانب سے اقبال کی مثنوی اسرار و رموز کو اپنے صحیفے کے آفتاب کا مطلع انوار قرار دینے کی کوشش کو رد کیا ہے اور علامہ اقبال کی شاعری کے حوالے سے انکی مثنویوں کو انکے شاعرانہ ارتقاء کا حصہ بنایا ہے۔

جابر علی سید نے اپنی دونوں کتب میں مشرقی اور مغربی تنقیدی شعور کو یکساں طور پر پیش نظر رکھتے ہوئے تقابلی انداز میں فکر اقبال کا تجزیہ و تشریح کی ہے۔ یہ مقالات ان کے گہرے تنقیدی شعور اور اقبالیات میں دسترس کے آئینہ دار ہیں۔ جابر علی سید نے زیادہ ترہیت اور متن کے حوالے سے تنقید کی ہے اس لئے انکی تنقید ہیتی تنقید کے

زمرے میں آتی ہے۔ اپنے ایک مضمون ''کلام اقبال میں صنائع کے عناصر'' میں جابر علی سید نے کلام اقبال میں صنائع بدائع کا جائزہ لیا ہے، وہ لکھتے ہیں،

''صنائع کے بعض عناصر اقبال کے ہاں اس اسلوب اور نہج پر ملتے ہیں کہ ان کو ٹینی سن جیسے جامع شاعر کے ساتھ شمار کر سکتے ہیں۔''(۳۹)

اس مضمون میں اردو شاعری کی تاریخ میں عناصر شعری کا سراغ لگاتے ہوئے کلام اقبال کے ان عناصر کو اجاگر کیا ہے، مراۃ النظیر کے تحت لکھتے ہیں کہ اقبال کے ان اشعار میں مراۃ النظیر کی جلوہ آرائی ہے۔

''اٹھائے کچھ ورق لالے نے کچھ نرگس نے کچھ گل نے
چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری
اڑالی قمریوں نے طوطیوں نے عندلیبوں نے
چمن والوں نے مل کر لوٹ لی طرز فغاں میری

نشان زدہ الفاظ سے مراۃ النظیر پیدا ہوتی ہے۔''(۴۰)

''صنعت ترصیع'' کے عنوان سے لکھتے ہیں۔

''ترصیع کے لغوی معنی موتی ٹانکنا ہیں، کلام میں نثر ہو یا نظم مقررہ وقفے کے ساتھ ہم قافیہ الفاظ اس طرح لائے جائیں کہ آہنگ کی ایک سامعہ نواز صورت پیدا ہو جائے۔ اقبال کے ہاں دوسری صنائع کی طرح یہ بھی شعوی طور پر پیدا نہیں کی جاتی بلکہ محض اتفاق سے معرض وجود میں آجاتی ہے۔

دیکھ چکا المنی، شورش اصلاح دین
جس نے نہ چھوڑے کہیں نقش کہن کے نشان

المنی، دین اور کہیں مل کر ترصیع بنا رہے ہیں۔''(۴۱)

ایک اور صنعت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جابر علی سید لکھتے ہیں،

''عکس و تبدیل میں مصرعے کے بعض اجزاء الٹ دیئے جاتے ہیں، جس سے ایک مخصوص لطافت پیدا ہوتی ہے۔

اقبال کبھی کبھی اس صنعت کو دل فریب اسلوب سے پیدا کرتے ہیں۔

جب سے چمن چھٹا ہے یہ حال ہوگیا ہے
دل غم کو کھا رہا ہے، غم دل کو کھا رہا ہے'' (۴۲)

مضموں کے آخر میں جابر علی سید علامہ اقبال کے کلام کا مجموعی تجزیہ پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''اقبال علم عروض کے ماہر یا نقاد نہیں لیکن وہ عروض کی عمارت کو وسعت اور رنگ دے سکتے ہیں، بحور کی فراوانی اور آہنگ کے Patterns کی دل پذیری میں وہ اردو، فارسی، عربی کی زبان کے کسی شاعر سے پیچھے نہیں۔ اقبال نے متداول اور مقبول اور مطبوعہ بحروں کے علاوہ بعض نئی بحریں بھی ایجاد کی ہیں۔ نیز بعض نامقبول اور بظاہر بد آہنگ بحروں کو اپنے حسن افکار اور جمال ہیئت سے ایک بار پھر زندہ کر دیا ہے۔'' (۴۳)

اقبالیات میں جابر علی سید کی یہ موشگافیاں اقبالیات کے دامن کو وسیع تر کرنے کی اہم کوشش قرار دی جاسکتی ہیں۔ جابر علی سید نے اپنی تحریروں میں علامہ اقبال کے فکر و فلسفہ کے ہی بعض پہلوؤں کو عیاں نہیں کیا بلکہ علم عروض کے حوالے سے اقبالیات کے ایک تشنہ طلب موضوع پر بھی طبع آزمائی کی ہے۔ ان کا اسلوب اور تکنیک ان کے عالمی ادب اور مشرقی و مغربی تنقید کے گہرے شعور سے عبارت ہے۔ اس اعتبار سے وہ اقبالیات کے ایک اہم شارح اور نقاد قرار پائے ہیں، جن کا اقبالیات میں سرمایہ تخلیق بے حد کم ہے لیکن معیار اور اہمیت کے لحاظ سے اہم تر ہے۔

اسلم انصاری

اسلم انصاری ادیب، شاعر اور نقاد ہیں، انکا ابتک ایک شعری مجموعہ "خواب و آگہی" طبع ہوا ہے۔ اس کے علاوہ پچاس کے قریب تحقیقی و تنقیدی مقالات جن کا ایک بڑا حصہ علامہ اقبال کے فکر و فن پر مبنی ہے۔ اخبارات و جرائد میں چھپ چکے ہیں۔

اسلم انصاری کا اقبالیات کے حوالے سے پہلا مضمون "اقبال اور فنون لطیفہ" ہفت روزہ "جرس" ملتان میں جولائی ۱۹۵۹ء کو طبع ہوا۔ اس مضمون کو آل پاکستان مقابلہ میں پہلا انعام ملا تھا۔ ۱۹۶۲ء میں پنجاب یونیورسٹی کی طلباء یونین کے زیر اہتمام یوم اقبال منایا گیا۔ اسلم انصاری جو اس وقت اورینٹل کالج کے طالب علم تھے، ان کے مقالہ "مسجد قرطبہ۔ ایک تجزیاتی مطالعہ" کو ادبی مباحثہ میں اول انعام ملا۔ مصنفین میں ڈاکٹر محمد باقر، سید وقار عظیم اور سید نذیر نیازی کے نام شامل تھے، ۱۹۸۷ء میں اسلم انصاری کی علامہ اقبال کے فکر و فن پر مبنی ایک کتاب "اقبال۔ عہد آفریں" شائع ہوئی، یہ انکے سترہ مقالات کا مجموعہ ہے، جو مختلف اخبارات و رسائل میں چھپ چکے ہیں۔

اس کتاب میں اسلم انصاری نے اقبالیات کی مختلف جہتوں کو اپنے مقالات کا موضوع بنایا ہے۔ ان کی اس کتاب کے بارے میں ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"اسلم انصاری اقبال کے مداح ہیں اور اسلامی تاریخ و تفکر کا وہ شعور رکھتے ہیں۔ جو اقبال کی شاعری کو سمجھنے کیلئے ضروری ہے یہ مضامین علامہ سے انکی گہری وابستگی کے ساتھ اقبال کی شاعری اور متعلقہ علوم کے وسیع مطالعہ کا ثبوت ہوں۔" (۴۴)

اسلم انصاری نے ان مضامین میں فکر اقبال کی تفہیم کے لئے تاریخ، فلسفہ اور نفسیات سے استفادہ کیا ہے۔ کتاب ترتیب اور معنوی خصوصیات کی بنیاد پر اقبالیاتی ادب میں

ممتاز مقام کی حامل ہے۔ کتاب کے موضوعات میں تنوع ہے اور وہ منطقی اعتبار سے کتاب کے عنوان ''اقبال۔ عہد آفریں'' کو درست ثابت کرتے دکھائی دیتے ہیں کہ اقبال بلاشبہ اپنی ہمہ جہت علمی وادبی شخصیت کی بنیاد پر عہد آفریں تھے۔ علامہ اقبال کی نظم گوئی کے بارے میں تبصرہ کرتے ہوئے کتاب کے ابتدائی مقالہ ''اقبال۔ عہد آفریں'' میں لکھتے ہیں،

''نظم جو اقبال سے پیشتر ایک حرف سادہ تھی۔ اقبال کے جوہر تخلیق کی بدولت ایک ایسا نغمہ بن گئی، جس میں حیات وکائنات کی کئی صداقتوں کو سمو دیا گیا تھا۔ اقبال نے نظم کو خط مستقیم کا مسافر ہونے کے بجائے نغماتی تحرک اور آہنگ کے خم وپیچ سے آشنا کیا اور نظم کو ایک بیج کی طرح نقطہ آغاز سے، بڑھنا اور پھولنا سکھایا، اردو نظم پہلی بار اقبال ہی کے ہاں ایک نامیاتی وحدت کے طور پر رونما ہوئی۔ جس میں تعمیراتی وحدت کا حسن بھی موجود ہے۔'' (۴۵)

''اقبال کی بیانیہ شاعری''، ''اقبال اور عشق رسول''، ''اقبال کا تصور تاریخ'' میں اسلم انصاری نے ان عنوانات کی نئی معنویت کو اجاگر کیا ہے۔ ''اقبال کا لفظی تخیل'' میں اقبال کے کلام کی روشنی میں ان کی لسانی اختراعات پر بحث کی ہے اور ایسی علامات واستعارات کو نمایاں کیا ہے جو کلام اقبال میں نادر اور انفرادیت کے حامل ہیں۔ ''اقبال کی شاعری میں ڈرامائی عناصر'' کے عنوان سے کلام اقبال میں ڈرامہ کے اجزاء اور ان سے مطابقت کو تلاش کیا ہے اور لکھتے ہیں،

''اقبال کے ہاں ڈرامائی عناصر جس واضح، مکمل اور معنی خیز صورت میں نظر آتے ہیں، اس سے سوائے اس کے اور کوئی نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا کہ اقبال نے انہیں اپنے فنی مقاصد کی تکمیل کے لئے کامل فنی شعور کے ساتھ استعمال کیا ہے۔'' (۴۶)

اس مجموعہ کا ایک اور قابل قدر مقالہ ''شاعر مشرق اور عبد الرحمان چغتائی'' ہے، جس میں فن مصوری کے جملہ لوازمات کے علاوہ چغتائی کی پیش کش فکر اقبال کی مصورانہ عکاسی پر سیر حاصل بحث کی ہے، اپنے ایک مضمون ''ہمالہ۔ نظم یا کسی طویل نظم کا ابتدائیہ۔ایک تجزیاتی مطالعہ'' میں انہوں نے جدت طرازی سے کام لیتے ہوئے اس نظم کی نئی معنویت اور طرز احساس کو اجاگر کیا ہے۔

''نظم ہمالہ کا سارا معنوی تارو پود اس امکان کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ یہ صرف ایک نظم کے طور پر نہیں بلکہ کسی طویل نظم کے ابتدائیے کے طور پر لکھی گئی تھی۔'' (۴۷)

کتاب کے آخری مقالہ ''اقبال شخص اور شخصیت'' ایک نظر میں'' کے عنوان سے اقبال کے کلام اور مکتوبات کی روشنی میں علامہ اقبال کی شخصیت کا جائزہ لیا ہے۔

''مولانا روم کے بعد اسلامی تمدن کے سب سے بڑے شاعر ہیں، لیکن اپنے آپ کو شاعر کہنے اور کہلانے سے گریزاں تھے۔ وہ واقعی ایک انوکھے انسان تھے۔ انوکھے اور نادر الظہور اردو شاعری نے ان سے بڑا انقلاب آفریں اور تاریخ ادب نے ان سے بڑا عہد آفریں شاعر ابھی تک نہیں دیکھا۔'' (۴۸)

اسلم انصاری کے ان مضامین میں علامہ اقبال ایک ایسی علمی و فکری تحریک کے طور پر ابھرتے ہیں جو مسلمانوں کے لازوال ماضی کو اپنے اندر سموئے ہوئے ایک نئے مستقبل کی نوید دیتی ہے۔ جس میں عصر حاضر کے مسلمانوں کے ذہنی و فکری اور سیاسی مسائل کا حل موجود ہے۔ ایک اور مضمون ''اقبال کی مستقبل پسندی تاریخی اور علمی تناظر میں'' میں اسلم انصاری نے فیوچر ازم کی تحریک کا فکر و کلام اقبال میں مطابقت واثرات کا جائزہ لیا ہے، وہ لکھتے ہیں،

''بیسویں صدی میں برصغیر کے مسلمانوں کے لئے اور عصر حاضر میں پوری امت

مسلمہ کے لئے اقبال کی مستقبلیت نے ایک تاریخ ساز کردار ادا کیا "خضر راہ" ان کی پہلی بڑی نظم ہے، جس میں انکی مستقبلیت کے نقوش پوری طرح اجاگر ہوئے جس میں ایک جدید کاسمولوجی متشکل ہوتی دکھائی دیتی ہے۔" (۴۹)

ان مقالات میں اسلم انصاری کا اسلوب علمی، تحقیقی اور شاعرانہ دل کشی کا حامل ہے۔ انہوں نے خالص علمی و فلسفیانہ بنیادوں پر ان موضوعات کی تعبیر و تفہیم کی ہے اور کلام اقبال کی ہیت اور اسلوب کے علاوہ فکر اقبال کی نئی معنویت دریافت کرنے کی سعی کی ہے۔

اپنی معنویت اور اہمیت کے لحاظ سے یہ مقالات تخلیقی تنقید کے زمرے میں آتے ہیں اور ملتان میں اقبال شناسی کی روایت کو مستحکم تر کرتے ہیں۔ اسلم انصاری کی کتاب "اقبال عہد آفرین" بلاشبہ اقبالیات کے سلسلے میں ایک خاصے کی چیز ہے اور اول درجے کی تحقیقی و تنقیدی کاوش ہے، جسے بڑے اعتماد کے ساتھ تحقیقی و تنقیدی معیار کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے۔ اسلوب احمد انصاری "اقبال عہد آفریں" کے بارے میں تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں،

"اقبال عہد آفریں، اقبال پر تنقید میں ایک قابل قدر اضافہ ہے اور مصنف کی وسعت نظر اور فکرو تامل کی صلاحیت پر دال ہے۔ اس میں تعمیمات سے حتی الامکان پرہیز کیا گیا ہے۔ یہ کتاب یقیناً اس لائق ہے کہ اقبال کی شاعری کی رسیا اور اس کے سنجیدہ اور ذمہ دار مطالعے کے شائقین اسے غور سے پڑھیں اور اس کے مطالب کو گرفت میں لاکر اقبال شناسی کی سمت قدم آگے بڑھائیں۔" (۵۰)

عاصی کرنالی

پروفیسر عاصی کرنالی شاعر اور ادیب ہیں، انھوں نے اپنی شاعری میں علامہ اقبال کو خراج عقیدت پیش کیا ہے اور نثر میں بھی اقبالیات پر مقالات تصنیف کئے ہیں۔ اس کے علاوہ ریڈیو پاکستان ملتان پر علامہ اقبال کے بارے میں متعدد پروگراموں میں شرکت کر چکے ہیں۔ علامہ اقبال کے فکر و فن پر انکا پہلا مضمون مجلّہ ''فنون'' لاہور ،اقبال نمبر، دسمبر ۱۹۷۷ء میں ''اقبال اور نئے انسان کی تلاش'' کے عنوان سے شائع ہوا ہے جب کہ یہی مضمون ان کی کتاب ''چراغ نظر'' میں ''اقبال اور آدم اور آدم نو کی تلاش'' کے عنوان سے شامل اشاعت ہے۔ اس مضمون میں عاصی کرنالی نے قرآن میں انسان کے تصور اور اقبال کی شاعری میں تصور انسان کا موازنہ کیا ہے اور اقبال کی شاعری میں تصور انسان کا موازنہ کیا ہے اور اقبال کی شاعری میں انسان کامل کے تصور کا جائزہ بھی لیا ہے، وہ لکھتے ہیں،

''حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم انسان کامل ہیں۔ وہ کمال کے اس انتہائی مقام پر فائز ہیں، جس سے زیادہ کمال ممکن نہیں۔ خدا اب ویسا انسان پیدا نہیں کرے گا۔ یہاں تکرار کا سوال ہی نہیں۔ اب اقبال کو کس آدم نو کا انتظار ہے؟ ظاہر ہے کہ اس کا جو اس انسان کامل کی سیرت عظیم کا پر تو قبول کرے گا۔'' (۵۱)

عاصی کرنالی اپنے ایک اور مقالہ ''اقبال کا تصور ثقافت'' میں لکھتے ہیں،

''مسلم ثقافت کی اساس عقیدہ توحید و رسالت پر ہے۔ جو اسے ساری ثقافتوں سے ممیّز کرتی ہے۔ اس کے محسوسات اور مظاہر کے ہر نقش میں حضور پاک علیہ السلام کا اسوۂ حسنہ اور صحابہ کرام کا عمل جلوہ ریز رہا اور اس کے مرکزی نقوش دین سے حاصل کئے گئے، اقبال کی فکر اور نثری و شعری تخلیقات کا مطالعہ ہمیں اس نتیجہ پر پہنچاتا ہے کہ

اقبال اس ثقافت کے داعی تھے۔" (۵۲)

"اقبال اور عصر جدید" کے عنوان سے عصر حاضر کی ادبی و ثقافتی اور سیاسی تحریکوں کا جائزہ لیا ہے اور اقبال کے فکر و فلسفہ کو ان تحریکوں کے تناظر میں دیکھا ہے، وہ لکھتے ہیں۔

"فلسطین کا مسئلہ اپنے تمام اسباب و عوامل کے ساتھ ان کی فکر پر روشن تھا۔ اصل میں علامہ اقبال ملت اسلام کی زبوں حالی اور زوال اخلاق و حکومت اور انحطاط وادبار میں جہاں خود ملت کی بے حسی اور بے علمی کا شکوہ کرتے ہیں وہاں اسلام دشمنی مغربی اقوام اور خصوصاً یہود کی رویاہی اور ریشہ دوانی کو اس کا سبب قرار دیتے ہیں۔" (۵۳)

ان مضامین سے عاصی کرنالی کا علمی اسلوب اور اقبالیات میں گہری دسترس کا اندازہ ہوتا ہے۔ "اقبال اور نوجوان" کے عنوان سے علامہ اقبال کی شاعری میں نسل نو کے لئے پیغام کو عیاں کیا ہے۔ تعلیم کی غرض وغایت کے بارے میں علامہ اقبال نے اپنی شاعری میں جو کچھ کہا اس کو عاصی کرنالی اپنے الفاظ میں یوں بیان کرتے ہیں،

"اقبال کی شاعری اور نظام فکر کی یہ خوبی ہے کہ وہ کسی غلط بات پر حرف تنقید یا نکتہ چینی ہی نہیں کرتے بالکہ متبادل صورت تجویز کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک وہی تعلیم درست ہے جو نوجوانوں کو خدا اور رسول سے وابستہ رکھے، جو قرآن ان کے قلب میں اتارے جو انکو اعلیٰ مقاصد کے لئے تیار کرے، جو ان کے ذہن کو سطحی گھٹیا اور مادی خواہشوں سے بلند کر کے بلند تر اخلاقی اور روحانی صفات سے وابستہ کرے، جو ان میں ذوق تخلیق اور جذبہ تحقیق کو ابھارے۔" (۵۴)

عاصی کرنالی علامہ اقبال کے اشعار کی مدد سے تجزیاتی انداز اپناتے ہوئے علامہ اقبال کے افکار کو اپنے مضامین کا موضوع بناتے ہیں۔ انکے مضامین کا ایک خاص پہلو

اقبالیات کے وہ موضوعات ہیں جن کا عملی زندگی میں اطلاق بھی ہوتا ہے اس طرح وہ فلسفہ اقبال کو براہ راست زندگی سے منطبق کرتے ہیں تاکہ آج کا انسان ان سے استفادہ کر سکے۔

اپنے ایک مضمون ''اقبال کا تصور جنت'' میں پروفیسر عاصی کرنالی نے ایک نیا انداز اپنایا ہے، وہ تصور اقبال کو اپنے دام خیال میں لاکر ان کے جنت کے بارے میں تصورات کو انکے کلام کے حوالے سے بیان کرتے ہیں۔

''آسمانوں پر ایک دن اس فراق زدہ حور نے اپنی سہیلیوں سے پوچھا ''وہ آدم زاد ہماری جنت میں کب آئے گا؟'' ایک گرم و سرد زمانہ چشیدہ حور نے اداس لہجے میں کہا وہ کبھی نہیں آئے گا کیوں کہ اس نے اپنی جنت خود تعمیر کرلی ہے بلکہ اب تو وہ زمین پر دوسرے آدم زادوں کو بھی یوں کہہ کہہ کر بہکا رہا ہے۔

یہیں بہشت بھی ہے ، حور و جبریل بھی ہے
تری نگاہ میں ابھی شوخی نظارہ نہیں (۵۵)

۸۷ ـ ۱۹۷۷ء میں ملتان یونیورسٹی کے میگزین ''دانائے راز نمبر'' میں عاصی کرنالی کا ایک مضمون بعنوان ''اقبال کی برکتیں'' شائع ہوا ہے، یہ ان حضرات کے بارے میں گہرا طنز ہے جو اقبال کے نام سے محبت کا دعوی تو کرتے ہیں لیکن فکر اقبال سے انہیں کوئی سروکار نہیں اور وہ اسے صرف کاروبار بنائے بیٹھے ہیں۔ اس مضمون میں ایسے ہی ایک کردار مولوی عبدالصمد کی کہانی بیان کی ہے۔ مولوی عبدالصمد کی زبانی لکھتے ہیں۔

''مولوی عبدالصمد خاں نے فخر سے اپنی گنجی چندیا کھجاتے ہوئے کہا۔ مجھے اقبال سے بڑی عقیدت ہے، وہ میرے محسن ہیں، میرے رزاق ہیں۔ انہوں نے میرا گھر بھر دیا۔ میں انکا معتقد ہوں میاں میں نے اظہار عقیدت کے طور پر اپنے سب بچوں کے نام

ان کی تصانیف پر رکھ دیئے ہیں، ضرب کلیم چھٹی میں پڑھتا ہے۔ بی بی زبور عجم دوسری کی طالبہ ہے۔ پیام مشرق گھڑی ساز کی دوکان پر کام سیکھ رہا ہے۔ بال جبریل قرآن حفظ کر رہا ہے۔ اسرار خودی کالج میں زیر تعلیم ہے بلکہ میں نے پری خانم کا یعنی غفورن بی بی کا نام بانگ درا رکھ چھوڑا ہے۔" (۵۶)

عاصی کرنالی کا اقبالیات میں یہ نثری سرمایہ انکے اقبالیات پر اشعار کے مقابلے میں بے حد کم ہے لیکن اہمیت کے لحاظ سے اس سے فزوں تر ہے۔ اس لئے کہ عاصی کرنالی کے ان مضامین میں خیالات و نظریات کا تنوع نظر آتا ہے۔ عاصی کرنالی کی نثر عام فہم اور سادہ ہے۔ وہ ادب کے صوری اور جمالیاتی پہلوؤں کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔

عاصی کرنالی کے ان مضامین میں علامہ اقبال ایک عظیم اسلامی مفکر کے طور پر ابھرتے ہیں، جنکے فکر و فلسفہ میں عصر حاضر کے مسلمانوں کے تمام مسائل کا حل پنہاں ہے۔

ڈاکٹر اے بی اشرف

ڈاکٹر اے بی اشرف ادیب اور نقاد ہیں، انکی اب تک متنوع موضوعات پر آٹھ کتاب اور ستر کے قریب مقالات چھپ چکے ہیں، ڈرامہ اور افسانہ ان کی تنقید کے بنیادی موضوعات ہیں۔ بحیثیت نقاد ڈاکٹر اے بی اشرف ادب کے فنی پہلو کو بڑی اہمیت دیتے ہیں اور ضروری خیال کرتے ہیں کہ ادب کو کلچر اور تہذیب کی ترقی میں مدد دینی چاہئے۔ اس طرح وہ ادب کو سیاسیات، اقتصادیات اور معاشیات سے وابستہ کر دیتے ہیں۔

ان کے اقبالیات کے سلسلے میں اب تک مندرجہ ذیل مضامین مختلف اخبارات ورسائل میں چھپ چکے ہیں۔

"افکار اقبال پر فلاسفہ اسلام کے اثرات" (مجلہ سیپ، کراچی، دسمبر ۱۹۸۳ء) "اقبال

اور معاشرتی اقدار" (پندرہ روزہ آہنگ، کراچی، مئی ۱۹۸۵ء)، "روڈولف پان وچ اور اقبال" (مجلّہ اوراق، لاہور نومبر، دسمبر ۱۹۸۷ء)، "اقبال اور ترکمان سخت کوش" (ماہنامہ ماہ نو، لاہور اپریل ۱۹۹۰ء) انکے علاوہ ڈاکٹر اے بی اشرف نے اقبال اور قائداعظم کے نام سے ملتان یونیورسٹی میں ۱۹۷۷ء میں منعقد سیمینار کے مقالات کو بہ تعاون عرش صدیقی مرتب کیا ہے اور ماہر اقبالیات ڈاکٹر این میری شمل کے لیکچرز کو جو کہ انہوں نے وقتاً فوقتاً ملتان یونیورسٹی میں دیئے انکو "لیکچرز آن اقبال" کے نام سے ۱۹۸۰ء میں مرتب کیا۔ ۱۹۸۸ء میں ان کی دو کتب "میر، غالب اور اقبال" اور "غالب اور اقبال" شائع ہوئیں، جن میں علامہ اقبال کے فکروفن پر درج ذیل مضامین طبع ہوئے ہیں۔

غالب اور اقبال کا تقابلی مطالعہ، فلسفہ اقبال اور اس کے ماخذ، مسجد قرطبہ، اقبال کی شاہکار نظم، معروضی رشتوں کا شاعر، اقبال کا نظریہ خیر وشر، اقبال کا نظریہ تعلیم، تنقید اقبال کی ایک نئی جھلک، روڈولف پان وچ اور اقبال۔

ڈاکٹر اے بی اشرف کا اسلوب نہایت واضح اور سادہ ہے اور استدلال کے ساتھ منطقی انداز میں کسی تخلیق کا تجزیہ کرتے ہیں لیکن ان کی تنقید میں ان کے ترقی پسندانہ نظریات کی جھلک بھی صاف نظر آتی ہے۔ "غالب اور اقبال کا تقابلی مطالعہ" کے حوالے سے لکھتے ہیں،

"میرے مطالعے کا مرکزی نقطہ یہی ثابت کرنا تھا کہ دونوں شاعروں کا شعری تناظر، تخلیقی ہدف، موضوعات ومضامین اور نقطہ ہائے نظر مختلف اور متبائن تھے، اپنے آدرش اور ہدف مقاصد کے اعتبار سے اقبال غالب سے آگے تھے۔" (۵۷)

علامہ اقبال کی شاعری کسی بھی دور میں حریت فکر اور جدوجہد آزادی کے حوالے سے

دنیا بھر کی اقوام کے لئے منشور کی حیثیت رکھتی ہے اور ان کے اردو اور فارسی کلام میں متعدد مقامات ایسے ہیں جہاں عام قاری کے شاعرانہ ذوق کا سامان موجود ہے اس لئے ڈاکٹر اے بی اشرف کی اس رائے سے اختلاف ممکن ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

"دراصل اقبال ایک مخصوص قوم اور ملت کے شاعر بن کر رہ گئے۔ ان کا آدرش اس قدر عظیم اور مرعوب کن تھا کہ عام انسانی محسوسات اس سے متحرک نہ ہو سکتے تھے۔ وہ بحیثیت مجموعی ایک قوم کو تو متحرک کر سکتے تھے لیکن عام انسانی جذبوں کو ان کا فلسفہ اپیل نہیں کرتا۔ انکا فلسفہ ماورائیت اور مابعد الطبیعاتی مسائل اور مراحل سے پر ہونے کی بناء پر بوجھل ہو کر رہ گیا۔" (۵۸)

اپنے ایک اور مضمون "اقبال کا نظریہ تعلیم" میں اقبال کے فلسفہ تعلیم کو عصر حاضر کے تعلیمی مسائل کے ساتھ منطبق کر کے دیکھتے اور اپنی رائے قائم کرتے ہیں۔

"تاریخ قومی روایات کی محافظ تہذیب و ثقافت کی امانت دار اور اسلاف کے کارہائے نمایاں کی نگہبان ہوتی ہے۔ اس لئے اقبال تاریخی روایات کو تعلیم کے ذریعے محفوظ کر لینے اور انہیں نئی نسل تک منتقل کرنے کو بڑی اہمیت دیتے ہیں لیکن ہمارے یہاں ہر سطح پر نصاب ناقص اور ناموزوں ہے دوسری اقوام کے مقلد ہیں۔" (۶۹)

"فلسفہ اقبال اور اس کے ماخذ" اس کتاب کا سب سے وقیع مقالہ ہے، جس میں ڈاکٹر اے بی اشرف نے تاریخی حالات وواقعات کے تناظر میں علامہ اقبال کے فلسفہ خودی کے نقوش کو تلاش کیا ہے۔ اپنے ایک مقالہ، "اقبال اور ترکمان سخت کوش" میں ترک عوام اور ان کے رہنما کمال اتاترک کی مداح میں علامہ اقبال نے اپنے اردو اور فارسی کلام میں جو کچھ لکھا اس کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ آج کا ترکی اقبال کی تمناؤں اور آرزوؤں کی صورت میں ڈھل چکا ہے اور ان کے بارے میں اقبال جو خواب دیکھتے

تھے، آج وہ جذبے امنگیں اور تعمیر و ترقی ترکی قوم میں جاری و ساری نظر آتی ہے۔ بہ اعتبار مجموعی ڈاکٹر اے بی اشرف کے یہ سب مضامین اقبالیات کے مطالعہ میں ایک نئی جہت کا اضافہ کرتے ہیں اور ان میں اظہار و ابلاغ کی خوبی بھی موجود ہے۔ ڈاکٹر اے بی اشرف کی تنقید میں علامہ اقبال بیسوی صدی کے ایک ایسے شاعر اور مفکر کے طور پر ابھرتے ہیں جنکا فکر و فلسفہ قابل عمل اور عصر حاضر کی ضرورت بھی ہے۔

ڈاکٹر انوار احمد

ڈاکٹر انوار احمد افسانہ نگار، ڈرامہ نویس اور نقاد ہیں، ان کی اب تک تین کتب "اردو افسانہ تحقیق و تنقید"، "خواجہ فرید کے تین رنگ" اور "تحریک پاکستان میں علامہ اقبال کا کردار" چھپ چکی ہیں۔ اس کے علاوہ پچاس کے قریب تنقیدی و تحقیق مقالات ملک کے مقتدر اخبارات و جرائد میں چھپے ہیں۔ اقبالیات کے حوالے سے ان کے دو مقالات "اقبال کا تصور ابلیس" ملتان یونیورسٹی میگزین ۱۹۷۷ء اور "ڈاکٹر علی شریعتی اور اقبال کے ذہنی روابط" (مجلّہ دانش، اسلام آباد، شمارہ نمبر ۳۲) طبع ہوئے ہیں۔
ڈاکٹر انوار احمد کی تخلیق اور تنقید معاشرے میں طبقاتی کشمکش اور اس سے جنم لینے والے حالات و واقعات سے عبارت ہے۔ وہ ادب کے مقصدی ہونے کے قائل ہیں اور ان کے خیال میں اس مقصد کی نوعیت سماجی ہونی چاہئے۔ اقبالیات میں بھی ان کی تحریروں میں یہی نقطہ نظر حاوی نظر آتا ہے۔
ڈاکٹر انوار احمد کا علامہ اقبال کے فکر و فن پر پہلا مضمون "اقبال کا تصور ابلیس" ملتان یونیورسٹی میگزین ۱۹۷۷ء میں طبع ہوا۔ اس میں انہوں نے علامہ اقبال سے قبل مسلم مفکرین کے افکار میں تصور ابلیس سے بحث کی ہے اور اس کا موازنہ اقبال کے تصور

ابلیس سے کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں،

''اقبال کا نقطہ نظر بھی یہی ہے کہ خالق کائنات کے روبرو حکم عدولی کا جواز ابلیس کے نزدیک عقلی اور استدلالی ہے اور پھر انسان کو جنت سے نکالنے سے لے کر اس دنیا میں دام تزدیر پھیلانے تک ابلیس کی زیرکی کار فرما ہے۔ ''ابلیس کی مجلس شوری'' ابلیس کی شخصیت کے اس پہلو کی مظہر ہے۔''(۶۰)

۱۹۹۳ء میں ڈاکٹر انوار احمد کی علامہ اقبال پر کتاب ''تحریک پاکستان میں علامہ اقبال کا کردار'' منظر عام پر آئی۔ اس موضوع پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے لیکن یہ کتاب اس لحاظ سے منفرد حیثیت کی حامل ہے کہ اس میں معروضی انداز میں تحریک پاکستان میں علامہ اقبال کے سیاسی کردار کو حقیقت اور واقعیت کے آئینہ میں اجاگر کیا گیا ہے۔ یہ ایک تحقیقی کاوش ہے۔ ہر باب کے آخر میں حوالہ جات کا خاص طور پر اہتمام کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر انوار احمد نے اس موضوع پر مستند کتب سے استفادہ کرتے ہوئے اس موضوع پر تمام اہم مواد کو اس کتاب میں جمع کر دیا ہے۔

خطبہ الہ آباد کا تجزیہ کرتے ہوئے، ڈاکٹر انوار احمد نے جو فکری و فنی سوالات اٹھائے ہیں، وہ اقبالیات میں نئے موضوعات اور بحث کا باعث ہوں گے، وہ لکھتے ہیں۔

۱۔ بر صغیر میں اقبال کی توجہ کا مرکز شمال مغرب کے مسلمان رہے ہیں۔ بنگالی مسلمانوں کی فکری اور سیاسی بیداری سے اقبال بہت زیادہ انسیت محسوس نہیں کرتے ہیں۔

۲۔ مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے بعد موجودہ پاکستان کا جغرافیائی نقشہ وہی ہے جو اقبال کی مجوزہ ریاست کا ہے۔''(۶۱)

کتاب میں خطبہ الہ آباد کا اردو متن اور ضمیمہ میں علامہ اقبال کے قائد اعظم کے نام خطوط بھی دیئے گئے ہیں۔

اپنے ایک اور مقالہ ''ڈاکٹر علی شریعتی اور اقبال کے ذہنی روابط'' میں ڈاکٹر انوار احمد یہ موقف رکھتے ہیں کہ انقلاب ایران میں ایک فکری کردار علامہ اقبال کا بھی ہے، اپنے دعوے کی مزید سچائی کے لئے ڈاکٹر انوار احمد مفکر انقلاب ایران علی شریعتی کی کتاب ''ما و اقبال'' اور ایران کے ایک باغی شاعر محمد یگانہ آرائی کا بھی حوالہ دیتے ہیں، جس نے جلاوطنی میں اپنا مجموعہ کلام ''دروغ بزرگ'' سائیکلوسٹائل کرا کے تقسیم کیا اور اسے اقبال کے نام معنون کیا۔ ڈاکٹر علی شریعتی کے خیالات کا فکر اقبال سے موازنہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''ڈاکٹر علی شریعتی نے مغربی استعمار کی تہذیبی حکمت عملی کو ''تہذیب نو آبادکاری'' کی اصطلاح دی ہے، جس کے خلاف فکر اقبال مزاحمت کرتی ہے اور گذشتہ ایک صدی میں عالم اسلام میں ابھرنے والی فکری تحریکوں کی قیادت بھی۔''(۶۲)

ڈاکٹر علی شریعتی کے بارے میں لکھتے ہیں۔

''مفکر انقلاب ایران ڈاکٹر علی شریعتی نے نہ صرف اقبال سے فیض کشی کا اعتراف کیا ہے بلکہ ''ما و اقبال'' کے نام سے ان کی ایک کتاب اور دیگر تقاریر بھی ملتی ہیں، جن میں روح عصر کے ادراک اور مسلم نشاۃ الثانیہ کے لئے اقبال کے نقطہ نظر کی وضاحت، محبت اور عقیدت کے ساتھ کی گئی ہے۔''(۶۳)

ڈاکٹر انوار احمد کے اقبالیات پر تخلیقی و تنقیدی کام میں تازہ نو کی بصیرت اور فکر کی گہرائی نظر آتی ہے۔

ڈاکٹر نجیب جمال

ادیب، شاعر اور نقاد ہیں، ان کی اب تک دو کتب ''غالب شکن اور یگانہ'' اور تنقیدیؔ

مضامین کا مجموعہ "نگاہ" چھپ چکے ہیں۔ اس کے علاوہ مختلف علمی وادبی موضوعات پر بیس تحقیقی وتنقیدی مقالات ملک کے مقتدر ادبی جرائد میں شائع ہوئے ہیں۔ اقبالیات پر انکے دو مقالات طبع ہوئے ہیں، "اقبال کی غزل" (مجلہ غالب، کراچی، ۱۹۷۷ء اور یہی مضمون" میری غزل ہے میرا ثمر" کے عنوان سے ملتان یونیورسٹی میگزین ۱۹۷۸ء میں طبع ہوا ہے۔ دوسرا مضمون "مسجد قرطبہ ایک تجزیاتی مطالعہ" کے عنوان سے (ملتان یونیورسٹی میگزین) میں شائع ہوا ہے۔

ڈاکٹر نجیب جمال کے تنقیدی نظریات کی تشکیل میں رومانیت اور حقیقت دونوں کا دخل ہے۔ اردو شاعری کی روایت میں وہ کلاسیکیت کو بے حد اہمیت دیتے ہیں۔ ان کے اقبالیاتی مضامین میں ہیت اور متن پر مبنی تنقید کی جھلک نظر آتی ہے۔ اپنے مضمون "میری غزل ہے میرا ثمر" میں لکھتے ہیں،

"اقبال نے نہ صرف غزل کے کلاسیکی سرمائے سے استفادہ کیا بلکہ ان کے مزاج کی انفرادیت نے نئی نئی اصطلاحات اور نئے نئے علائم ورموز کا ایک ذخیرہ بھی مہیا کیا وہ علامات اور استعارات جو روایتی انداز میں استعمال ہونے سے اپنی توانائی کھو چکے تھے۔ اقبال نے انہیں نئے معنی اور مفاہیم سے آشنا کیا۔" (۶۴)

ڈاکٹر نجیب جمال نے اپنے اس مضمون میں اردو غزل کی روایت میں علامہ اقبال کی غزل کا مزاج تلاش کرنے کی سعی کی ہے اور وہ اس سے اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ

"ہماری شاعری میں عشق کی ساری کہانی جزو کے کل میں ملنے تک محدود ہے۔ اقبال نے اس گمشدگی کے عمل کو بازیافت کے عمل سے ملا دیا ہے، اس طرح انسانی انا کی بازیافت اقبال کی غزل کا ایک اور اہم موضوع بنتی ہے۔" (۶۵)

ڈاکٹر نجیب جمال کی تنقید میں اقبال ایک غزل گو شاعر کے طور پر سامنے آتے ہیں،

جنہوں نے غزل کے دامن کو وسیع کیا ہے۔ ڈاکٹر نجیب جمال کی تنقید تحقیق سے عبارت ہے۔

ڈاکٹر طاہر تونسوی

ڈاکٹر طاہر تونسوی کثیر الجہت شخصیت ہیں وہ بیک وقت ادیب، شاعر، نقاد اور محقق ہیں، ان کے اب تک تنقید کے دو مجموعے "تجزیے" اور "رجحانات" شائع ہو چکے ہیں۔ انہوں نے تنقید میں بہت سی نئی اصطلاحات بھی وضع کی ہیں۔ اقبالیات میں ڈاکٹر طاہر تونسوی مرتب کے طور پر بلند مقام کے حامل ہیں۔ انہوں نے علامہ اقبال کے فکر و فن اور اس سے متعلق موضوعات پر آٹھ کتب مرتب کی ہیں۔

۱۹۷۷ء میں ڈاکٹر طاہر تونسوی کی مرتب کردہ تین کتب شائع ہوئیں، پہلی کتاب "اقبال اور پاکستانی ادب" ہے، اس میں اقبال کے نقاد عزیز احمد کے نایاب اور اہم اقبالیاتی مقالات کو یکجا کر دیا گیا ہے، ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی نے اس مجموعہ میں ایک غلطی کی نشان دہی کی ہے، وہ اپنی کتاب "۱۹۸۵ء کا اقبالیاتی ادب۔ ایک جائزہ" میں لکھتے ہیں۔

"پروفیسر عزیز احمد کی اقبال شناسی میں ان کے مجموعہ مقالات کے ضمن میں یہ وضاحت ضروری تھی کہ طاہر تونسوی کے مرتبہ اس مجموعے کے ایک مضمون "اقبال کی آفاقیت کا مسئلہ" کے مصنف ڈاکٹر شمس الدین صدیقی ہیں، یہ وضاحت "ماہ نو" ستمبر ۱۹۶۳ء میں ملتی ہے۔" (۶۶)

ڈاکٹر طاہر تونسوی کی دوسری کتاب "حیات اقبال" ہے۔ ڈاکٹر طاہر تونسوی اس کتاب میں مختلف اقبال دوست شخصیات کے مضامین سے علامہ اقبال کی سوانح حیات ترتیب

دی ہے۔ جن سے علامہ اقبال کی فکر اور بصیرت کی متنوع پہلو بھی یہ انداز نو اجاگر ہو گئے ہیں۔

ڈاکٹر طاہر تونسوی کی تیسری کتاب ''اقبال اور سید سلیمان ندوی'' ہے، جو ۱۹۷۷ء ہی میں شائع ہوئی۔ ڈاکٹر طاہر تونسوی نے علامہ اقبال اور سید سلیمان ندوی کے حوالے سے دستیاب تمام مواد کو اس کتاب میں نہ صرف جمع کر دیا ہے بلکہ اس کی نشان دہی بھی کی ہے۔ اسی عنوان سے فاضل مصنف کا ایک مضمون بھی مجلّہ نقوش کے اقبال نمبر ۲ میں شائع ہوا ہے، جس میں دونوں شخصیات کے تعلقات کو مکاتیب کی روشنی میں دیکھا گیا ہے۔

ڈاکٹر طاہر تونسوی کی چوتھی کتاب ''اقبال اور مشاہیر'' ۱۹۷۸ء میں طبع ہوئی۔ اس مجموعے میں مشرقی و مغربی اور عجمی مفکرین کے علامہ اقبال سے تعلق و استفادے کے حوالے سے مختلف شخصیات کے مضامین کو ایک کتاب کی صورت میں مدون کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر طاہر تونسوی کی پانچویں کتاب ''اقبال اور عظیم شخصیات'' ۱۹۷۹ء میں منظر عام پر آئی۔ اس کتاب میں بر صغیر کی مختلف علمی و ادبی شخصیات سے علامہ اقبال کے ربط و تعلق پر مبنی مختلف ناقدین کے مقالات کو یکجا کر دیا گیا ہے۔

۱۹۸۸ء میں ڈاکٹر طاہر تونسوی کی ایک کتاب بعنوان ''اقبال شناسی اور نخلستان'' شائع ہوئی، اس کتاب میں گورنمنٹ کالج ملتان کے مجلّہ نخلستان میں ۱۹۴۷ء سے ۱۹۸۸ء تک علامہ اقبال پر چھپنے والے اہم مضامین کا انتخاب شائع کیا گیا ہے، کتاب کے آخر میں کتابیات کے عنوان سے نخلستان میں علامہ اقبال پر چھپنے والے تمام مضامین کی فہرست بھی دی گئی ہے لیکن ڈاکٹر طاہر تونسوی مندرجہ ذیل منظومات اور مضمون کا اندراج نظر انداز کر گئے ہیں۔

اے اقبال (نظم)، غلام ربانی، ۱۹۵۶ء

اقبال کا پیغام نوجوانوں کے نام، محمد آغا کاظم، ۱۹۷۳ء

اقبال (نظم)، پروفیسر ریاض حسین رضوی

انتخاب رسائل پر مبنی طاہر تونسوی کی دوسری کتاب "اقبال شناسی اور النخیل" ۱۹۸۹ء میں شائع ہوئی۔ اس میں ولایت حسین اسلامیہ کالج کے ملتان کے علمی وادبی مجلّہ "النخیل" میں ۱۹۶۶ء سے ۱۹۸۸ء تک علامہ اقبال پر چھپنے والے مضامین کا انتخاب شائع کیا گیا ہے۔ تیسری کتاب ادبی جریدے "نیرنگ خیال" میں اقبالیات پر چھپنے والے مضامین کا انتخاب "اقبال شناسی اور نیرنگ خیال" ۱۹۹۳ء میں طبع ہوئی ہے۔

اقبالیات پر ڈاکٹر طاہر تونسوی کی مرتب کی گئی تمام کتب کی ترتیب وتدوین میں تحقیق وتلاش کا عنصر بھی شامل ہے اور یہ ان کے تنقیدی شعور کی آئینہ دار ہیں۔ کتابوں میں کتابیات، اشاریہ اور حوالوں کا اہتمام ان کی اہمیت وافادیت میں اضافہ کرتا ہے۔ اسی سبب سے انہیں اقبال شناسی اور تفہیم کے فروغ کے حوالے قابل ستائش قرار دیا جاسکتا ہے۔

.

عبدالمجید ساجد

ادیب، شاعر، نقاد اور محقق ہیں، انہوں نے علامہ اقبال کے بارے میں پنجابی زبان میں ایک کتاب "اقبال دی حیاتی" اور علامہ اقبال کی چند نظموں کا منظوم پنجابی ترجمہ "دلاں دا چانن" کے عنوان سے لکھا ہے۔ اردو زبان میں ان کی پہلی کتاب "اقبال۔ حیات عصر" ۱۹۹۴ء میں منظر عام پر آئی۔ یہ علامہ اقبال کی مبسوط سوانح حیات ہے، جس میں اس موضوع پر چھپنے والی تمام کتب سے استفادہ کیا گیا ہے، کتاب کے آخر

میں علامہ اقبال کے فکر و فن پر مختلف موضوعات کے حوالے سے بحث بھی کی گئی ہے ۔ عبدالمجید ساجد بے حد وسیع المطالعہ اور دقیق النظر محقق اور نقاد ہیں ، ان کا انداز تحقیقی ہے اور انہوں نے فراہمی مواد میں خاص محنت کی ہے۔پانچ سو بیس صفحات پر مبنی یہ کتاب علامہ اقبال کی زندگی اور فکر و فن پر ایک مکمل کتاب ہے اور اسے اپنے موضوعات اور انکی وسعت کے باعث اقبالیات کی تعمیر و تفہیم میں اہم اور بنیادی حوالہ کی حامل کتاب قرار دیا جاسکتا ہے۔

عبدالمجید ساجد نے علامہ اقبال کی تاریخ پیدائش کے بارے میں کی جانے والی تحقیق سے استفادہ کرتے ہوئے علامہ اقبال کی تاریخ ولادت ۹ نومبر ۱۸۷۷ء کے بجائے ۱۸۷۳ء سے اتفاق کیا ہے ،اور لکھتے ہیں،

"تعلیمی ریکارڈ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اقبال کی عمریں اندازاً لکھوائی جاتی رہیں اور اس کا کوئی التزام نہ رکھا گیا۔اسی طرح داخلے کے وقت بھی عمر تخمیناً لکھوائی گئی اور جو عمر دینی مدرسوں میں صرف کی وہ عمر کے کھاتے سے نکال دی گئی ہمیں سیالکوٹ میونسپل کمیٹی کے ریکارڈ پر اعتماد کرنا چاہئے اور اس بات کو یقینی مان لینا چاہئے کہ اقبال کی تاریخ ولادت ۲۹ دسمبر ۱۸۷۳ء ہے۔" (ص ۶)

کتاب میں علامہ اقبال کے احباب پر تفصیلی مواد فراہم کرنے کے علاوہ فکر اقبال کا مشرقی اور مغربی مفکرین کے نظریات سے موازنہ کیا ہے اور فکر اقبال کی برتری اور محاسن کو ثابت کیا ہے۔ حیات اقبال کے حوالے سے ایک الزام کی صحت کو چیلنج کرتے ہوئے اس کی صفائی میں لکھتے ہیں،

"علامہ اقبال پر ایک طوائف کے قتل کا الزام بھی ہے ،نہ اس کا ذکر کسی کتاب میں کیا گیا ہے اور نہ ہی لاہور کے پولیس ریکارڈ میں یہ واقعہ درج ہے اور جب تک کوئی بات

لکھائی میں نہیں آتی مستند نہیں ہوتی۔ پھر کس طرح کہا جاسکتا ہے کہ علامہ اقبال نے قتل کیا ہوگا۔ علامہ اقبال کے خاندان کے لوگوں کے منہ سے بھی ایسی بات سننے میں نہیں آئی جب علامہ اقبال کو ۱۹۲۳ء میں سر کا خطاب ملا تو دوست دشمن کچھ حسد کچھ دشمنی کی وجہ سے پرائے ہوگئے۔ اس وقت علامہ اقبال پر طرح طرح کے الزامات لگائے گئے لیکن یہ الزام اس وقت بھی نہ لگایا گیا۔ پھر ۱۹۲۶ء میں الیکشن پر کھڑے ہوئے ایسے حالات میں اچھے اچھے اشخاص کے کچے چٹھے کھول دیئے جاتے ہیں لیکن اس وقت بھی کسی نے آپ پر یہ الزام نہ تھوپا، معلوم نہیں کہاں سے یہ آواز آئی اسے سینہ گزٹ سمجھ لیجئے، یہ فعل سرزد ہوتا تو ایسے مواقع پر لوگ معاف نہیں کرتے۔" (۶۸)

کتاب کی ایک اور خوبی حیات وافکار اقبال پر لکھی گئی متعدد کتابوں کے موضوعات وعنوانات کے بارے میں اپنا موقف بیان کیا ہے اور موثر انداز میں استدلال کے ساتھ اقبالیات کا دفاع بھی کیا ہے۔ سوشلزم کے عنوان سے لکھتے ہیں،

"علامہ اقبال کا خیال ہے کہ مسلمانوں کا اقتصادی ڈھانچہ اسلام ہے ان کا ذہن اسلامی ہے اور وہ ہر بات قرآن مجید سے اخذ کرتے ہیں۔ اشتراکیت جو اسلامی اصولوں کے خلاف ہے کس طرح علامہ اقبال کے خیالات سے ہم آہنگ ہو سکتی ہے۔ علامہ اقبال اشتراکیت اور سوشلزم کے مخالف ہیں۔" (۶۹)

ڈاکٹر سلیم اختر کے علامہ کی نجی زندگی اور رد کردہ کلام کے موقف کے بارے میں عبدالمجید ساجد رقم طراز ہیں،

"ڈاکٹر سلیم اختر لکھتے ہیں کہ علامہ اقبال نے اپنے ذاتی جذبات کو ٹھنڈا کرنے کے لئے شاعری کا استعمال کیا ہے۔ پرائیویٹ نظمیں لکھیں جو ضائع کر دی گئیں اس بات سے ڈاکٹر سلیم اختر یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ڈاکٹر اقبال کے اعصاب پر عورت سوار تھی۔

ہر شاعر اپنے مجموعہ کلام میں منتخب اشعار کتابی صورت میں لاتا ہے۔ اور کئی غزلیں اور نظمیں اشاعت کے قابل خیال نہیں کرتا تاکہ معیاری چیزیں پیش کی جا سکیں، ضروری تو نہیں کہ قابل اعتراض یا پرائیویٹ کلام کو باہر نکالا جاتا ہے کمزور خیالات اور کمزور بندشیں بھی قابل اشاعت نہ سمجھ کر شاعر انتخاب نہیں کرتا ہے۔ صرف عشق و محبت کی داستانیں بھی نہیں ہوتیں۔ اس کے علاوہ کلام کا وہ حصہ جو عوام الناس کی دلچسپی کا موجب نہ ہو یا فائدہ نہ پہنچا سکے تو وہ بھی مصنف قابل اشاعت خیال نہ کرتے ہوئے مجموعہ کلام سے خارج کر دیتا ہے۔" (۷۰)

عبدالمجید ساجد کا اسلوب نہایت عام فہم اور سادہ ہے۔ حالی سے اقبال کا تقابلی موازنہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں،

"علامہ اقبال کے "شکوہ جواب شکوہ" میں حالی کی "مسدس مدوجزر اسلام" کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ علامہ اور حالی دونوں قوم کا درد رکھتے ہیں۔ مسلمانوں کی کھوئی ہوئی عظمت کی یاد دلاتے ہیں۔ حالی اس عظمت رفتہ کی بازیابی کی امید سے مایوس لیکن علامہ اقبال اس کی واپسی کے طلب گار ہیں اور امید قوی رکھتے ہیں وہ مسلمانوں کو ناامید کرنے کی بجائے امید نو کا پیغام دیتے ہیں۔ ویسے حالی کی نیت پر شک نہیں کیا جا سکتا ان کی کوشش خوب تھی اور نیک نیتی پر مبنی تھی۔ لیکن حالات ایسے تھے کہ وہ ہمت نہ کر سکے اور نہ ہی وہ علامہ اقبال جیسا حوصلہ رکھتے تھے کہ وہ ٹکر لے سکتے۔ مسدس حالی میں جو کمی رہ گئی تھی وہ علامہ اقبال نے "شکوہ" اور "جواب شکوہ" لکھ کر پوری کر دی۔" (۷۱)

عبدالمجید ساجد کی دوسری اردو کتاب "عقیدہ اقبال" زیر طبع ہے۔ یہ کتاب شیخ اعجاز احمد کی کتاب "مظلوم اقبال" کا مدلل جواب ہے۔ اس کتاب میں قادیانی مذہب اور علامہ

اقبال کے قادیانیوں سے تعلق کے بارے میں تمام حالات وواقعات کو تحقیقی حوالوں کے ساتھ موضوع بنایا گیا ہے۔

ڈاکٹر ایس ایم منہاج الدین

ڈاکٹر ایس ایم منہاج الدین ادیب اور نقاد ہیں، علامہ اقبال کے فکر وفن پر انہوں نے کتب تصنیف کی ہیں۔ انکی پہلی کتاب "افکار و تصورات اقبال" ۱۹۸۵ء میں شائع ہوئی اس کتاب میں انہوں نے اقبالیات کے مختلف عنوانات قائم کئے ہیں اور انکے تحت فکر اقبال کی تعبیر و تفہیم کی ہے۔ کتاب کے دیباچہ میں لکھتے ہیں۔

"اقبال کے افکار و تصورات سے متعلق لکھی گئی بہت سی کتابیں میری نظر سے گزریں اور اکثر میں نے محسوس کیا کہ اقبال کے ناقد کبھی محبت میں اور کبھی عداوت میں حد سے تجاوز کر گئے ہیں اور جو کچھ آپ نے نہیں کہا ہے وہ بھی آپ سے منسوب کر کے لکھ گئے ہیں۔ میں نے اقبال کے افکار و تصورات کو سیدھے سادے، عام فہم اور مثبت انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔" (۷۲)

ڈاکٹر منہاج الدین نے اس کتاب کے پہلے مقالہ میں علامہ اقبال کی شخصیت اور شاعری کا سیر حاصل جائزہ پیش کیا ہے۔ اس میں انہوں نے جابجا حیات اقبال پر لکھی گئی کتب او علامہ اقبال کی تصنیفات سے استفادہ کیا ہے ایک اور مقالہ میں اقبال کا فلسفہ تعلیم کے عنوان سے علامہ اقبال کے خیالات وافکار کا تجزیہ پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اقبال کی نظر میں جدید سائنس اور تسخیر کائنات ہم معنی ہیں۔ جدید سائنسی علوم کی بنیاد تین اصولوں پر مبنی ہے۔

قرآنی تعلیمات اور ارشادات نبوی ﷺ سے ماخوذ قرار دیتے ہیں۔"(۷۳)

"اقبال کا تصور ملت" کے عنوان سے اقبالیات کے اس اہم موضوع کو ایس ایم منہاج الدین نے قرآن مجید اور احادیث کی روشنی میں جانچا اور پرکھا ہے۔ اس بارے میں رقم طراز ہیں،

"اقبال کے تصور ملت کا ابتدائی اور انتہائی سلسلہ دو پیغمبروں یعنی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات بابرکات سے روحانی طور پر منسلک ہے اور ارشادات خداوندی اور احکامات رسول ﷺ کے عین مطابق ہے۔"(۷۴)

"اقبال کا نظریہ اجتہاد" کے عنوان سے ایک مقالہ میں اجتہاد کے مسئلہ کا تاریخی پس منظر میں جائزہ لیا ہے وہ لکھتے ہیں،

"اقبال اسلامی فقہ میں اجتہاد کی ضرورت محسوس کرتے ہیں ان کا خیال ہے کہ اگرچہ قومی شیرازہ بندی انحطاط کو کسی حد تک روک لیتی ہے لیکن ایک قوم کی زندگی کا انحصار کسی مصنوعی شیرازہ بندی پر نہیں بلکہ افراد کی ذہنی اور جسمانی نشوونما پر ہے۔ جب تک کسی قوم میں جواں دل اور آزاد مرد پیدا نہ ہوں جو اپنے دل کی گہرائیوں اور دماغ کی جولانیوں سے قوم کو نئے تصورات سے روشناس کرائیں جو تمدن کی بدلتی ہوئی ضروریات سے ہم آہنگ ہونے کا نیا طریقہ بتائیں، جو مصنوعی قیود سے بے نیاز ہوں، اس وقت تک اس قوم کے ارتقائی منازل طے کرنے کے امکانات نہیں۔"(۷۵)

یہ کتاب کا ایک طویل اور معانی آفریں مقالہ ہے، جو حقیقی طور پر اسلام میں اجتہاد کی اہمیت اور مختلف اسلامی ادوار میں اس کی افادیت و کردار سے بھی بحث کرتا ہے۔

ایک اور مضمون بعنوان "اقبال کا تصور معیشت" میں علامہ اقبال کے معاشی افکار کا جائزہ لیتے ہوئے اسے قرآن مجید کے تابع قرار دیتے ہیں۔

"اقبال کے نزدیک صرف قرآن اوراس کے عطا کردہ الہامی، معاشی اور معاشرتی اصول و قوانین ہی عالم انسانیت کی فلاح و بہبود کی ضمانت دے سکتے ہیں۔"(۷۶)

کتاب چار سو بتیس صفحات پر محیط ہے اور اس کے باقی عنوانات درج ذیل ہیں۔

"اقبال کا فلسفہ خودی"، "اقبال کا تصور مرد مومن"، "اقبال کا تصور سیاست"، "اقبال اور تحریک پاکستان"۔

"افکار و تصورات اقبال" میں ڈاکٹر ایس ایم منہاج الدین نے عام فہم اور تشریحی انداز میں فکر اقبال کو پیش کیا ہے، کتاب کی ایک اور اہم خصوصیت حواشی اور حوالوں کا اہتمام ہے۔ جو اس کتاب کی اہمیت میں اضافہ کرتا ہے۔ ماہر اقبالیات ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"ڈاکٹر منہاج الدین نے دانشورانہ موشگافیوں اور فلسفیانہ مباحث سے گریز کرتے ہوئے عام قارئین خصوصاً طالب علموں کے لئے مفید کتاب تیار کی ہے۔"(۷۷)

ڈاکٹر ایس ایم منہاج الدین کی دو مزید کتب ۱۹۸۹ء میں شائع ہوئیں، تصورات اقبال (فکر اقبال کے چند پہلو) ہے، اس کتاب کا غالب حصہ ان کی سابقہ کتاب "افکار تصورات اقبال" کے عنوانات پر مبنی ہے۔ اور چند مضامین کا ابتدائیہ تبدیل کر کے اور انہیں مختصر کر کے ایک نئے مضمون کی شکل دے دی گئی ہے۔ کتاب میں واحد نیا مقالہ "اقبال کی شاعری" ہے، جس کے تحت مختلف موضوعات مثلاً اقبال اور مسلمان نوجوان، اقبال کا فلسفہ، اقبال اور درس حریت، اقبال اور رہبانیت کے عنوان سے کلام اقبال سے استناد کرتے ہوئے فکر اقبال کی تفہیم و تشریح کی ہے، لکھتے ہیں،

"اقبال کی شاعری کا سب سے اہم پہلو یہ ہے کہ وہ ناامید ہونا نہیں جانتے اور مصائب و آلام کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کا حوصلہ ہمارے اندر پیدا کر دیتے ہیں۔"(۷۸)

کتاب کے آخر میں کلام اقبال "انتخاب کلام اقبال" کے عنوان سے شائع کیا گیا ہے، جو اس کتاب کے عنوانات سے کوئی ربط و تعلق نہیں رکھتا ہے، البتہ اس کتاب کی ضخامت میں اضافہ کا باعث ہے۔ ڈاکٹر ایس ایم منہاج الدین کی تیسری کتاب "افکار اقبال" کے عنوان سے اسی برس منظر عام پر آئی۔ یہ علامہ اقبال کی چند طویل اور مختصر نظموں کا فکری وفنی جائزہ ہے۔ ڈاکٹر ایس ایم منہاج الدین نے اس کتاب میں کلام اقبال سے درج ذیل سولہ نظموں کا انتخاب کر کے ان کا فکری وفنی تجزیہ کیا ہے۔ طویل نظمیں کے عنوان سے ذوق و شوق، مسجد قرطبہ، ساقی نامہ، ابلیس کی مجلس شوریٰ، لینن (خدا کے حضور میں)، والدہ مرحومہ کی یاد میں، شکوہ، جواب شکوہ، خضر راہ، شمع و شاعر، طلوع اسلام، جب کہ مختصر نظموں کے تحت "لا الہ الا اللہ"، "دعا"، "مرد مسلمان"، "طارق کی دعا" اور "سپانیہ" کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ حرف آغاز کے عنوان سے دیباچہ میں لکھتے ہیں۔

"میں نے اس کتاب میں اقبال کی نمائندہ چند طویل اور مختصر نظموں کا سیدھی سادی زبان اور مربوط انداز میں فکری اور فنی جائزہ لینے کی کوشش کی ہے، یہ جائزہ فکری زیادہ اور فنی کم۔ میرا یہ انداز ارادی ہے، میں اقبال کے افکار عام قارئین اور خصوصیت کے ساتھ نوجوان طلباء وطالبات تک پہنچانا چاہتا ہوں۔" (۷۹)

کتاب میں دی گئی نظموں کا تجزیہ بے حد مختصر ہے اور نظموں کے بعض فنی وفکری پہلو بھی تشنہ رہ گئے ہیں، ڈاکٹر ایس ایم منہاج الدین کی تینوں کتابیں کسی خاص تنقیدی زاویہ نظر کی حامل نہیں البتہ یہ اپنے اسلوب اور فنی نقطہ نگاہ سے تاثراتی تنقید کے زمرے میں آتی ہیں۔ اور ڈاکٹر ایس ایم منہاج الدین کے درج بالا بیان کے تحت طالب علموں کی تعلیمی ضروریات کے پیش نظر لکھی گئی ہیں۔ اس لئے فکر اقبال کے فروغ اور تفہیم

کے حوالے سے انہیں اقبالیاتی ادب میں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

پروفیسر حمید رضا صدیقی

پروفیسر حمید رضا صدیقی ادیب اور محقق ہیں، انکی تحریروں کے موضوعات اقبال اور پاکستان ہیں، اقبالیات پر انکے متعدد مقالات اخبارات ورسائل میں چھپ چکے ہیں، جن کی تفصیل درج ذیل ہے،

اقبال کے آخری پانچ سال (مجلہ سفینہ ادب، ملتان ۱۹۷۷ء) اقبال بحیثیت سیاست دان (مجلہ سفینہ ادب، ملتان ۱۹۷۷ء) اقبال کا نظریہ قومیت (روزنامہ امروز، لاہور ، اپریل ۱۹۸۱ء) اور علم الاقتصاد (روزنامہ نوائے وقت، ملتان، ۲۱ اپریل ۱۹۹۴ء) اقبال اور پنجاب اسمبلی الیکشن (روزنامہ نوائے وقت، ملتان date is omitted، ۱۹۹۴ء) مصور پاکستان (ماہنامہ آہنگ، کراچی، نومبر ۱۹۹۴ء) انکے علاوہ پروفیسر حمید رضا صدیقی ایک کتاب بعنوان "اقبال اور جدوجہد آزادی"، بھی بہ تعاون پروفیسر اجمل صدیقی کی تصنیف کی کتاب کے مطالعہ سے موضوع پر مرتبین کی گہری اور وسیع و نظر معلومات کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس کتاب کا مواد حضرت علامہ کی زندگی اور سیاسی افکار و مساعی کے باب میں نہایت قیمتی سرمایہ ہے۔ حمید رضا صدیقی کی تنقید تحقیق کا پس منظر لئے ہوئے ہے اور انہوں نے خاص طور پر علامہ اقبال کی زندگی اور سیاسی افکار کو اپنے مضامین کا موضوع بنایا ہے۔

علامہ اقبال کو عام طور پر ایک شاعر کے طور پر ہی نمایاں کیا گیا ہے حالاں کہ وہ اعلی درجہ کی سیاسی بصیرت اور شعور بھی رکھتے تھے۔ حمید رضا صدیقی اپنے ایک مقالے "اقبال بحیثیت سیاست دان" میں رقم طراز ہیں۔

"اقبال ہندوستان میں کانگریس اور ہندوؤں کی متعصبانہ روش سے بخوبی واقف تھے اور اپنے دور کے قائدین میں وہ پہلے شخص تھے جو کانگریس کے رویئے سے مایوس ہوئے، ۱۹۲۶ء میں جب ان کی عمر پچاس برس کے قریب تھی، وہ لاہور کے حلقے سے پنجاب اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے، اس حیثیت سے انہوں نے جو اہم خدمات انجام دیں اس کا اندازہ ان کی تقاریر سے لگایا جاسکتا ہے، جو انہوں نے مختلف مواقع پر اسمبلی میں کیں۔"(۸۰)

اپنے ایک اور مقالہ "اقبال کے آخری پانچ سال" میں حمید رضا صدیقی نے ۱۹۳۴ء سے ۱۹۳۸ء تک علامہ اقبال کی ادبی وسیاسی سرگرمیوں پر روشنی ڈالی ہے۔

"علم الاقتصاد" علامہ اقبال کی پہلی نثر تصنیف ہے جو کہ اقتصادیات کے موضوع پر ہے اس کی اہمیت اور افادیت کے بارے میں اپنے ایک مقالہ "اقبال اور علم الاقتصاد" میں تحریر کرتے ہیں،

"اقبال نے اقتصادیات کے بارے میں کسی کالج یا یونیورسٹی میں کبھی باقاعدہ تعلیم حاصل نہیں کی لیکن اس کے باوجود ان کے خیالات اس زمانے کے مطابق انتہائی جدید ہیں۔ ۱۹۰۳ء میں جب یہ کتاب شائع ہوئی تو اس مضمون پر کتابیں نہ ہونے کے برابر تھیں اور نہ ہی کالجوں میں اس مضمون کی تدرس کا معقول انتظام تھا۔ ان حالات میں کسی ہندوستانی باشندے کا اقتصادیات پر کتاب لکھنا اور وہ بھی اردو میں جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔"(۸۱)

۱۹۲۶ء میں پنجاب لیجسلیٹو کونسل کے انتخاب میں علامہ اقبال کی کامیابی ان کے سیاسی کیرئر کا اہم واقعہ تھا۔ پروفیسر حمید رضا صدیقی نے "اقبال اور پنجاب اسمبلی کا الیکشن" کے عنوان سے تحقیقی انداز میں اقبال کے اس سیاسی معرکہ کی تفصیلات اور اعداد وشمار کو

جمع کا ہے، وہ لکھتے ہیں،

"اس انتخابی حلقے میں ووٹروں کی کل تعداد تقریباً بارہ ہزار تھی، اڑسٹھ فی صد افراد نے اپنے ووٹ کا استعمال کیا۔ علامہ اقبال نے ۵۶۷۵ ووٹ حاصل کئے جب کہ ملک محمد دین نے ۲۴۹۸ ووٹ حاصل کئے اس طرح تین ہزار سے زیادہ ووٹوں کی اکثریت سے اقبال پنجاب اسمبلی کے رکن بن گئے۔" (۸۲)

مجموعی طور پر حمید رضا صدیقی کے مضامین ان کی اقبالیات میں گہری دسترس اور دلچسپی کے آئینہ دار ہیں۔ وہ ایک ایسے محقق اور نقاد ہیں، جنہوں نے تاریخی حقائق اور کلام اقبال کے فکری عناصر میں اقبال کی شخصیت کے اصل جوہر کو تلاش کرنے کی سعی کی ہے۔

حفیظ الرحمٰن خاں

ادیب اور نقاد ہیں، ان کے تنقیدی مضامین کا ایک مجموعہ "خیال و نظر" ۱۹۸۹ء میں طبع ہوا۔ اقبالیات کے سلسلے میں اب تک ان کے متعدد مضامین اخبارات و رسائل میں چھپ چکے ہیں، جن کی تفصیل درج ذیل ہے، "اقبال کے فکری ماخذ" (مجلّہ تھل، لیہ ۱۹۷۳ء) "اقبال کا تصور اخلاق" (روزنامہ نوائے وقت ۲۱ اپریل ۱۹۷۶ء) "دور جدید کے شعراء پر اقبال کا اثر" (روزنامہ امروز، لاہور، ۲۱ اپریل ۱۹۷۹ء)، "عشق اقبال کی نظر میں" (روزنامہ نوائے وقت، ملتان، ۹ نومبر ۱۹۸۴ء)، "اقبال کی غزل" (روزنامہ نوائے وقت، ملتان، ۲۰ اپریل ۱۹۸۵ء)، "اقبال پیامبر انقلاب" (روزنامہ نوائے وقت، ملتان، ۹ نومبر ۱۹۸۶ء) "خطبات اقبال، ایک جائزہ" (مجلّہ زلال، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان ۱۹۹۰ء) "اردو شعر و ادب پر اقبال کے اثرات" (مجلّہ ماہ نو،

لاہور، اپریل ۱۹۹۲ء)اقبال کے نئے اور پرانے کرم فرما(روزنامہ نوائے وقت، ملتان، ۲۱اپریل ۱۹۹۴ء)"فکراقبال، ملی اور تہذیبی ورثہ"(روزنامہ نوائے وقت، ملتان، ۹ نومبر ۱۹۹۴ء)

علامہ اقبال کی شاعری اور فکروفلسفہ مسلمانوں کے عظیم ملی اور تہذیبی ورثہ کا امین ہے، پروفیسر حفیظ الرحمان نے اقبال کی شاعری سے ان عناصر کا کھوج لگانے کی سعی کی ہے جن کی روشنی میں عصر حاضر کے مسائل سے نپٹا جاسکتا ہے۔اپنے مضمون فکراقبال۔ ملی اور تہذیبی ورثہ میں لکھتے ہیں،

"اقبال نے تاریخ اسلام کی وسعتوں میں اسلاف کی عظیم روایات اور کارناموں کو زبان شعر میں ادا کرکے ماضی کا قیمتی سرمایہ یکجا کردیا ہے اور اپنے حیات آفریں اور جان افزاء نغمہ امید سے ملت اسلامیہ کی گراں خوابی کے فسوں کو توڑ دیا ہے اس طرح اقبال ایک مایوس اور بے یقینی کی شکار قوم کی فکری زندگی میں طلوع آفتاب کی پہلی کرن بن کر نمودار ہوئے جس کی روشنی میں آئندہ سفر طے کیا جاسکتا تھا۔"(۸۳)

حفیظ الرحمان خان نے اپنی متعدد تحریروں میں علامہ اقبال اور انکے فکروفلسفہ کا دفاع بھی کیا ہے اور مخالفین کو معطون قرار دیا ہے اپنے ایک مضمون "اقبال کے نئے اور پرانے کرم فرما"میں لکھتے ہیں،

"ادب وسیاست میں مادی تصورات کی کوکھ سے جنم لینے والے نئے فلسفے کے داعیوں نے شعر اقبال کا مطالعہ خاص حوالوں سے کیا۔اقبال انہیں خودوضع کردہ اصطلاحات کی روشنی میں "رجعت پسند" عینیت پرست اور فاشسٹ نظر آیا۔ مارکسی نقادوں اور ترقی پسند تحریک کے فکری زعماء نے اقبال کی شاعری میں صرف تضادات کی نشان دھی کو اپنا موضوع بنایا۔

پروفیسر حفیظ الرحمان خان اقبالیات کے مطالعہ کے بعد ان الفاظ میں اپنا فیصلہ صادر کرتے ہیں۔

"آج کے دور ہر اعتبار سے اقبال کا دور ہے اور جب تک اردو شعر و ادب کو اقبال کے سے ذہنی وسعت کا حامل شاعر میسر نہیں آتا دلوں اور ذہنوں پر شعر اقبال کا قبضہ اور تسلط قائم رہے گا۔" (۸۵)

پروفیسر حفیظ الرحمان خان کے اقبالیات پر مضامین ان کے جمالیاتی اسلوب کے آئینہ دار ہیں، انہوں نے زیادہ تر تاثراتی تنقید لکھی ہے جس میں اقبالیات کے فکری پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی شعوری کوشش نمایاں نظر آتی ہے۔

ڈاکٹر عبدالروف شیخ

ادیب اور نقاد ہیں۔ انکی دو کتب "سید عابد علی عابد شخصیت اور فن" اور "اقبال شناسی اور عابد" شائع ہو چکی ہیں۔

"اقبال شناسی اور عابد" دراصل ان کے پی ایچ ڈی کے تحقیقی مقالہ "سید عابد علی عابد شخصیت اور فن" کا ایک باب ہے جسے انہوں نے "اقبال شناسی اور عابد" کے عنوان سے ۱۹۹۳ء میں مدون کیا ہے۔ کتاب ایک سو اٹھائیس صفحات پر مشتمل ہے جس میں عابد علی عابد کی اقبال شناسی کا جائزہ لیا گیا ہے۔

عابد علی عابد علامہ اقبال کے نقادوں م نمایاں اہمیت کے حامل نقاد ہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب "شعر اقبال" میں علامہ اقبال کی شاعری کے استعاراتی نظام اور علامتوں کی تجسیم کی ہے۔ عابد علی عابد کے اقبالیاتی موضوعات پر ڈاکٹر عبدالروف نے کوئی تنقیدی رائے قائم کرنے کی بجائے ان کی صرف نشان دہی کی ہے۔ اور عابد علی عابد کے

مضامین سے طویل اقتباسات نقل کر دیئے ہیں۔ جس سے نہ تو عابد علی عابد کی تحریر اور اسلوب کی خوبیاں اجاگر ہوتی ہیں اور نہ ہی عابد کے اقبال کے بارے میں لکھے گئے مضامین اور کتاب کا معیار متعین ہوتا ہے۔ کتاب کے پہلے پچپن صفحات اقبال اور عابد علی عابد سے متعلق ہیں۔ باقی حصے میں عابد علی عابد کی دیگر ادبی تخلیات کو زیر بحث لایا گیا ہے۔

ڈاکٹر عبدالرؤف شیخ کو عابد علی عابد کے مضامین اقبال پر کی گئی تنقید کو بھی مدنظر رکھنا چاہئے تھا اور اس کی نشان دہی بھی کرنا چاہئے تھی، مثلاً "شعر اقبال" پر شورش کاشمیری کی "اقبال مجرم" میں تنقید۔

ڈاکٹر عبدالرؤف شیخ کا اسلوب تجزیاتی ہے اور انہوں نے سادہ اور سہل زبان میں عابد علی عابد کی اقبال پر تصانیف کو موضوع بنایا ہے۔

حواشی

ا۔ جعفر بلوچ (مرتب) "اقبالیات اسد ملتانی" اقبال اکادمی، پاکستان، لاہور، ۱۹۸۴ء،
ص ۷۹

۲۔ ایضاً، ص ۸۴۔۸۵

۳۔ ایضاً، ص ۸۵

۴۔ ایضاً، ص ۸۵

۵۔ ایضاً، ص ۸۷

۶۔ ایضاً، ۸۷

۷۔ ایضاً، ص ۸۹

۸۔ ایضاً، ص ۹۰

۹۔ عبدالرحمٰن، منشی، "اقبال اور مسٹر گوشہ "ادب، لاہور، ۱۹۵۵ء، ص ۱۲

۱۰۔ ایضاً، ص ۱۰

۱۱۔ عبدالرحمٰن، منشی، علامہ اقبال کی کردار کشی، جاوید اکیڈمی ملتان، ۱۹۸۸ء ص ۱۸

۱۲۔ ایضاً، ص ۴۰

۱۳۔ ایضاً، ص ۴۲

۱۴۔ ایضاً، ص ۴۳

۱۵۔ افتخار حسین شاہ، پروفیسر، "اقبال اور پیروی شبلی"، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور
۱۹۷۷ء ص ۹

۱۶۔ ایضاً، ص ۵۰

۱۷۔ ایضاً، ص ۶۴

۱۸۔ غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر "اقبال ایک مطالعہ"، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۱۹۸۷ء ص ۲۷۔۳۰

۱۹۔ ایضاً، ص ۲۷

۲۰۔ احمد میاں اختر جونا گڑھی، قاضی، اقبالیات کا تنقیدی جائزہ، اقبال اکیڈمی، کراچی ۱۹۶۵ء، ص ۵۶

۲۱۔ "اقبال اور پیروی شبلی" افتخار حسین شاہ، ص ۸۳

۲۲۔ بحوالہ مجلہ سہ ماہی "اقبالیات"، لاہور، اقبال اکادمی، لاہور، جلد ۲۹ شمارہ ۳ جنوری۔ مارچ ۱۹۸۹ء ص ۱۱

۲۳۔ ایضاً، ص ۳۱

۲۴۔ بحوالہ مجلہ اقبال سہ ماہی لاہور، بزم اقبال لاہور، جلد ۲۸، شمارہ ۴، اکتوبر ۱۹۸۱ء، ص ۷۰

۲۵۔ بحوالہ "اقبال اور قائداعظم"، مرتب عرش صدیقی، اے بی اشرف، ملتان یونیورسٹی، ملتان ۱۹۷۷ء، ص ۱۱۷

۲۶۔ بحوالہ اقبالیات (بی اے) یونٹ ۸۔۱، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد، ۱۹۸۶ء، ص ۱۵۹

۲۷۔ بحوالہ، "اقبال اور پیروی شبلی"، افتخار حسین شاہ۔ ص ۱۱۰

۲۸۔ بحوالہ رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر (مرتب)، ۱۹۸۵ء کا اقبالیاتی ادب، ایک جائزہ اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۱۹۸۶ء، ص ۳۷

۲۹۔ جابر علی سید، اقبال کا فنی ارتقاء، بزم اقبال لاہور، ۱۹۷۸ء ص ۲۱

۳۰۔ ایضاً، ص ۳۵

۳۱۔ایضاً، ص ۴۲

۳۲۔ایضاً، ص ۵۴

۳۳۔ایضاً، ص ۹۶

۳۴۔ایضاً، ص ۱۳۵

۳۵۔ایضاً، ص ۱۴۱۔

۳۶۔جابر علی سید، اقبال ایک مطالعہ، بزم اقبال، لاہور ۱۹۸۵ء ص ۵۴

۳۷۔ایضاً، ص ۷۰

۳۸۔ایضاً، ص ۹۴

۳۹۔جابر علی سید، "تنقید و تحقیق"، کاروان ادب، ملتان، ۱۹۸۷ء، ص ۹۸

۴۰۔ایضاً، ص ۱۰۷

۴۱۔ایضاً، ص ۱۰۹

۴۲۔ایضاً، ص ۱۱۱

۴۳۔ایضاً، ص ۱۱۳

۴۴۔ رفیع الدین ہاشمی ، ڈاکٹر (مرتب) "اقبالیات کے تین سال ۱۹۸۷ء۔ ۱۹۸۹ء"، حرا پبلی کیشنز، لاہور ۱۹۹۳ء ص ۱۰۲

۴۵۔ اسلم انصاری پروفیسر، "اقبال عہد آفریں"، کاروان ادب، ملتان ۱۹۸۷ء، ص ۱۸

۴۶۔ایضاً، ص ۲۲۸

۴۷۔ایضاً، ص ۳۱۲

۴۸۔ایضاً، ص ۳۴۳

۴۹۔ بحوالہ روزنامہ نوائے وقت، ملتان ۲۱ اپریل ۱۹۹۴ء، ص ۴

۵۰۔ بحوالہ مجلّہ نقد و نظر (ششماہی) علی گڑھ، جون۔ دسمبر ۱۹۸۸ء، ص ۱۹۷

۵۱۔ عاصی کرنالی، چراغ نظر، مکتبہ عاصی کرنالی، ملتان ۱۹۹۲ء، ص ۲۷

۵۲۔ ایضاً، ص ۷۵

۵۳۔ ایضاً، ص ۹۵

۵۴۔ ایضاً، ص ۸۳

۵۵۔ بحوالہ مجلّہ سفینہ ادب، گورنمنٹ علمدار حسین اسلامیہ کالج ملتان، ۱۹۷۷ء، ص ۱۴

۵۶۔ بحوالہ ملتان یونیورسٹی میگزین، "دانائے راز نمبر ۱۹۷۷ء"، ملتان یونیورسٹی ملتان، ص ۱۳۱

۵۷۔ اے بی اشرف، "ڈاکٹر، غالب اور اقبال"، بیکن بکس، ملتان، ۱۹۸۸ء، ص ۵

۵۸۔ ایضاً، ص ۶

۵۹۔ ایضاً، ص ۱۰۸

۶۰۔ بحوالہ، ملتان یونیورسٹی میگزین، "دانائے راز نمبر"، ۱۹۷۷ء ص ۲۵

۶۱۔ انوار احمد، ڈاکٹر، "تحریک پاکستان میں علامہ اقبال کا کردار"، بیکن بکس، ملتان ۱۹۹۳ء، ص ۵۹

۶۲۔ ایضاً، ص ۲۳۹

۶۴۔ بحوالہ، ملتان یونیورسٹی میگزین، "دانائے راز نمبر"، ۱۹۷۷ء، ص ۳۵

۶۵۔ ایضاً، ص ۳۹

۶۶۔ بحوالہ، "۱۹۸۵ء کا اقبالیاتی ادب، ایک جائزہ"، ص ۳۳

۶۷۔ساجد، عبدالمجید، اقبال حیات عصر، ادارہ تحقیق وادب، ملتان، ۱۹۹۴ء، ص ۳۴

۶۸۔ایضاً، ص ۴۹۳۔۴۹۲

۶۹۔ایضاً، ص ۳۰۷

۷۰۔ایضاً، ص ۵۱۰

۷۱۔ایضاً، ص ۴۵۴

۷۲۔ ایس ایم منہاج الدین ڈاکٹر، افکار و تصورات اقبال، کاروان ادب، ملتان، ۱۹۸۵ء ص ۲

۷۳۔ایضاً، ص ۸۴

۷۴۔ایضاً، ص ۱۷۹

۷۵۔ایضاً، ص ۳۱۵

۷۶۔ایضاً، ص ۴۰۹

۷۷۔"۱۹۸۵ء کا اقبالیاتی ادب، ایک جائزہ" ص ۲۷

۷۸۔ایس ایم منہاج الدین، ڈاکٹر، "تصورات اقبال"، کاروان ادب، ملتان ۱۹۸۹ء، ص ۲۱۰

۷۹۔ایس ایم منہاج الدین، ڈاکٹر، "افکار اقبال"، کاروان ادب، ملتان، ۱۹۸۹ء، ص ۷

۸۰۔بحوالہ مجلّہ سفینہ ادب، ۱۹۷۷ء، ص ۶۶

۸۱۔بحوالہ روزنامہ نوائے وقت، ملتان، ۲۱ اپریل ۱۹۹۴ء ص ۴

۸۲۔بحوالہ روزنامہ نوائے وقت، ملتان ۹ نومبر ۱۹۹۴ء "یوم اقبال ایڈیشن"، ص ۲

۸۳۔ایضاً، ص ۲

۸۴۔بحوالہ روزنامہ نوائے وقت، ملتان ۲۱ اپریل ۱۹۹۴ء، صفحہ اول

۸۵۔ایضاً، ص اوّل

باب چہارم

ملتان میں اقبالیاتی ادب کے فروغ میں اداروں کا کردار

بزم اقبال

ملتان میں پہلی بزم اقبال ایک ہندو شاعر لالہ بال کشن بترہ ابر نے قائم کی، اس بارے میں ممتاز حسین ملک رقم طراز ہیں،

"جب بال کشن بترہ ابر ملتانی ۱۹۱۶ء میں لاء کالج، لاہور سے ایل ایل بی کر کے واپس آئے تو یہاں انہوں نے وکالت شروع کرنے کے بعد اس بزم کی بنیاد رکھی۔"(۱)

اس اعتبار سے یہ بر صغیر میں قائم ہونے والی پہلی بزم اقبال کہی جا سکتی ہے۔ امکان غالب ہے کہ جب لالہ بال کشن بترہ ابر لاہور میں قانون کے طالب علم تھے تو ان کی علامہ قبال سے ملاقاتیں رہی ہوں، بیرسٹر جگدیش چندر بترہ کے مطابق

"لالہ بال کشن بترہ ابر نہایت سوشل تھے اور علامہ اقبال سے کئی دفعہ ملے تھے۔"(۲)

ملتان واپس آنے کے بعد لالہ باکشن بترہ ابر نے یہ بزم قائم کی، انہوں نے ۱۹۳۰ء میں ملتان سے "اقبال" کے نام سے ایک ہفت روزہ بھی جاری کیا تھا۔ اس ہفت روزہ کو اقبالیات کے سلسلے میں بر صغیر پاک و ہند میں اولیت حاصل ہے۔ اس بزم کے زیر اہتمام مرحوم شعراء اور ادیبوں کی یاد میں پروگرام بھی منعقد کیے جاتے تھے اور علامہ

اقبال کے یوم پیدائش کے حوالے سے ہر سال مشاعرہ منعقد ہوتا تھا، جس میں ملتان سے باہر کے شعرا بھی شرکت کرتے تھے۔

"ان تقریبات میں کشفی ملتانی، غنچہ امروہوی، بھیم سین ظفر ادیب، پریم ملتانی، وحشت ملتانی اور قادر بخش ممتاز وغیرہ باقاعدگی کے ساتھ شرکت کیا کرتے تھے" (۳)

۱۹۴۷ء میں تقسیم پاکستان کے سلسلے میں بال کشن بترہ ابر ملتانی کے ہندوستان ہجرت کر جانے سے یہ بزم ختم ہوگئی۔

اس کے علاوہ ایمرسن کالج کے زیر اہتمام بھی ایک "بزم اقبال" قائم تھی۔ ڈاکٹر مہر عبدالحق سے روایت ہے کہ ۴۳۔۱۹۴۲ء میں بزم اقبال کی ایک تقریب میں جو ایمرسن کالج ملتان میں منعقد ہوئی۔ سر عبدالقادر نے اس تقریب کی صدارت کی تھی۔" (۴)

۱۹۵۵ء میں ایمرسن کالج کے فارغ التحصیل طلباء نے "بزم اقبال" کی سرگرمیوں کو از سر نو جاری کیا، ان میں شیخ اکرام الحق اور گلزار احمد علوی کے نام شامل ہیں۔ اس کے بعد سے بزم اقبال کے تحت باقاعدگی سے پروگرام منعقد کئے جاتے رہے۔ ان میں چند تقریبات کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ بزم اقبال کے زیر اہتمام قلعہ کہنہ قاسم باغ میں ۲۱ اپریل بروز منگل ۱۹۵۵ء یوم اقبال و مشاعرہ منعقد ہوا۔ اس مشاعرہ میں صوفی غلام مصطفیٰ تبسم، احمد ندیم قاسمی، قتیل شفائی، ظہور نظر، ظہیر کاسمیری اور حبیب جالب نے شرکت کی۔

۲۔ بزم اقبال ملتان کے زیر اہتمام ۲۵ مئی ۱۹۵۸ء، بروز اتوار قاسم باغ میں بہ سلسلہ یوم اقبال ایک تقریب سردار عطا محمد لغاری کمشنر ملتان منعقد ہوا، تقریب میں شیخ اکرام الحق (صدر بزم اقبال) ڈاکٹر مہر عبدالحق، نصرت حسین، ملک بشیر الرحمان،

علاوالدین صدیقی، راجا حسن اختر نے اقبال کے فکروفن پر تقاریر کیں۔ حافظ حبیب اللہ، خالد بہاولپوری نے کلام اقبال پیش کیا۔

۳۔ بزم اقبال کے تحت ۲۱ اپریل ۱۹۶۱ء کو ابن قاسم باغ میں یوم اقبال کی تقریب منعقد ہوئی۔ جس کی صدارت بی اے قریشی کمشنر ملتان نے کی۔

۴۔ بزم ملتان کے زیر اہتمام عید میلاد النبی ﷺ کی ایک تقریب مسلم ہائی اسکول ملتان میں منعقد ہوئی، جس کی صدارت ملک کرم داد، ڈپٹی کمشنر ملتان نے کی۔

۵۔ یوم اقبال کی ایک تقریب ۲۴ اپریل ۱۹۶۷ء کو بزم اقبال کے زیر اہتمام ملت ہائی اسکول، ملتان میں منعقد ہوئی، اس تقریب کی صدارت حکیم محمد حسین قریشی نے کی۔ اجلاس میں علامہ اقبال کی تعلیمات، فلسفہ، تصوف اور شاعری پر مقالات پڑھے گئے۔

بزم اقبال کے تحت یوم اقبال کی تقریبات میں جن شخصیات نے شرکت کی، منشی عبدالرحمٰن اس کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں،

"بزم اقبال ملتان کی مختلف تقاریب میں ان دانشوروں کو خطاب کرنے کا موقع ملا۔ جنرل حسن ارفع سفیر ایران، پروفیسر این میری شمل، پروفیسر بون یونیورسٹی مغربی جرمنی، چودھری محمد علی وزیر اعظم پاکستان، مسٹر جسٹس ذکی الدین پال جج پنجاب ہائی کورٹ، علامہ علاؤالدین صدیقی صدر و مشاورتی کونسل و وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی مسٹر ممتاز حسن گورنر اسٹیٹ بنک آف پاکستان، خواجہ عبدالرحیم صدر مجلس اقبال لاہور، مجید نظامی مدیر روزنامہ نوائے وقت لاہور، آغا شورش کاشمیری ایڈیٹر ہفت روزہ چٹان لاہور، ڈاکٹر محمد باقر پرنسپل اورینٹل کالج لاہور، سید قاسم رضوی کمشنر ملتان، علامہ شبیر بخاری، انسپکٹر آف سکولز ملتان، آغا شبیر احمد خاموش۔" (۵)

مارچ ۱۹۷۰ء میں بزم اقبال کا نام تبدیل کر کے مجلس اقبال رکھ دیا گیا۔

مجلس اقبال

۸ امارچ ۱۹۷۰ء کو ملتان میں مجلس اقبال کا قیام عمل میں آیا، اس کے قیام کی خبر دیتے ہوئے، روزنامہ امروز، ملتان رقم طراز ہے۔

"گذشتہ شام نشتر میڈیکل کالج کے سابق پرنسپل ڈاکٹر محمد جمال بھٹہ کے ہاں آغا شیر احمد خاموش کی زیر صدارت اساتذہ، وکلاء، اور ادیبوں کے ایک اجتماع میں مجلس اقبال کا قیام عمل میں لایا گیا۔ ایک اعلان میں بتایا گیا ہے کہ مجلس اقبال کے قیام کا مقصد علامہ اقبال کے نور بصیرت کو عام کرنا ہے۔" (۶)

گلزار علوی ایڈووکیٹ کو اس کا معتمد نامزد کیا گیا، جو اس کے محرک اور روح رواں ہیں، مجلس اقبال کے آئین کے مطابق جو کہ سولہ صفحات پر مبنی ایک شائع شدہ کتابچہ ہے۔

"علامہ قبال کے افکار کے مطالعے اور تحقیق کے لئے "دائرہ اقبال" کے نام سے ایک تحقیقی مرکز ودار لمطالعہ تعمیر کیا جائے گا۔" (۷)

مجلس اقبال کے اساسی اراکین کی تعداد اکیس تھی، اس کا رکن وہ شخص بن سکتا تھا جس کو دو اراکین تجویز کریں اور مجلس عاملہ اس کی توثیق کرے، اس مجلس میں شرکت کیلئے زر رکنیت دس روپے سالانہ تھا۔ مجلس اقبال کے زیر اہتمام منعقدہ چند تقریبات کی تفصیل جو مجلس اقبال کے معتمد سے حاصل ہوئی، حسب ذیل ہے،

"اپریل ۱۹۷۰ء میں مسلم ہائی اسکول ملتان میں یوم اقبال منایا گیا، جس میں آغا شیر احمد خاموش، خواجہ عبدالرحیم، اے ڈی اظہر اور شورش کاشمیری نے علامہ اقبال کے فکر وفن پر مقالات پڑھے جب کہ عاصی کرنالی نے علامہ اقبال کو منظوم خراج عقیدت

پیش کیا۔ سید محمد قاسم رضوی کمشنر ملتان نے اس تقریب کی صدارت کی۔"(۸)
مجلس اقبال کے زیر اہتمام ایک تقریب ۶ نومبر ۱۹۷۶ء کو مسلم ہائی اسکول ملتان میں منعقد ہوئی، جس میں مستشرق المانوی ڈاکٹر این میری شمل پروفیسر بون یونیورسٹی نے علامہ اقبال کے فکر و فلسفہ پر لیکچر دیا۔

"مجلس اقبال" کی سرگرمیاں آج کل چند اساسی اراکین کی رحلت اور کچھ کی ملتان سے منتقل ہونے کے سبب تعطل کا شکار ہیں۔

"مجلس اقبال" کے نام سے گورنمنٹ ملت کالج ملتان اور گورنمنٹ علمدار حسین اسلامیہ کالج ملتان میں بھی طلباء کی دو تنظیمیں قائم ہیں جو باقاعدگی سے ہر برس یوم اقبال کی تقاریب منعقد کرتی ہیں۔

مجلس اقبال

ایمرسن کالج (ق۔۱۹۲۰ء) میں "مجلس اقبال" کا قیام ۱۹۶۳ء میں عمل میں آیا، اس سے قبل "بزم ادب" کے زیر اہتمام بھی علامہ اقبال کے حوالے سے پروگرام منعقد کئے جاتے رہے۔ "بزم ادب" کے روح رواں پروفیسر اکبر منیر تھے۔ فروری ۱۹۵۲ء میں اس بزم کے تحت مضمون نویسی کا ایک مقابلہ منعقد کرایا گیا۔ جس کا موضوع تھا "اقبال کی شاعری پر ایک تنقیدی نظر"، ۱۹۵۴ء میں "بزم ادب" کے زیر اہتمام انٹر اور ڈگری کے طلباء کے لئے تقاریر کے دو مقابلے منعقد ہوئے۔ جس کے عنوانات "پیغام اقبال" اور "فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں"، تھے۔

"مجلس اقبال" کے زیر اہتمام اقبالیات کے حوالے سے ہی پروگرام نہیں بلکہ دیگر قومی شخصیات کے ایام بھی منائے گئے اور تقریبات و مشاعرے منعقد کئے جاتے رہے۔

"مجلس اقبال" کی تقریبات میں جن قابل ذکر شخصیات نے شرکت کی ان کے نام درج ذیل ہیں :

ڈاکٹر این میری شمل، جسٹس جاوید اقبال، صوفی غلام مصطفیٰ تبسم ،ڈاکٹر سید عبداللہ

ریڈیو پاکستان، ملتان

ریڈیو پاکستان ملتان کا قیام ۲ نومبر ۱۹۷۰ء کو عمل میں آیا اس کے آغاز سے خطہ ملتان میں ادبی ثقافتی سرگرمیوں کو ایک نیا ولولہ ملا۔ گذشتہ چوبیس برس میں اس ادارے نے نہ صرف ادب و ثقافت کے فروغ میں گراں قدر خدمات انجام دی ہیں بلکہ اس خطہ کے ادب اور ادیب کو شناخت بھی عطا کی ہے۔ اس دوران ریڈیو پاکستان ملتان نے علامہ اقبال کے فکر و فن اور کلام پر مبنی لاتعداد پروگرام پیش کیے ہیں جو اقبالیاتی ادب میں ایک قابل قدر اضافہ ہیں لیکن افسوس کہ ان تمام کا ریکارڈ ریڈیو پاکستان ملتان کے پاس محفوظ نہیں۔ دستیاب چند برسوں کی کارکردگی کا ایک جائزہ پیش خدمت ہے۔

۱۔ مجلس قبال (ہر منگل) رات آٹھ بج کر تیس منٹ، جون ۱۹۷۷ء

۲۔ آزادی کے ستون علامہ اقبال (تقریر) چار بج کر پینتالیس منٹ، ۵ ستمبر ۱۹۷۸ء

۳۔ سرود سحر (علامہ اقبال کی زندگی کے مختصر واقعات) سات بج کر پندرہ منٹ صبح ۲۱ اپریل ۱۹۷۹ء

۴۔ فکر اقبال اور اسلام کی نشاۃ الثانیہ، مقرر ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا، شام پانچ بج کر پندرہ منٹ، ۲۱ اپریل ۱۹۷۹ء

۵۔ اقبال (بچوں کے لئے کہانی) تحریر قمر حسین، رات آٹھ بج کر بائیس منٹ، ۲۱ اپریل ۱۹۷۹ء

۶۔ کلام اقبال، صبح چھ بج کر پینتیس منٹ، ۲۱ اپریل ۱۹۸۰ء

۷۔ کرن سویر (علامہ اقبال پر خصوصی پروگرام) آٹھ بج کر دس منٹ، صبح ۲۱ اپریل ۱۹۸۰ء

۸۔ اقبال بڑا اَلدیشک (فیچر) صبح گیارہ بج کر پندرہ منٹ، ۲۱ اپریل ۱۹۸۰ء

۹۔ اقبال اور قومی تشخص (تقریر) نو بجے رات، ۲۱ اپریل ۱۹۸۰ء

۱۰۔ اقبال نغماتی تشکیل۔ نو بج کر تیس منٹ، ۲۱ اپریل ۱۹۸۰ء

۱۱۔ حرف محرمانہ (علامہ اقبال کی نظموں پر لیکچر اور انکی غنائی تشکیل)
ہفتہ وار پروگرام، رات نو بج کر پندرہ منٹ، اگست ۱۹۸۱ء

۱۲۔ حرف محرمانہ (علامہ اقبال کی نظموں پر لیکچر اور انکی غنائی تشکیل)
ہفتہ وار پروگرام، رات نو بج کر پندرہ منٹ، ستمبر ۱۹۸۱ء

۱۳۔ حرف محرمانہ (علامہ اقبال کی نظموں پر لیکچر اور انکی غنائی تشکیل)
ہفتہ وار پروگرام، رات نو بج کر پندرہ منٹ، اکتوبر ۱۹۸۱ء

۱۴۔ اقبال کا ایک شعر (پندرہ منٹ دورانیہ) نو بجے رات، ہفتہ وار پروگرام، جنوری تا دسمبر ۱۹۸۲ء

۱۵۔ اقبال کا ایک شعر (پندرہ منٹ دورانیہ) نو بجے رات، ہفتہ وار پروگرام جنوری۔ فروری ۱۹۸۳ء)

۱۶۔ نوائے اقبال (پندرہ منٹ دورانیہ) ہفتہ وار پروگرام چار بجے شام، بروز ہفتہ مارچ تا اگست ۱۹۸۳ء

۱۷۔ نقش اقبال (پندرہ منٹ دورانیہ) ہفتہ وار پروگرام، چار بجے شام، بروز سوموار، ستمبر، اکتوبر، نومبر ۱۹۸۳ء

۱۸۔ گنبد مینائی (کلام اقبال پر مبنی پروگرام) صبح چھ بج کر بیس منٹ ۹ نومبر ۱۹۸۳ء

۱۹۔ سرور سحر (علامہ اقبال کی زندگی کے واقعات) سات بج کر پندرہ منٹ، صبح ۹ نومبر ۱۹۸۳ء

۲۰۔ کرن سویر (سرائیکی میں علامہ اقبال کے کلام کا منظوم ترجمہ) آٹھ بج کر پندرہ منٹ صبح ۹ نومبر ۱۹۸۳ء

۲۱۔ مصور پاکستان (فیچر) تحریر اسلم انصاری، تین بج کر تین منٹ، سہ پہر ۹ نومبر ۱۹۸۳ء

۲۲۔ اقبال کا شاہین (تقریر) بریگیڈیئر جعفر خاں، پانچ بج کر تیس منٹ، شام ۹ نومبر ۱۹۸۳ء

۲۳۔ اقبال تے عشق رسول ﷺ (فیچر) چھ بج کر تیس منٹ، شام ۹ نومبر ۱۹۸۳ء

۲۴۔ بچوں کے لئے کہانی "اقبال" ساڑھے سات بجے رات ۹ نومبر ۱۹۸۳ء

۲۵۔ کلام اقبال دے منظوم سرائیکی ترجمے، سات بج کر پینتالیس منٹ، ۹ نومبر ۱۹۸۳ء

۲۶۔ جاوید نامہ کے فنی اور فکری پہلوؤں کا جائزہ (مذاکرہ) رات نو بجے ۹ نومبر ۱۹۸۳ء

۲۷۔ اقبال کا نظریہ تعلیم، مقرر ڈاکٹر بشیر انور، رات نو بجکر چالیس منٹ پر ۹ نومبر ۱۹۸۳ء

۲۸۔ گنبد مینائی (کلام اقبال پر مبنی پروگرام) تین بج کر تیس منٹ، بروز سوموار، جمعرات، جنوری تا اپریل ۱۹۸۴ء

۲۹۔ کلام اقبال۔ پندرہ منٹ دورانیہ روزانہ رات

۳۰۔ علامہ اقبال میڈی نظر اچ (ماہرین اقبالیات کے تاثرات) آٹھ بج کر دس منٹ صبح ۹ نومبر ۱۹۹۱ء

۳۱۔ علم حرف وصوت (کلام اقبال دا ترجمہ) ڈاکٹر مہر عبدالحق، آٹھ بج کر تیس منٹ صبح ۹ نومبر ۱۹۹۱ء

۳۲۔ تعلیم نسواں اقبال کی نظر میں، مقررہ ثمر بانو ہاشمی، نو بج کر تین منٹ، صبح ۹ نومبر ۱۹۹۱ء

۳۳۔ طلوع اسلام (علامہ اقبال کی مشہور نظم کی ریڈیائی تشکیل) دس بج کر تین منٹ صبح ۹ نومبر ۱۹۹۱ء

۳۴۔ اقبال تے مسلم امۃ (مذاکرہ) پروفیسر عبدالقدوس، ڈاکٹر خاور علی شاہ، ڈاکٹر طاہر تونسوی، تین بج کر تین منٹ، سہ پہر صبح ۹ نومبر ۱۹۹۱ء

۳۵۔ اقبال اور عصر جدید، مقرر ڈاکٹر خواجہ امتیاز علی، پانچ بج کر پانچ منٹ (شام) ۹ نومبر ۱۹۹۱ء

۳۶۔ کلام اقبال دے سرائیکی ترجمے، مقرر ڈاکٹر مہر عبدالحق، سات بج کر تین منٹ رات ۹ نومبر ۱۹۹۱ء

۳۷۔ کلام اقبال، روزانہ پانچ بج کر پندرہ منٹ، اپریل تا دسمبر ۱۹۹۲ء

۳۸۔ اقبال دا مرد مومن، مقرر سید حسن گردیزی، آٹھ بج کر دس منٹ، صبح ۹ نومبر ۱۹۹۲ء

۳۹۔ مسجد قرطبہ کی ریڈیائی تشکیل، نو بج کر تیس منٹ، صبح ۹ نومبر ۱۹۹۲ء

۴۰۔ میرا پیغام محبت ہے، نوجوانوں کیلئے علامہ اقبال کا پیغام اور کلام اقبال، دو بج کر تین منٹ سہ پہر ۹ نومبر ۱۹۹۲ء

۴۱۔ علامہ اقبال کی شاعری میں تصور انسان، مقرر ڈاکٹر طاہر تونسوی، تین بج کر تین منٹ سہ پہر، ۹ نومبر ۱۹۹۲ء

۴۲۔ اقبال اور اسلامی معاسرہ، مقرر ڈاکٹر اسد اریب، پانچ بج کر پندرہ منٹ، ۹ نومبر ۱۹۹۲ء

۴۳۔ اقبال کا شاہین، مقرر بریگیڈیئر محمد اسلم پانچ بج کر تیس منٹ، ۹ نومبر ۱۹۹۲ء

۴۴۔ میڈی اقبال نال ملاقات، مقرر ڈاکٹر مہر عبدالحق، سات بج کر تیس منٹ (رات) ۹ نومبر ۱۹۹۲ء

۴۵۔ اقبال کی غزل میں موضوعات کا تنوع، (مذاکرہ) شرکاء عاصی کرنالی، حسین سحر، علی تنہا، رات نو بج کر پندرہ منٹ، ۹ نومبر ۱۹۹۲ء

۴۶۔ اقبال کا ایک شعر، ہر جمعہ رات نو بجے، نومبر ۱۹۹۲ء

۴۷۔ کلام اقبال روزانہ، پانچ بج کر پندرہ منٹ، اپریل تا دسمبر ۱۹۹۳ء

۴۸۔ اقبال دا پیغام آٹھ بج کر پندرہ منٹ صبح، ۹ نومبر ۱۹۹۲ء

۴۹۔ ساقی نامہ کی ریڈیائی تشکیل، نو بج کر تین منٹ صبح، ۹ نومبر ۱۹۹۳ء

۵۰۔ منزل میرے آگے (فیچر) قمر بخاری، دس بجے صبح، ۹ نومبر ۱۹۹۳ء

۵۱۔ بینائے مشرق، دو بجے سہ پہر، ۹ نومبر ۱۹۹۳ء

۵۲۔ مکتب اقبال (مقرر) حسین سحر، دو بج کر تیس منٹ، ۹ نومبر ۱۹۹۳ء

۵۳۔ اقبال کا مرد مومن (مقرر) پروفیسر عبدالقدوس، پانچ بج کر پندرہ منٹ (شام) ۹ نومبر ۱۹۹۳ء

۵۴۔ اقبال کا تصور شاہین (مقرر) عاصی کرنالی، پانچ بج کر پندرہ منٹ شام ۹ نومبر ۱۹۹۳ء

۵۵۔ اقبال تے عشق رسول ﷺ (فیچر) پروفیسر اسلم انصاری، چھ ج کر بیالیس منٹ ۹ نومبر ۱۹۹۳ء

۵۶۔ کلام اقبال کا سرائیکی ترجمہ، سات ج کر پانچ منٹ ۹ نومبر ۱۹۹۳ء

۵۷۔ علامہ محمد اقبال (مقرر) منورالدین بھٹہ، سات ج کر تیس منٹ ۹ نومبر ۱۹۹۳ء

۵۸۔ حرف راز (اقبال سیمینار) رات نو ج کر پندرہ منٹ ۹ نومبر ۱۹۹۳ء

۵۹۔ پروگرام سٹی سروس۔ پیام اقبال (فیچر) صبح آٹھ ج کر پندرہ منٹ، ۹ نومبر ۱۹۹۴ء

۶۰۔ اقبال نثر نگاری کے آئینے میں، مقرر ڈاکٹر انوار احمد، صبح نو ج کر تین منٹ ۹ نومبر ۱۹۹۴ء

۶۱۔ تصانیف اقبال (فیچر) حسین سحر، صبح دس ج کر تین منٹ، ۹ نومبر ۱۹۹۴ء

۶۲۔ نذر اقبال موضوعاتی مشاعرہ، دس ج کر تیس منٹ، ۹ نومبر ۱۹۹۴ء

۶۳۔ اقبال اور قرآن، مقرر پروفیسر محمد ضیاء، دوپہر دو ج کر پانچ منٹ، ۹ نومبر ۱۹۹۴ء

۶۴۔ حرف راز، علامہ اقبال کے کلام اور ارشادات پر مبنی پروگرام، دو ج کر تیس منٹ ۹ نومبر ۱۹۹۴ء

۶۵۔ تحریک پاکستان تے علامہ قبال، سرائیکی تقریر، مقرر ڈاکٹر عبدالرؤف شیخ، تین ج کر تین منٹ، ۹ نومبر ۱۹۹۴ء

۶۷۔ مصور پاکستان (علامہ اقبال کی سیاسی بصیرت کے حوالے سے) تقریر پروفیسر حمید رضا صدیقی، شام پانچ ج کر پندرہ منٹ ۹ نومبر ۱۹۹۴ء

۶۷۔ اقبال دا مرد مومن، مقرر عبدالرحمٰن، شام چھ بج کر بیالیس منٹ، ۹ نومبر ۱۹۹۴ء

۶۸۔ کلام اقبال کا منظوم سرائیکی ترجمہ۔ رات سات بج کر تیس منٹ، ۹ نومبر ۱۹۹۴ء

بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

جامعہ ملتان کا قیام ۱۹۷۵ء میں عمل میں آیا، ۱۹۷۹ء میں اس کا نام بارہویں صدی کے عظیم بزرگ حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی کے نام پر بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان رکھ دیا گیا۔ بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان اور شعبہ اردو نے ملتان میں اقبالیاتی ادب کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

یونیورسٹی کے شعبہ مطبوعات نے اب تک علامہ اقبال پر دو کتب شائع کی ہیں، ملتان یونیورسٹی کے زیر اہتمام ۲۵ اور ۲۶ دسمبر ۱۹۷۷ء کو قائداعظم اور اقبال سیمینار منعقد ہوا۔ اس میں اردو اور انگریزی زبان میں جو مقالات پیش کیے گئے وہ ۱۹۷۸ء میں پروفیسر عرش صدیقی اور پروفیسر اے بی اشرف نے کتاب کی صورت میں مرتب کیے ہیں۔ ایک سو پچاس صفحات پر مشتمل حصہ اردو میں ہے، جس میں علامہ اقبال پر مندرجہ ذیل مقالات شامل اشاعت ہیں۔

خطبہ استقبالیہ، اقبال سیمینار، پروفیسر ڈاکٹر الطاف علی قریشی

خطبہ صدارت، ڈاکٹر سید محمد عبداللہ

اقبال اور پنجاب یونیورسٹی، پروفیسر ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار

اقبال شناسی تشریح یا تنقید، پروفیسر خلیل صدیقی

علامہ اقبال کے خطبات کا سیاسی اور سماجی پس منظر، پروفیسر محمد اسلم

اسرار خودی میں ذکر شہ مردان علی، پروفیسر افتخار حسین شاہ

اقبال خواب سے حقیقت تک، پروفیسر خواجہ خورشید احمد

اقبال اور آدم نو کی تلاش، پروفیسر عاصی کرنالی

اقبال کا فلسفہ فعالیت، پروفیسر عبدالقادر

اقبال کی امیجری۔ پروفیسر تبسم کاشمیری

اقبال معروضی رشتوں کا شاعر۔ پروفیسر ڈاکٹر اے بی اشرف

انگریزی زبان میں علامہ اقبال پر جو مضامین شائع کیے گئے انکی تفصیل یہ ہے۔

1- The Individual and society in Iqbal's Thinking.

By Dr. Gulam Raza Sabri Tabrizi

2- Iqbal the philopspher of synthesis.

By Dr. Syed Riaz Ahmed

3- Iqbal and Muslim culture,

By. Prof. A.R. Anjum

4- The Nature of Iqbal's criticism of Ibnul Arabi.

By. Muhammad Ismail Bhatti

بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان کے شعبہ مطبوعات نے ۱۹۸۰ء میں ماہر اقبالیات ڈاکٹر این میری شمل کے لیکچرز کو جو کہ انہوں نے وقتاً فوقتاً بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان میں دیئے انہیں "Lectures on Allama Iqbal" کے نام سے شائع کیا

ہے اسے ڈاکٹر اے بی اشرف نے مرتب کیا ہے۔ اس کتاب میں مندرجہ ذیل عنوانات پر لیکچرز شامل ہیں۔

1- The relationship of Iqbal to Islamic mysticism.

2- From Sanai to Maulana Romi and Iqbal

3- Iqbal and Rudolf Pannwitz.

4- Rumi and Iqbal

ملتان یونیورسٹی نے ۷۸۔۱۹۷۷ء میں یونیورسٹی میگزین کا دانائے راز نمبر شائع کیا، اس میں اساتذہ اور طلباء کے علامہ اقبال کے فکر و فن پر لکھے گئے مضامین شامل اشاعت ہیں۔ اس میں بعض مضامین بالکل نئے موضوعات پر ہیں۔ مصنفین کا شمار بھی پاک و ہند کے نمائندہ ادیبوں میں ہوتا ہے، اس اعتبار سے ملتان یونیورسٹی کا یہ شمارہ اقبالیات پر ایک اہم دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔

بہاء الدین زکریا یونیورسٹی کے شعبہ اردو نے اب تک علامہ اقبال پر ایم اے کی سطح کے تین تحقیقی مقالے لکھوائے ہیں۔

۱۔ ''پاکستان میں اقبال کی سوانح عمریوں کا تجزیاتی مطالعہ'' مقالہ نگار کوثر حسین شاہ ۱۹۹۱ء

۲۔ ''ملتان میں اقبال شناسی کی روایت مقالہ نگار، ثمینہ نسیم، ۱۹۹۱ء

۳۔ ''اقبال اور افلاطون'' (اشتراک و اختلاف) مقالہ نگار، مجاہد حسین خٹک ۱۹۹۲ء

شعبہ اردو کے تحت ایک ''مجلس اقبال'' بھی قائم ہے، جو طلباء و طالبات میں فکر اقبال کے لئے کوشاں ہے۔

پاکستان نیشنل سینٹر ملتان

پاکستان نیشنل سینٹر ۱۹۷۳ء میں ملتان میں قائم ہوا۔ اسکے قیام سے یہاں ادبی وثقافتی تقاریب کے انعقاد میں اضافہ ہوا پاکستان نیشنل سینٹر ملتان کے زیر اہتمام قومی شخصیات کے ایام باقاعدگی سے منائے جاتے ہیں اور اس سلسلے یں سیمینار، مشاعرے، کوئیز پروگرام اور ادبی ریفرنس بھی منعقد ہوتے ہیں۔ پاکستان نیشنل سینٹر میں علامہ اقبال کے یوم پیدائش ۹ نومبر اور یوم وفات ۲۱ اپریل کو خاص تقاریب منعقد کی جاتی ہیں۔

نیشنل سینٹر ملتان میں یوم اقبال کی ایک تقریب کا احوال ریڈیو پاکستان ملتان نے نشر بھی کیا اور س کی روئداد ریڈیو کے جریدے آہنگ میں یوں شائع ہوئی۔

"شاعر مشرق کی برسی کے سلسلے میں پاکستان نیشنل سنٹر ملتان نے ایک محفل مشاعرہ کا اہتمام کیا۔ اس تقریب میں ممتاز ادیبوں اور دانش وروں نے علامہ اقبال کی شاعری اور فلسفے پر اپنے خیالات کا اظہار کیا اور نامور شعراء نے شاعر مشرق کے حضور نذرانہ عقیدت پیش کیا۔ محفل مشاعرہ میں ارشد ملتانی، فقیر نور جعفری، اصغر ندیم سید، فرحت ملتانی، سعود کاظمی، آفاق ربانی نے حصہ لیا۔" (۹)

مسلم ہائی اسکول ملتان

ملتان میں ادبی وثقافتی تقریبات کا مرکز زیادہ تر یہ ہی اسکول رہا ہے۔ اس اسکول میں م اقبال اور مجلس اقبال کی تقریبات بھی منعقد کی جاتی رہی ہیں۔ منشی عبدالرحمان اپنی کتاب "بہار رفتہ" میں اس اسکول کی تقریبات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اقبال فہمی اور اقبال آگاہی کے سلسلے میں اس کی شایان شان اور رنگا رنگ تقریبات کا اہتمام اس دانائے راز کی محبت کا قائم مقام بن جاتا اور اس کی سیرت و کردار اور فکر و فن کے نقوش دل و دماغ پر مرتسم کر دیتا۔" (۱۰)

فاران اکادمی ملتان

فاران اکادمی کا قیام ۱۹۸۰ء میں عمل میں آیا۔ اس دوران عصر حاضر تک ملتان میں فاران اکادمی نے علم وادب کے فروغ میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔

"یوم اقبال" کی تقریب کو فاران اکادمی کے زیر انتظام خاص اہتمام سے منایا جاتا ہے۔ ان تقریبات میں اب تک جن اقبال فہم اور اقبال دوست شخصیات نے شرکت کی، ان کے نام یہ ہیں پروفیسر اسلم انصاری، ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، افتخار حسین شاہ، عبدالمجید ساجد، ڈاکٹر اسرار احمد۔

مطبع شمس ملتان

یہ ملتان کا ایک قدیم ادارہ ہے، اس کے زیر اہتمام ہفت روزہ الشمس ربع صدی سے زائد عرصے سے باقاعدہ شائع ہو رہا ہے۔ اسے اسد ملتانی کے بھائی محمد اکرم خاں نے قائم کیا۔ اس ادارے کی جانب سے اب تک علامہ اقبال پر دو کتابچے شائع ہوئے ہیں۔

۱۔ ملت اور وطن (مرتب) محمد اکرم خاں، مارچ ۱۹۳۸ء

۲۔ مرثیہ اقبال۔ اسد ملتانی، جون ۱۹۳۸ء

عالمی ادارہ اشاعت علوم اسلامیہ ملتان

عالمی ادارہ اشاعت علوم اسلامیہ ملتان منشی عبدالرحمٰن نے قائم کیا۔ اس ادارہ کے تحت پندرہ صفحات پر مشتمل مجلّہ "مثانی" ہر ماہ اپریل ۱۹۶۵ء سے باقاعدگی سے شائع ہو رہا ہے۔ ہر ماہ کسی ایک عنوان کے تحت یہ مجلّہ مرتب کیا جاتا ہے۔ اس ادارہ کی جانب سے علامہ اقبال کے فکر و فن پر اب تک چھ شمارے شائع کیے گئے ہیں۔

۱۔ اقبال کا پیغام نوجوانان ملت کے نام، فدا محمد خاں، اپریل ۱۹۸۱ء

۲۔ علامہ اقبال اور وحدت ملی، ڈاکٹر محمد ریاض، اپریل ۱۹۸۲ء

۳۔ علامہ اقبال کا پیغام، علامہ کرم الٰہی مراد، نومبر ۱۹۸۳ء

۴۔ مقام اقبال اور پیغام اقبال، ڈاکٹر محمد جمال بھٹہ۔ نومبر ۱۹۸۵ء

۵۔ اقبال کا تصور اسلام، جسٹس ایس اے رحمان، اپریل ۱۹۸۹ء

۶۔ فکر اقبال کا سرچشمہ قرآن، مرزا فراز بابر مغل، اگست ۱۹۹۰ء

کاروان ادب۔ ملتان

کاروان ادب کے نام سے ایک اشاعتی ادارے کا قیام ۱۹۷۶ء میں عمل یں آیا۔ یہ اب تک مختلف موضوعات پر سو سے زائد کتب شائع کر چکے ہیں۔ اس ادارہ کی جانب سے علامہ اقبال کے فکر و فن پر مندرجہ ذیل کتب شائع ہوئیں۔

۱۔ اقبال دی حیاتی۔ عبدالمجید ساجد، ۱۹۸۲ء

۲۔ دلاں دا چانن، عبدالمجید ساجد، ۱۹۸۴ء

۳۔ افکار و تصورات اقبال، ڈاکٹر ایس ایم منہاج الدین، ۱۹۸۵ء

۴۔ افکار اقبال، ڈاکٹر ایس ایم منہاج الدین، ۱۹۸۶ء

۵۔ اقبال اور جدوجہد آزادی، اجمل صدیقی، حمید رضا صدیقی، ۱۹۸۶ء

۶۔ اقبال، عہد آفریں، اسلم انصاری، ۱۹۸۷ء

۷۔ غالب اور اقبال کی متحرک جمالیات، یوسف حسین خاں، ۱۹۸۸ء

۸۔ مطالعہ اقبال کے چند پہلو، اسلوب احمد انصاری، ۱۹۸۸ء

بیکن بکس ملتان

بیکن بکس گل گشت ملتان کے نام سے کتابوں کی اشاعت کے ادارے کا قیام ۱۹۸۴ء میں عمل میں آیا یہ ادارہ اب تک مختلف موضوعات پر پچاس کتب شائع کر چکا ہے۔

علامہ اقبال پر اس ادارے نے چار کتب شائع کی ہیں۔

۱۔ میر، غالب اور اقبال، ڈاکٹر اے بی اشرف، ۱۹۸۸ء

۲۔ غالب اور اقبال، ڈاکٹر اے بی اشرف، ۱۹۸۸ء

۳۔ اقبال شناسی اور عابد، ڈاکٹر عبدالرؤف شیخ، ۱۹۹۳ء

۴۔ تحریک پاکستان میں علامہ اقبال کا کردار، ڈاکٹر انوار احمد، ۱۹۹۴ء

ادارہ تحقیق و ادب

اس ادارے کا قیام ۱۹۹۴ء میں عمل میں آیا، اس کے زیر اہتمام اب تک علامہ اقبال پر ایک ہی کتاب شائع ہوئی ہے۔ جب کہ دوسری زیر طبع ہے۔

۱۔ اقبال۔ حیات عصر، عبدالمجید ساجد، ۱۹۹۴ء

۲۔ عقیدہ اقبال، عبدالمجید ساجد، زیر طبع

ادارہ تحریک تحفظ ختم نبوۃ ملتان

امیر شریعت عطاء اللہ شاہ بخاری کے فرزند سید عطاء المحسن بخاری کے زیر نگرانی اس ادارے کو دین اسلام کی تبلیغ و اشاعت اور رد قادیانیت کی تحریک کے طور پر چلایا جا رہا ہے۔

اس ادارے نے اب تک علامہ اقبال کے بارے میں انکی تحریروں سے مواد اخذ کر کے دو کتابچے بعنوان ''مسلمان اور قادیانی'' اور قادیانیز ٹریٹرز ٹو اسلام'' (انگریزی) میں

شائع کئے ہیں۔ اس کے علاوہ اس ادارے کے زیر اہتمام ماہنامہ "نقیب ختم نبوت"، ملتان ہر ماہ باقاعدگی سے شائع کیا جاتا ہے۔ اس میں علامہ اقبال کے بارے میں اب تک مختلف شماروں میں درج ذیل مضامین شائع کئے گئے ہیں۔

۱۔ قصہ ایک خط کا۔ شیخ اعجاز احمد کی کتاب "مظلوم اقبال" پر تنقید۔ ڈاکٹر وحید عشرت، جولائی ۱۹۸۸ء
۲۔ قصہ ایک خط کا۔ شیخ اعجاز احمد کی کتاب "مظلوم اقبال" پر تنقید، ڈاکٹر وحید عشرت، اگست ۱۹۸۸ء
۳۔ فلسفہ ختم نبوت، (علامہ اقبال کی تحریروں سے اقتباسات پر مبنی مضمون)، مئی ۱۹۸۹ء
۴۔ قادیانی اور جمہور مسلمان، علامہ اقبال، جون ۱۹۸۹ء
۵۔ علامہ اقبال اور جمہوریت، خالد بشیر احمد، جون ۱۹۸۹ء
۶۔ علامہ اقبال اور فتنہ جمہوریت، حکیم محمود احمد ظفر، اگست ۱۹۸۹ء
۷۔ علامہ اقبال اپنے افکار کی روشنی میں، شیخ حبیب الرحمان بٹالوی، نومبر ۱۹۸۹ء
۸۔ ایک شب حکیم الامت کے ساتھ، پروفیسر منیر چوہدری، نومبر ۱۹۸۹ء
۹۔ اقبال کا تصور جنت و دوزخ، پروفیسر محمد رفیق، ۱۹۹۱ء
۱۰۔ اقبال اور قادیانیت، ڈاکٹر افضل اقبال، جولائی ۱۹۹۲ء
۱۱۔ اقبال کے حضور، حکیم عنایت اللہ نسیم سوہدروی، اگست ۱۹۹۲ء
۱۲۔ اقبال اور مسئلہ قادیانیت کے معاشرتی اور سیاسی عوامل، پروفیسر افضال احمد انور اکتوبر ۱۹۹۲ء
۱۳۔ اقبال اور بخاری حیات ملی کی تصویر کے دو رخ، باری علیگ، دسمبر ۱۹۹۲ء
۱۴۔ اقبال اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری، شورش کاشمیری، دسمبر ۱۹۹۲ء
۱۵۔ م۔ ش کی قادیانیت نوازی اور اولاد اقبال کی گارڈین شپ۔ اپریل ۱۹۹۳ء
۱۶۔ علامہ اقبال اور خطائے الہام، پروفیسر مرزا محمد منور، اگست ۱۹۹۳ء
۱۷۔ اقبال اور قادیانیت، پروفیسر ڈاکٹر شفیق احمد، نومبر ۱۹۹۴ء

ملتان کی مختلف درسگاہوں کے میگزین کے
علامہ اقبال سے متعلق مندرجات

ملتان یونیورسٹی میگزین

علامہ اقبال اور مضامین تعلیم	ڈاکٹر سید عبداللہ	1977-78ء
علامہ اقبال اور عظمت آدم	ڈاکٹر عبادت بریلوی	//
اقبال اور لفظ و معنی کا رشتہ	جابر علی سید	//
اقبال کا مسلک اور مقام	سید نظر زیدی	//
بانگ درا کی مکالماتی فضا	شمیم حیدر ترمذی	//
اقبال کا تصور ابلیس	انوار احمد	//
علامہ اقبال کا الہ آباد کا خطبہ صدارت	ڈاکٹر سید مقصود زاہدی	//
میری غزل ہے میرا ثمر	نجیب جمال	//
اقبال کا ذوق تعمیر	اسلم انصاری	//
"خضر راہ" ایک جائزہ	قیصرہ خانم	//
عورت اقبال کی نظر میں	ڈاکٹر منہاج الدین	//
محفل غائبانہ	مختار احمد عزمی	//
اقبال ماہ و سال کے آئینے میں	احمد فاروق مشہدی	//
کیا اقبال کے فکر و نظر میں تضاد ہے	اسلم ادیب	//
اقبال اور تصوف	مسرت حفیظ	//
اقبال اور اتحاد بین الاسلامی	نسیم رضا چوہدری	//

منظومات

نوائے سروش	رحمان کیانی
خراج عقیدت	ماہر القادر
شعلہ نوا	عاصی کرنالی
بیابہ مجلس اقبال	اسلم انصاری
ترجمان حقیقت اقبال	سید نظر زیدی
اقبال کی برسی	اصغر علی شاہ
اقبال کے حضور میں	شوکت ہاشمی
اقبال غزل کے آئینے میں	صفدر حسین صفدر
زندہ تصویر	سرفراز قریشی
اور ہم تیرے لفظوں کی بیعت کرتے ہیں	اصغر ندیم سید
نذر حکیم الامت	عزیز حاصل پوری
نوائے اقبال	ایزد عزیز
شاعر مشرق	حسین سحر

زلال (مجلہ بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان)

اقبال کا فلسفہ غم	فقیر اختر نواز	۸۰-۱۹۷۹ء
اقبال اور فلسفہ خودی	حیات خالد نارو	۸۹-۱۹۸۸ء

خطبات اقبال ایک جائزہ	پروفیسر حفیظالرحمان	۹۱_۱۹۹۰ء
اقبال تعلیم القرآن ایک جائزہ	عبدالقدوس صہیب	//
اقبال کا نظریہ فن	محمد سردار گجر	//
اقبال کا فلسفہ خودی کا مفہوم	آصفہ نسیم	//
فکر اقبال سے ایک ورق	محمد انعام اللہ ملک	//
تصور دین بنظر اقبال	امجد علی بخاری	//
مقاصد تعلیم اقبال کے نقطہ نظر سے	محمد ابوذر خلیل	//
موت وحیات کلام اقبال میں	جاوید اقبال	//
اقبال نوجوانوں کا شاعر	شوکت علی شفقت	//

گورنمنٹ ولایت حسین اسلامیہ کالج، ملتان کا مجلّہ "النخیل"

علامہ اقبال	محمد لطیف قیصر کمالوی	۱۹۶۶ء
اقبال کے ماخذ فکر	پروفیسر آغا صادق	//
اقبال کا نظریہ خودی	سیدہ رباب زیدی	۱۹۶۸ء
ہم اقبال کے ساتھ کیا سلوک کریں	ثمر بانو ہاشمی	۱۹۶۹ء
عارف خودی اقبال	رانا اقبال احمد نون	//
اقبال اور معراج نبویؐ	ناصر محمود	۱۹۷۰ء
اقبال آج کے دور میں	سید نصرت علی شاہ	۷۲_۱۹۷۱ء

اقبال اور تعمیر قوم	سید محمد خالد بخاری	۱۹۷۳ء
تجلیات	ڈاکٹر سید صفدر حسین	۱۹۷۷ء
اقبال خواب سے حقیقت تک	خواجہ خورشید احمد	//
قرآن اور اقبال	خالد بزمی	//
اقبال مفسر قرآن	محمد فخر عباس	//
اقبال اور حسن ازل	خالد مسعود بھٹی	//
اقبال کا نظریہ قومیت	محمد اکرم شاد	//
اقبال اور مختلف شعبہ ہائے زندگی	مرزا انیس بیگ	//
اقبال کا فلسفہ حسن و عشق	محمد حنیف شاہ	//
حکیم الامت اقبال اور نوجوان	محمد ارشد بیگ صنم	//
اقبال کی شاعرانہ حسن کاری	افضال احمد خان	//
اقبال اور نظریہ جبر و قدر	محمد طارق	//
اقبال اور عشق رسول	اقبال احمد خان	//
علامہ اقبال اور تصور پاکستان	فاروق حسین انجم	//
اقبال کے مرد مومن	محمد عادل انصاری	//
اقبال اور اتحاد اسلامی	محمد سلیم شیخ	۱۹۸۱ء
اقبال اور عشق رسول	تاج علی انجم	//
فکر اقبال	شہزادہ افضل	//
اقبال اور تقدیر	حبیب اللہ	//

اقبال اور تصور شاہین	عبدالروف انجم	۱۹۸۲ء
اقبال کا شاہین	محمد اسلم طاہر ارائیں	//
تحریک پاکستان اور اقبال کی نظریاتی قیادت	پروفیسر غلام حیدر	۸۵۔۱۹۸۴ء
اقبال کا فکر و فلسفہ	پروفیسر فرمان علی طاہر	۸۸۔۱۹۸۷ء
اقبال کا شاہین	محمد طارق شاہ	//
علامہ اقبال کی تصانیف	نصر اللہ طارق	//
اقبال کا نظریہ توحید	محمد شوکت سعیدی	۹۴۔۱۹۹۳ء
علامہ رومی اور علامہ اقبال	سید حسن رضا گردیزی	//
اقبال کا فنی سفر	پروفیسر حسین سحر	//

گورنمنٹ کالج ملتان کا مجلّہ "نخلستان"

اقبال نپولین کے مزار پر	نسیم ملک	۱۹۴۹ء
حقیقت خرافات میں کھو گئی	صابر علی	۱۹۵۴ء
اے اقبال (نظم)	غلام ربانی	۱۹۵۵ء
اقبال کا پیغام نوجوانوں کے نام	محمد آغا کاظم	۱۹۵۶ء
علامہ اقبال اور نژاد نو	محمد اعظم ترین	۱۹۵۷ء
علامہ اقبال کا نظریہ تعلیم	پروفیسر ارشاد احمد ارشد	۱۹۶۰ء

ساقی نامہ	پروفیسر افتخار حسین شاہ	//
امید کا پیامبر	خالد نصیر	//
افکار اقبال کے ارتقائی مراحل	ارشاد احمد ارشد	۱۹۶۱ء
ساقی نامہ کی روشنی میں اقبال اور ترقی پسندی	پروفیسر انوار انجم	//
علامہ اقبال کا پیام تسخیر فطرت	پروفیسر افتخار حسین شاہ	//
اقبال اور اردو غزل	اکرم ندیم زیدی	//
اقبال کا نظام معیشت	فیاض تحسین	۱۹۶۳ء
اقبال اور تصوف	سرور احمد	۱۹۶۵ء
اقبال کا تصور خودی	شرافت نقوی	۱۹۶۶ء
اقبال (نظم)	پروفیسر ریاض حسین رضوی	۱۹۷۳ء
علامہ اقبال اور قائد اعظم	محمد آصف خان	۱۹۷۶ء
فکر اقبال اور عصری تقاضے	پروفیسر افتخار حسین شاہ	۷۹_۱۹۷۸ء
اقبال اور فنون لطیفہ	پروفیسر عقیل جابر	//
اقبال اور نوجوان	غلام علی انجم	//
عہد نو کا ایک عظیم مفکر اقبال	عبد الرحیم	//
اقبال اور اسلامی معاشرے کا تصور	پروفیسر افتخار حسین شاہ	۸۳_۱۹۸۲ء
حیات اقبال کے اہم سال	شہزاد صادق	//
اقبال کا تصور تاریخ	پروفیسر اسلم انصاری	۸۶_۱۹۸۵ء

اقبال اور تندی باد مخالف	پروفیسر افتخار حسین شاہ	۸۸۔۱۹۸۷ء
اقبال کا تصور مرد مومن	شعیب انصر	۹۲۔۱۹۹۱ء
علامہ اقبال اور طالب علم	ماجد سعید	//
اقبال گورنمنٹ کالج میں	عبدالستار دانش	//
شاعر مشرق کے حضور (نظم)	ڈاکٹر صفدر حسین صفدر	//

گورنمنٹ کالج آف ٹیکنالوجی ملتان کا مجلّہ "صناع"

اقبال کا مرد مومن	محمد صادق انجم	۷۹۔۱۹۷۸ء
فرمان اقبال	فرمان احمد	//
اقبال کا تصور عشق	عبدالستار آصف	//
طنز و مزاح محفل اقبال میں	محمد اقبال اصغر	//

Poetry of Iqbal and People of Pakistan.

by Zia Hussain Zia, 1978-79.

اقبال کا نظریہ تعلیم	حفیظ الرحمان قادری	۸۶۔۱۹۸۵ء
اقبال اور فلسفہ خودی	مرزا جمیل اختر	//
اقبال کا شاعرانہ حسن کاری	شہزادہ عالمگیر سید	//
تعبیر خواب اقبال	محمد شکیل احمد	//
شاہینان اقبال	محمد اقبال جاوید	//

The man of action in Iqbal's Poetry,

by Abdul Baqi 1990.

گورنمنٹ کالج آف کامرس ملتان کا مجلّہ "القاسم"

اقبال کا نظریہ ملّیت	محمد ریاض چوہدری	۱۹۷۰ء
ایک نظر اقبال کی شاعری	شاہد علی ترمذی	//
علامہ اقبال (نظم)	جمال نسیم انصاری	۱۹۷۱ء
اقبال کا تصور مرد مومن	رشید احمد	۱۹۹۳ء
کلام اقبال منظوم تراجم (انتخاب)	خالد پرویز	//

گورنمنٹ ملت کالج ملتان کا مجلّہ "قنوان"

علامہ اقبال اور ان کا پیغام	حبیب الرحمٰن	۱۹۸۲ـ۸۳ء
اقبال اور شاعری	رانا شہزاد احمد	۱۹۸۵ء
اقبال کی شخصیت اور افکار	سید ذی جاہ حیدر نقوی	//
اقبال اور نوجوان	پروفیسر عاصی کرنالی	۱۹۸۸ء
علامہ اقبال	امام رضا خان	//

گورنمنٹ کالج سول لائنز ملتان کا مجلّہ "دلیل سحر"

اقبال اور فلسفہ خودی	سید مقدس حسین جعفری	۹۱-۱۹۹۰ء
اقبال اور اتحاد عالم اسلامی	احمد رضا انصاری	//
اقبال، اسلام اور پیغام اسلام	پروفیسر منصور قریشی	۹۴-۱۹۹۳ء
اردو مرکز لاہور اور علامہ اقبال کی نایاب نثری تحریر	پروفیسر انور جمال	//
شاعر مشرق علامہ اقبال کا نظریہ خودی	محمد افضل شاد	//

The Message of Allama Iqbal.

by Afzal Nazir 1993-94.

گورنمنٹ علمدار حسین اسلامیہ کالج ملتان کا مجلّہ "سفینہ ادب"

اقبال کا نظریہ طاقت	پروفیسر ساجد حسین ترمذی	۷۴ء۱۹
اقبال کا انسان کامل	منیر چوہدری	//
شاعر مشرق کی شاعری	شیخ محمد علیم طاہر	//
علامہ اقبال	مظہر نواز خان	//
اقبال کا تصور جنت	پروفیسر عاصی کرنالی	۷۷ء۱۹
اقبال کا انسان کامل	طاہر فاروق	//

تصورات اقبال	سید علی اطہر شوکت	//
علامہ اقبال کی شاعری میں قوم پرستی کا تصور	پیرزادہ سلیم احمد صدیقی	//
اقبال اور تعلیم	پروفیسر شمیم حیدر ترمذی	//
اقبال کا خطبہ الہ آباد	پروفیسر بشیر احمد ملک	//
اقبال اور قرآن حکیم	مغیث الدین ایم۔اے	//
اقبال اور تہذیب مغرب	امان اللہ طاہر	//
اقبال اور عشق رسول	//	//
اقبال کے آخری پانچ سال	پروفیسر حمید رضا صدیقی	//
حیات اقبال ایک نظر میں	فقیر سید وحید الدین	//
اقبال اور تحریک پاکستان	پرفیسر رشید احمد ملک	//
اقبال بحیثیت سیاستدان	پروفیسر حمید رضا صدیقی	//
اقبال (نظم)	پروفیسر عاصی کرنالی	//

Allama Iqbal, The inspirer of the Pakistan Resolution. by Prof. Mirza Gulam Hyder 1977.

Allama Iqbal, A Versatile Genius. by Shauqe Muhammad Somra, 1977.

Allama Iqbal, By Khalid Khanzada

اقبال دین اور سیاست	امان اللہ طاہر	۱۹۸۰ء

اقبال کا فلسفہ موت اور حیات	//	//
فلسفہ اقبال	ایم۔ اشرف صدیقی	۸۳-۱۹۸۲ء
اقبال اور عشق رسول	غلام مصطفیٰ قریشی	//
اقبال اور تہذیب مغرب	پروفیسر مقبول الٰہی	۸۵-۱۹۸۴ء

Iqbal and Democracy.

by Syed Zubair Hussain, 1984-85.

گورنمنٹ کالج برائے خواتین ممتاز آباد ملتان کا مجلہ "شگرف"

علامہ اقبال اور مسئلہ تعلیم	کشور اقبال	۱۹۹۳ء

گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن ملتان کا مجلہ "مسلک"

ابوالکلام آزاد اور اقبال کا فکری موازنہ	پروفیسر مختار احمد ظفر	۷۳-۱۹۷۲
اقبال (نظم)	عاصی کرنالی	۷۷-۱۹۷۶
اقبال اور نوجوان نسل	لیفٹیننٹ جنرل محمد ضیا الحق	//
اقبال خواب سے حقیقت تک	خواجہ خورشید احمد	//
اقبال حرکت و تغیر کا پیامبر	پروفیسر شمیم حیدر ترمذی	//
اقبال اور سائنس	پروفیسر این۔ڈی امجد	//

اقبال داعی عمل	امانت علی راحت	//
اقبال کی شاعری	منظور احمد	//
اقبال کی اردو غزل ایک مختصر جائزہ	طارق منیر	۱۹۸۷۔۸۸ء
اقبال کا تصور سیاست	پروفیسر شمع ناہید پاشا	۱۹۹۳ء
اقبال کی شاعرانہ عظمت	محمد سردار گجر	//
اقبال اور تصور وطنیت	شازیہ کرامت	//
علامہ اقبال بحیثیت قومی شاعر	عمر علی	//
اقبال کا تصور حیات	بشریٰ خان	//
اقبال کا فلسفہ خودی	شکیلہ سلیم	۱۹۹۴ء
اقبال اور تسخیر فطرت	آصفہ نسیم	//
اقبال اور مسلمان نوجوان	نسیم اختر	//
اقبال کا نظریہ عقل و عشق	حافظ بشیر احمد ناز	//

نشتر میڈیکل کالج ملتان کا مجلّہ ''نشتر''

عورت اقبال کی نظر میں	شاہد اسحاق خان	۱۹۷۷۔۷۸

گورنمنٹ کالج آف سائنس ملتان کا مجلّہ ''سپیکٹرم''

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے	کاشف رحمٰن کاشف	۱۹۹۰ء
اقبال اور درس حیات	محمد عارف انیس	//
خودی	محمد جاوید اقبال انجم	//

گورنمنٹ کالج برائے خواتین ملتان کا مجلّہ "گل صحرا"

اقبال اور تحریک پاکستان	زاہدہ ربانی	۷۹۔۱۹۷۸ء
اقبالیات	سعادت بشیر	//
ہم اور اقبال	نسرین اختر	//
ایرانی شعراء میں اقبال کا مقام	شائستہ پروین	//
اقبال کا فلسفہ خودی اور مقام خودی	شکیلہ ملک	//
اقبال کی شاعری	رضیہ انوار رضی	//
اقبال اور توحید	فریدہ اعظم	//
اقبال کی قران دوستی	کوثر پروین	//
اقبال کا نظریہ تعلیم	ڈاکٹر زبیدہ صدیقی	//
نذر اقبال (نظم)	مسز شاہدہ یوسف	//
استقبال از اقبال (نظم)	ڈاکٹر زبیدہ صدیقی	//
خواب اقبال (نظم)	رضیہ انوار رضی	//
اقبال (نظم)	روشن جمال	//

نذر علامہ اقبال (نظم)	غزالہ نیاز	//
علامہ اقبال (نظم)	شہلا نقوی	//
علامہ اقبال کے لئے ایک نظم	نیلوفر صدیقی	//
انیس اور اقبال	زاہدہ بتول	۱۹۸۸ء
اقبال کا تصور فرد و جماعت	نسیم بٹ	//
اقبال (نظم)	رفعت انصاری	//

گورنمنٹ جوہر ہائی اسکول ملتان کا مجلّہ "جوہر"

اقبال اور نوجوان	عبدالمعید	۹۵_۱۹۹۴ء
اقبال کا شاہین	اللہ بخش عاصم	//

حواشی

1- بحوالہ ملتان کے ادبی ادارے غیر مطبوعہ مقالہ برائے ایم۔ اے اردو، جامعہ زکریا ملتان ۸۳_۱۹۸۲ء، ص ۲۴

2- بیرسٹر جگدیش چندر بترہ، مقیم دہلی کا راقم کے نام مکتوب، ۱۴ جون ۱۹۹۴ء

3- ملتان کے ادبی ادارے، ص ۲۴

4- ڈاکٹر مہر عبدالحق سے راقم کا انٹرویو، ۱۳ اگست ۱۹۹۴ء، بمقام ملتان

5- عبدالرحمٰن منشی،، بہار رفتہ، جاوید اکیڈمی ملتان، ۱۹۷۵ء، ص ۱۰۷

6- روزنامہ امروز، ملتان، ۲۹ مارچ ۱۹۷۰ء

7- آئین مجلس اقبال، ملتان، ص ۳

8- گلزار احمد علوی ایڈووکیٹ، معتمد مجلس اقبال سے انٹرویو،، ۲۰ نومبر ۱۹۹۴ء، بمقام ملتان

9- پندرہ روزہ آہنگ، کراچی، ۱۶ سے ۳۰ جون ۱۹۷۷ء، جلد ۳۰، شمارہ ۱۲، ص ۱۵

10- بہار رفتہ، منشی عبدالرحمٰن، ص ۱۲۸

باب پنجم

ملتان میں اقبال شناسی کا مجموعی جائزہ

اقبالیات اردو ادب میں سدا بہار موضوع کی حیثیت اختیار کر چکا ہے اور اس میں متواتر ہر برس اضافہ ہو رہا ہے۔ کتب اور مقالات لکھے جا رہے ہیں اور نئی تحقیق سے نئے موضوعات اور شواہد جنم لے رہے ہیں۔ جس نے اس کی جہات اور وسعت میں اضافہ کر دیا ہے۔ علامہ اقبال دنیا بھر میں ایک عظیم مفکر اور فلسفی کے طور پر ارباب عقل و دانش کی توجہ کا مرکز بن چکے ہیں اور ان کی شعری اور افکار کے کئی زبانوں میں تراجم ہو رہے ہیں۔ اس تناظر میں یہ ناممکن تھا کہ خطہ ملتان میں اس بے پناہ تخلیقی قوت اور صلاحیت کی حامل فکر کی طرف توجہ نہ کی جاتی لیکن جب ملتان کی ادبی ثقافتی تاریخ کا جائزہ لیا جاتا ہے تو یہ ناقابل تردید حقیقت سامنے آتی ہے کہ اس خطہ نے نہ صرف ابتداء ہی میں جب اقبال بھی اقبال سے آگاہ نہ تھا اس کے اثرات کو قبول کیا ہے اور اپنایا ہے، جس کی ایک مثال ۱۹۱۶ء میں ملتان میں بزم اقبال کا قیام ہے جو خطہ ملتان کو بر صغیر میں اقبال شناسی میں ممتاز بنا دیتا ہے۔ اس سے لالہ بال کشن بترہ ابر ایک اقبال دوست شخصیت کے طور پر سامنے آتے ہیں۔ ان کی اقبالیات میں دوسری بڑی کاوش ۱۹۳۰ء میں ملتان سے ہفت روزہ اقبال کا اجراء ہے جو باقاعدگی سے قیام پاکستان سے کچھ عرصے قبل تک شائع ہوتا رہا اور پھر لالہ بال کشن بترہ ابر کے کانپور بھارت ہجرت کر جانے کے باعث بند ہو گیا۔ یہ اس دور کا ایک مقبول ادبی ہفت روزہ تھا۔ اس

میں شاعری، حالات حاضرہ، افسانے، کتب پر تبصرہ شائع ہوتا تھا۔
لالہ بال کشن بترہ ابر نے پیروی اقبال میں اشعار بھی کہے، خطہ ملتان کے علامہ اقبال سے تعلق خاطر کا ایک اور ذریعہ مرزا محمد ارشد گورگانی ہیں۔ لاہور کے ایک مشاعرے میں علامہ اقبال کے شعر پر ان کی بے ساختہ داد علامہ اقبال کی سوانح عمریوں میں ایک بڑے واقعہ کے طور پر رقم ہے۔ محمد عبداللہ قریشی اپنی کتاب "حیات اقبال کی گمشدہ کڑیاں" میں انہیں بھی اقبال کے اساتذہ میں شمار کرتے ہیں وہ مرزا ارشد گورگانی کے حوالے سے لکھتے ہیں :
"شاعری میں ان کے شاگردوں کا حلقہ بڑا وسیع تھا۔ ابتداء میں چند روز اقبال بھی ان سے مشورہ سخن کرتے رہے۔"(۱)
جب کہ ڈاکٹر طاہر تونسوی اپنے مضمون "ملتان میں اردو شاعری" میں مرزا رشد گورگانی کو ملتان کے تین بڑے شعراء میں شمار کرتے ہیں۔
"بیسویں صدی کے آغاز میں مرزا ارشد گورگانی کا شمار ملتان کے تین بڑے نمائندہ شعراء میں ہوتا تھا۔"(۲)
خطہ ملتان سے علامہ اقبال کے ربط و تعلق کا اظہار چند شواہد سے ہوتا ہے کہ انہوں نے اس خطے کے علمی سرچشموں سے اکتساب فیض کیا۔
خطہ ملتان میں بارہویں صدی عیسوی کی روحانی و دینی شخصیت حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانی ہیں۔ آپ اس خطے میں مثل شجر سایہ دار تھے کہ آج تک ان کا فیضان جاری و ساری ہے۔ فخرالدین عراقی صاحب "لمعات" حضرت بہاؤالدین ذکریا ملتانیؒ کے مرید اور داماد تھے۔ مورخین ملتان اس بات پر متفق ہیں کہ ابن عربی کی فکر اور عقائد ان کی وساطت سے برصغیر پاک و ہند میں پھیلے۔ علامہ اقبال کی ابتدائی شاعری میں وحدت

الوجود کے حوالے سے اس کے اثرات موجود ہیں۔

امیر سادات حضرت بہاؤالدین ذکریا کے ایک اور مرید تھے ان کے سوالوں کو شیخ محمود شبستری نے اپنی فارسی مثنوی ”گلشن راز“ میں موضوع بنایا ہے۔ علامہ اقبال نے اسی کے انداز میں اس سے استفادہ کرتے ہوئے فارسی مثنوی ”گلشن راز جدید“ لکھی۔ تصوف کی دنیا میں جو سوالات سینکڑوں برس پہلے حضرت بہاؤالدین ذکریا ملتانیؒ کے شاگرد نے اٹھائے تھے علامہ اقبال نے بیسویں صدی میں انہی کے جوابات لکھے۔ اس طرح اقبال اور ملتان میں علم و حکمت کا ایک تعلق بن جاتا ہے۔

انیسویں صدی کے اواخر میں خطہ ملتان کے ایک عظیم صوفی بزرگ و شاعر خواجہ غلام فرید ہیں۔ اس خطے میں خواجہ غلام فریدؒ کی ذات ایک ادارے کی حیثیت رکھتی ہے۔ ان کی مسحور کن نواؤں نے ملتان اور اس کے نواح کی فضاؤں میں گنگناہٹ کا رس گھول دیا۔ ان کی شاعری میں ہجر و فراق اور اس کے کرب کی دردناک فضا پائی جاتی ہے۔ ان کے نزدیک فرد واحد کا روحانی کمال یہ نہیں کہ وہ اپنی ہستی مطلق میں ضم کردے بلکہ وہ ذات کی انفرادیت اور اس کے عرفان کا درس دیتے ہیں۔ چنانچہ خودی،، فراق اور عشق کے سلسلے میں ان کے خیالات علامہ اقبال سے مماثلت رکھتے ہیں۔ علامہ اقبال کے کلام میں بعض جگہوں پر خواجہ غلام فرید کے اشعار کے ساتھ حیرت انگیز مماثلتیں بھی نظر آتی ہیں۔ رئیس غلام نبی خان اپنے ایک سرائیکی مضمون ”خواجہ صاحب اقبال اتے عشق“ میں درج ذیل مشابہتوں کا تذکرہ کرتے ہیں :

ایہا ریت سکھی ہنس کہیں کنوں

ڈھولا لک چھپ بہندیں میں کنوں

(خواجہ غلام فرید)

؎ تجھ کو دریدہ نگاہی یہ سکھا دی کس نے
رمز آغاز محبت کی بتا دی کس نے
(علامہ اقبال)

؎ عشق ہے رہبر رہ فقر دا
عشق ہے ہادی پریم نگر دا

؎ عشقوں حاصل ہے عرفان
عشق اسا ڈا دین ایمان
(خواجہ غلام فرید)

؎ عشق دم جبریل ، عشق دل مصطفیٰ
عشق خدا کا رسول ، عشق خدا کا کلام
(علامہ اقبال)

؎ جتھ کرڑ کنڈا بوٹی ڈھیر اے
اتھ یار فرید دے ڈیرے
(خواجہ غلام فرید)

؎ کبھی صحرا ، کبھی گلزار ہے ہے مسکن میرا
شہر ویرانہ میرا ، بحر میرا بن میرا
(علامہ اقبال)(۳)

خواجہ غلام فرید ۱۹۰۱ء میں وفات پا گئے یہ وہ دور تھا جب علامہ اقبال کا شاعری کے حوالے سے اتنا شہرہ نہ تھا۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ علامہ اقبال نے خواجہ غلام فرید سے اکتساب فیض کیا۔

خطہ ملتان سے علامہ اقبال کے ساتھ ربط و تعلق رکھنے والی شخصیات میں ارشد گورگانی کے بعد پہلی بڑی اور قابل ذکر شخصیت پروفیسر اکبر منیر کی ہے جو ایک طویل عرصے تک ایمرسن کالج ملتان میں عربی کے استاد رہے ان کی علامہ اقبال سے خط و کتابت بھی تھی اس کے علاوہ علامہ اقبال نے ان کی شاعری میں مدد و راہنمائی بھی کی غلام رسول ازہر اپنے مضمون "علامہ اقبال کا ایک بھولا بسرا نیاز مند" میں لکھتے ہیں:

"پروفیسر محمد اکبر منیر ۱۹ مارچ ۱۸۹۵ء کو موضع مرادپور ضلع سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ یوں وہ نہ صرف علامہ اقبال کے ہم وطن تھے بلکہ ان کے استاد گرامی مولوی سید میر حسن کے شاگرد بھی تھے۔" (۴)

اکبر منیر اپنے زمانہ طالب علمی میں ہی اپنے کالج کی ادبی مجالس اور انجمن حمایت اسلام کے جلسوں میں بھی نظمیں پڑھتے رہتے تھے۔ ۱۹۲۶ء میں جب وہ اورینٹل کالج میں منشی فاضل کے طالب علم تھے، انہیں ان کی ایک نظم پر انجمن حمایت اسلام کے زیر اہتمام نظموں کے مقابلے میں اول انعام ملا اور یہ ہی واقعہ ان کی علامہ اقبال سے عقیدت اور وابستگی کا باعث بن گیا۔

"انجمن حمایت اسلام نے کالجوں کے طالب علموں کے لئے نظموں کے مقابلے کا اعلان کیا جس میں علامہ اقبال کے فیصلے کے مطابق اکبر منیر کی نظم "روضہ رسول" اوّل انعام کی حق دار ٹھہری جو انہیں نقدی، تحفے اور گھڑی کی صورت میں ملا۔" (۵)

اکبر منیر کا علامہ اقبال سے براہ راست رابطہ و تعلق ۱۹۱۸ء میں ہوا، جب انہوں نے اپنی ایک نظم علامہ اقبال کو ان کی تعریف و توصیف کے ساتھ روانہ کی۔ اس وقت اکبر منیر اسلامیہ کالج لاہور کے طالب علم تھے۔ اس کے جواب میں علامہ اقبال

نے انہیں ایک خط لکھا جو انگریزی زبان میں ہے اس میں علامہ اقبال اکبر منیر کو شاعری کے بارے میں مشورہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں :

"آپ کی نظم سے مجھے اندازہ ہوتا ہے کہ اگر آپ نے مشق جاری رکھی اور غور و فکر کی عادت ڈالی تو ایک روز آپ کو اس میدان میں بہت بڑی کامیابی نصیب ہو گی۔ شعر کا منبع و ماخذ شاعر کا دماغ نہیں اس کی روح ہے اگرچہ تخیل کی بے پایاں وسعتوں سے شاعر کو محفوظ رکھنے کے لئے دماغ کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔" (۶)

پنجاب یونیورسٹی کی تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد ۱۹۱۹ء میں اکبر منیر کو بحرین میں ملازمت مل گئی اور سال بھر کے بعد وہ تلاش روزگار کے لئے ایران چلے گئے۔ ۱۹۲۳ء میں بغداد پہنچے اور ایک برس گزار کر وطن واپس آئے۔ ۱۹۲۵ء میں انہیں ایمرسن کالج ملتان میں عربی کے استاد کی حیثیت سے ملازمت مل گئی۔ یہاں وہ ۱۹۵۴ء تک قیام پذیر رہے۔ قیام ایران کے دوران ان کے فارسی اشعار وہاں کے مجلّوں اور روزناموں میں شائع ہوئے اور اکبر منیر کو ایرانی ارباب سخن میں بے حد پذیرائی حاصل ہوئی۔

۱۹۱۸ء میں ان کی علامہ اقبال سے جس سلسلہ مراسلت کا آغاز ہوا تھا وہ قیام ایران اور بعد میں ملتان منتقل ہو جانے تک جاری رہا۔ اکبر منیر کے نام علامہ اقبال کے نو خطوط ملتے ہیں جو "اقبال نامہ" حصہ دوم میں طبع ہوئے ہیں۔ قیام ایران کے دوران اکبر منیر کے نام علامہ اقبال کے مکتوبات میں زیادہ تر ایران میں لکھی جانے والی کتب اور ان کی خرید و فروخت کی بابت تبادلہ خیال کیا گیا ہے۔

اکبر منیر کی علامہ اقبال سے عقیدت اور الفت اور خیالات میں ہم آہنگی ان کے خط کے درج ذیل اقتباس سے آشکار ہوتی ہے وہ علامہ اقبال کو لکھتے ہیں :

"خضر راہ کا مطالعہ کیا، ان خیالات کا عکس دیکھنے میں آیا جو میرے دماغ میں چکر لگا رہے تھے، اکثر مقامات پر آپ نے بات میرے منہ سے چھین لی ہے۔" (۷)

اکبر منیر کے خطوط سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے قیام ایران میں نہ صرف اپنے خطوط سے علامہ اقبال کو ایرانی ادب کی قدر و قیمت سے آگاہ کیا بلکہ ان کی فارسی مثنویوں کو بھی اپنے حافظہ کی بنیاد پر معاصر ایرانی شعراء میں مقبول بنایا۔ علامہ اقبال کو ایک خط میں لکھتے ہیں :

"جناب کی مثنویات کا میں نے اکثر رفقاء کے یہاں ذکر کیا ہے۔ بعض اشعار جو حافظے میں محفوظ تھے انہیں سنائے ہیں۔ انہوں نے نہایت پسند کئے ہیں اور مثنویات کے طالب ہیں۔ دیوان فارسی کی بھی انہیں بشارت دی ہے۔ ملک الشعراء وغیرہ نے مجھ سے اس امر کا وعدہ لیا ہے کہ ہندوستان واپس جانے پر یہ سب ان کے لئے روانہ کروں۔" (۸)

علامہ اقبال نے اپنے ایک خط میں جو ۲ فروری ۱۹۲۴ء کو لکھا گیا، اکبر منیر کی شاعری کے بارے میں ان خیالات کا اظہار کیا ہے :

"اشعار جو آپ نے بھیجے ہیں نہایت دلچسپ ہیں اور بالخصوص، مسلمانے نبی بینم" نے تو مجھے رلا دیا۔" (۹)

اس کے بعد پروفیسر اکبر منیر کو ایمرسن کالج ملتان میں ملازمت مل گئی اور علامہ اقبال کا ۱۷ مارچ ۱۹۲۵ء کو بنام پروفیسر محمد اکبر منیر لکھا گیا خط ملتان کے پتہ پر ہے۔ اس خط میں علامہ اقبال اکبر منیر کو مجموعہ کلام شائع کرنے کی ترغیب دیتے ہیں اور اس طرح پروفیسر اکبر منیر کے قیام ملتان کے دوران ہی ان کا فارسی مجموعہ کلام "ماہ نو" ۱۹۲۸ء میں "معارف" اعظم گڑھ سے شائع ہوا۔ یہ مجموعہ کلام جب علامہ اقبال کو ملا

تو وہ ۹ نومبر ۱۹۲۸ء کو اپنے ایک مکتوب بنام پروفیسر اکبر منیر لکھتے ہیں :

"آپ نے اپنے بھائی کی وساطت سے نظموں کا جو مجموعہ ارسال فرمایا ہے اس کے لئے شکریہ قبول فرمایئے۔ میں نے اس مجموعے کو نہایت دلچسپی سے پڑھا ہے۔ آپ کا قیام ایران یقیناً آپ کے لئے نہایت سود مند ثابت ہوا ہے۔ اس کی بدولت آپ کے کلام میں ایک سادگی، قوت اور جلا آگئی ہے۔ مجھے امید ہے "ماہ نو" جلد بدر کامل میں بدل ہو جائے گا۔"(۱۰)

اکبر منیر کے قیام ملتان کے دوران علامہ اقبال کا آخری خط مارچ ۱۹۳۳ء میں اکبر منیر کے نام لکھا گیا یہ خط "اقبال نامہ" حصہ دوئم میں صفحہ ۱۶۹ پر طبع ہوا ہے۔

پروفیسر اکبر منیر نے اپنے قیام ایمرسن کالج ملتان کے دوران "بزم ادب" قائم کی اور ملتان میں اردو شعر و ادب کی ترویج و ترقی میں نمایاں حصہ لیا۔

ملتان میں علامہ اقبال سے تعلق کے حوالے سے تیسری نمایاں شخصیت اسد ملتانی کی ہے۔ اسد ملتانی خطہ ملتان میں علامہ اقبال کے اولین ممدوح، نقاد اور شاعر تھے۔ انہوں نے ہر اعتبار سے اقبالیات میں اول درجے کا ادب تخلیق کیا ہے۔ ان کا "مرثیہ اقبال"، علامہ اقبال کے فکر و فن اور پیروی اقبال میں نظمیں اور پہلا تنقیدی مضمون اس بات کا ثبوت ہے۔

اسد ملتانی خطہ ملتان سے متعلق رکھنے والے علامہ اقبال کے پہلے ملتانی ملاقاتی بھی ہیں۔ انہوں نے اپنے ایک مضمون "فیضان اقبال" میں علامہ اقبال سے ملاقاتوں کا احوال بھی رقم کیا ہے۔ سید نذیر نیازی اپنی کتاب "دانائے راز" میں ایک ملاقات کا حال درج کرتے ہوئے رقم طراز ہیں :

"۱۹۳۳ء میں محمد اسد ملتانی مرحوم ڈاکٹر انصاری مرحوم کے دولت کدہ

دار السلام میں ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ زبان کا ذکر آیا تو فرمایا زبان تو اہل فکر خود پیدا کرتے ہیں۔ اہل زبان کے متعلق اتنا سمجھتا ہوں کہ انہیں چکی چولہے کے الفاظ کافی تعداد میں معلوم ہوتے ہیں۔ ورنہ علمی خیالات کے اظہار کے لئے اہل زبان اور غیر اہل زبان دونوں برابر ہیں۔ دونوں کو حالات کے مطابق الفاظ تراشنا پڑتے ہیں۔" (۱۱)

(ملتان کی ایک اور دینی اور سیاسی شخصیت سید عطاء اللہ شاہ بخاری) (۱۸۹۲ء۔۱۹۶۱ء) تھے۔ تحریک پاکستان کے دوران انگریز سامراج کے خلاف ان کی شعلہ بیانی نے انگریز کے اقتدار کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ قادیانیت کے خلاف تبلیغ واشاعت کے لئے بھی ان کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور علامہ اقبال کا بھی ربط و تعلق ایک عرصہ تک قائم رہا۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ علامہ اقبال کے مداح اور عقیدت مند تھے اور اکثر اپنی تقاریر میں علامہ اقبال کے اشعار پڑھتے تھے۔

"علامہ اقبال کی انتخابی مہم ۱۹۲۶ء میں عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے بھی متعدد مواقعوں پر علامہ اقبال کی حمایت میں جلسوں میں حصہ لیا اور اپنے جوش خطابت کا مظاہرہ کیا۔" (۱۲)

شورش کاشمیری اپنے ایک مضمون "اقبال اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری" میں سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی زبان علامہ اقبال سے ملاقاتوں کی بابت لکھتے ہیں :

"شاہ جی فرماتے تھے جب کبھی میں ان کے ہاں حاضر ہوتا وہ چارپائی پر گاؤ تکیہ کا سہارا لے کر بیٹھے ہوتے۔ حقہ سامنے ہوتا، دو چار کرسیاں بچھی ہوتیں، صدا دیتا، یا مرشد! فرماتے آ بھی پیرا، بہت دناں بعد آیا ایں (بہت دنوں بعد آئے ہو) علی بخش سے کہتے حقہ لے جاؤ اور کلی کے لئے پانی لاؤ۔ کلی فرماتے پھر ارشاد ہوتا، ایک رکوع سناؤ میں پوچھتا

حضرت کوئی تازہ کلام، فرماتے ہوتا ہی رہتا ہے۔ عرض کرتا لائیے، کاپی منگواتے، پہلے رکوع سنتے پھر وہ اشعار جو حضور ﷺ سے وابستہ ہوتے۔ قرآن پاک سنتے وقت کانپنے لگتے تھے، لیکن جب حضور ﷺ کا ذکر ہوتا یا ان سے متعلق کلام پڑھا جاتا تو چہرہ اشک بار ہو جاتا۔ حضور ﷺ کا ذکر ہمیشہ باوضو ہو کر لیتے تھے۔ حضور ﷺ کے ذکر پر اس طرح روتے جس طرح ایک معصوم بچہ ماں بغیر روتا ہے۔" (۱۳)

علامہ اقبال کے عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی ایک اور ملاقات کا حال یوں درج ہے:

"ایک دفعہ (بروایت شاہ جی) جلسوں کی رونق پر گفتگو کرتے رہے کہنے لگے عامتہ المسلمین میں بڑی جان ہے، اس قوم کا مزاج حرارت سے بنا ہے، یہ بجھنے کے لئے پیدا نہیں کی گئی۔ ساری خرابی لیڈر شپ کی ہے، خواص تو خیر عضو معطل ہیں، انہیں اپنے جسم کا عیش چاہئے، لیڈر گم کردہ راہ ہیں۔ لوگوں کو صحیح راستے پر نہیں لاتے۔ عرض کیا، حضرت یہ بھی آپ نے مفروضہ قائم کر لیا ہے، قوم خود ہی صحیح راہ پر نہیں آتی؟ آپ کے لئے عامتہ المسلمین کس طرح تڑپتے ہیں لیکن آپ مجمع میں آتے ہی نہیں؟ نہیں پیر جی یہ بات نہیں، میرا مجمع میری کتابیں ہیں، میں ہجوم وافکار میں اس طرح گھرا رہتا ہوں کہ بسا اوقات فرصت کے اوقات ہی عنقا ہو جاتے ہیں۔ ٹھیک ہے مرشد! میں نے تو کبھی اپنی کتابوں کی گرد بھی نہیں جھاڑی ہے۔ او شاہ جی! تساں تے دلاں تے، دماغاں دیاں مٹی جھاڑ دے او (شاہ جی! آپ تو دلوں اور دماغوں کی گرد جھاڑتے ہیں) شاہ جی نے یہ بیان کیا تو ان کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ فرمایا ہائے کیا انسان تھا جدید دانش اور قدیم حکمت کا نقطہ معراج۔ چونکہ میاں سے محبت کرتے تھے اس لئے اللہ نے ان پر علم و دانش اور فکر و نظر کی سبھی راہیں کھول دی تھیں۔ وہ میدان

کا کھلاری نہیں تھا لیکن علم اس کا خانہ زاد تھا۔" (۱۴)

سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے بعد عصر حاضر میں ان کا لائق فرزند عطاء المحسن ان کی تحریک کو جاری وساری رکھے ہوئے تھے۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی دو تنظیمیں "مجلس احرار اسلام پاکستان" اور تحریک تحفظ ختم نبوت" ملتان نے اسلام اور قادیانیت کے بارے میں بے پناہ لٹریچر طبع کر کے ملک اور بیرون ملک تقسیم کیا ہے۔ اس کے زیر اہتمام شائع ہونے والے ماہنامہ "نقیب ختم نبوت" ملتان نے علامہ اقبال کے قادیانی افکار و نظریات پر مبنی دو کتابچے شائع کئے ہیں اور بہت سے مضامین اقبالیات کے حوالے سے اس جریدہ میں طبع ہوئے ہیں۔

ملتان میں علامہ اقبال کے ایک اور عقیدت مند اور ملاقاتی مولانا نور احمد فریدی (۱۹۰۸۔ ۱۹۹۴) ادیب اور محقق تھے۔ اسلام، تاریخ اور تحقیقی موضوعات پر انہوں نے پچیس کتب تصنیف کیں۔ "دیوان فرید" کا اردو ترجمہ و تشریح (تین جلدوں میں) ان کا ایک اہم تخلیقی و تحقیقی کام ہے۔

علامہ اقبال کے بارے میں تیس صفحات پر مبنی انہوں نے ایک کتابچہ بعنوان "صوفیانہ افکار و نظرات میں علامہ اقبال کے" مجددانہ تصرفات" کو قلم بند کیا۔ جس میں علامہ اقبال کے بزرگان دین سے ربط و تعلق اور عقیدت کو نمایاں کیا گیا ہے۔ مولانا نور احمد فریدی علامہ اقبال سے اپنی ایک یادگار ملاقات کا احوال بتاتے ہیں :

"میں اپنے دو تین دوستوں کے ہمراہ ۱۹۳۰ء میں لاہور میں علامہ اقبال کی قیام گاہ پر حاضر ہوا۔ ان کے ملازم علی بخش نے ہمیں حضرت علامہ کی نشست گاہ میں پہنچا دیا۔ وہ چارپائی پر نیم دراز تھے۔ ہم نے انہیں اپنا تعارف کروایا کہ ملتان سے حاضر ہوئے ہیں۔ یہ سن کر بہت خوش ہوئے، فرمانے لگے چلو اس بہانے ملتان کی زیارت ہو گئی۔ مجھے

ملتان سے وہاں کے بزرگان دین کے حوالے سے بے حد محبت ہے۔ وہاں کے بزرگان دین کے بارے میں کچھ تفصیلات بتائیں۔ انہیں کچھ واقعات بتائے گئے جنہیں وہ غور سے سنتے رہے۔ پھر چند اور باتوں کے بعد ہم نے ان سے رخصت پائی۔" (۱۵)

مولانا نور احمد فریدی کے ادارہ "قصر الادب" کے زیر اہتمام ماہنامہ "سرائیکی ادب" ملتان میں علامہ اقبال کے افکار و فلسفہ پر سرائیکی میں نثری اور منظوم تحریریں بھی شائع ہوتی رہی ہیں۔

ملتان کے ایک اور ادیب و محقق ڈاکٹر مہر عبدالحق (۱۹۲۰۔ ۱۹۹۵) کو بھی علامہ اقبال سے ملاقات کا شرف حاصل ہے۔ ڈاکٹر مہر عبدالحق نے سرائیکی زبان میں "جاوید نامہ" کا منظوم ترجمہ کیا ہے۔ ریڈیو پاکستان ملتان پر اقبالیات کے حوالے سے سرائیکی اور اردو زبان میں پروگراموں میں بھی ڈاکٹر مہر عبدالحق باقاعدگی سے حصہ لیتے رہتے تھے۔ ان کی علامہ اقبال سے ۱۹۳۳ء میں ایک ملاقات کا حال مجلّہ سہ ماہی "اقبالیات" لاہور میں بعنوان "اقبال کی خدمت میں میری پہلی و آخری حاضری" شائع ہوا ہے۔ اس وقت ڈاکٹر مہر عبدالحق گورنمنٹ ایس ای کالج بہاولپور کے طالب علم تھے۔ چنبست کے ایک شعر کی تفہیم و تشریح ان کے ہم جماعتوں کے لئے گنجینہ معنی کا طلسم بن گئی۔ اس شعر کی اصل حقیقت جاننے کے لئے ان کے دوستوں نے علامہ قبال کا انتخاب کیا اور علم کی یہ جستجو ڈاکٹر مہر عبدالحق اور ان کے تین دوستوں کو کشاں کشاں لاہور میں علامہ اقبال کے در تک لے گئی۔ اپنے مضمون میں لکھتے ہیں :

"اس ثناء میں اقبال پلنگ پر گاؤ تکیہ لگا کر بیٹھ چکے تھے ہم نے کرسیاں ذرا قریب کر لیں، ہیبت اور احترام کے ملے جلے ابتدائی تاثرات میں پہلی سی شدت نہیں رہی تھی اور ہمارے تصورات پر جو غلاف سا چھایا ہوا تھ، وہ اس تیقن سے بدل چکا تھا کہ ہم یہاں

سے اطمینان قلب کی دولت سے مالا مال ہو کر جائیں گے۔" (۱۶)

علامہ اقبال نے اپنے افکار و نظریات کی روشنی میں طلباء کو چکبست کے شعر کے معانی اور تشریح سے آگاہ کیا۔ ڈاکٹر مہر عبدالحق اس بارے میں لکھتے ہیں :

"میں آج چھپن سال کے بعد اس ملاقات کی رپورٹنگ کر رہا ہوں لیکن مجھے حافظے پر ذرا بھی زور دینے کی ضرورت محسوس نہیں ہو رہی بلکہ ان تاریخی لمحات کا سارا نقشہ اس وقت بھی آنکھوں کے سامنے پھر رہا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا انداز بیان صداقت اور خلوص پر مبنی ہونے کے باعث اتنا پر اثر تھا کہ ان کی ارشاد کردہ ہر بات دل میں اترتی چلی جاتی تھی۔" (۱۷)

مضمون کے آخر میں اس ملاقات کے مجموعی تاثر کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"وقت ایک گھنٹے سے زیادہ ہو چکا تھا۔ باتیں بھی بڑی دقیق ہوئی تھیں لیکن ہم میں سے کسی کے چہرے پر تھکن کے آثار نہیں تھے۔ رخصت ہونے کو جی نہیں چاہتا تھا اس نابغہ روزگار ہستی سے چند لمحات کا براہ راست استفادہ ہی ہمارے لئے بہت بڑا اعزاز تھا۔ ہم نے اطمینان قلب کی دولت حاصل کر لی تھی، ہم کتنے خوش قسمت تھے کہ اتنی قد آور شخصیت کے تبحر علمی سے فیضیاب ہو سکے۔ ہم نے شکریہ ادا کر کے رخصت لی۔ در و دیوار سے صدائے خاموش آ رہی تھی۔

؎ دگر دانائے راز آید کہ ناید" (۱۸)

ملتان کی مختلف ادبی تنظیموں اور سماجی اداروں نے بھی اقبالیات کے فروغ میں نمایاں حصہ لیا ہے۔ لالہ بال کشن بترہ ابر کی قائم کردہ "بزم اقبال" کی تقریبات کا احوال تو تاحال اخفاء میں ہے لیکن ۱۹۵۸ء۔۱۹۶۸ء تک شیخ اکرام الحق ایڈووکیٹ اور چوہدری گلزار احمد علوی ایڈووکیٹ کے زیر اہتمام "بزم اقبال" اور بعد میں "مجلس اقبال" نے بیاد

اقبال بلند پایہ اجلاس منعقد کیے۔ اس بزم نے ڈاکٹر جاوید اقبال، شورش کاشمیری، ڈاکٹر این میری شمل جیسی بلند مرتبہ شخصیات کی میزبانی کا شرف بھی حاصل کیا۔

گورنمنٹ کالج ملتان میں "بزم ادب" اور "بزم اقبال" نے مشاعرے اور بیاد اقبال متعدد قابل ستائش جلسے منعقد کیے۔ اس کے علاوہ ملتان کے دیگر کالجز اور اسکولوں میں بھی اقبالات پر پروگرام منعقد ہوتے رہے۔

ملتان کی ادبی تنظیموں نے بھی اقبالیات پر وقتاً فوقتاً پروگرام منعقد کیے ان میں خلاقین، فارن اکادمی، اردو اکادمی، حریم فن، مجلس اہل قلم، ملتان اکادمی، بزم فکر و فن، مجلس فکر نو، مجلس وارث شاہ، بزم ادب کے نام شامل ہیں۔

ملتان میں اردو صحافت کا آغاز ۱۸۵۲ء میں ہوا اور عصر حاضر تک ملتان میں صحافت کے ارتقاء کی داستان بے حد طویل ہے۔ قیام پاکستان سے قبل ملتان سے پندرہ اخبارات و رسائل باقاعدگی سے شائع ہوتے تھے۔ ان میں اسد ملتانی اور ان کے بھائی محمد اکرم خان کا روزنامہ "الشمس" ملتان برصغیر پاک و ہند کا مقبول اخبار تھا ۲۶ اپریل ۱۹۳۸ء کی اشاعت میں اخبار نے علامہ اقبال کی وفات پر چار کالمی خبر شائع کی ہے۔ اخبار لکھتا ہے :

"عالم اسلام کے مفکر اعظم حضرت علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال کی وفات حسرت آیات۔" (۱۹)

اس خبر میں علامہ اقبال کی علالت، طبی بورڈ کی کوششیں، میں موت سے نہیں ڈرتا، آپ کی اولاد، جرمن دوست کی آمد، کوٹھی کے باہر ہجوم، جنازہ کی تکمیل، سہیلیں، مرحوم کی مقبولیت، ہڑتال، تعزیت کے پیغامات کے عنوانات کے تحت تفصیلات درج کی گئی ہیں۔ حضرت علامہ کی آخری رباعی کے عنوان سے مندرجہ ذیل فارسی اشعار چوکھٹے میں چھاپے گئے ہیں۔

سرورِ رفتہ باز آید کہ ناید
نسیمے از حجاز آید کہ ناید
سر آمد روزگارِ ایں فقیرے
دگر دانائے راز آید کہ ناید (۲۰)

جنازہ کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے اخبار رقم طراز ہے:

"مرحوم کے جنازے کے ساتھ لمبے لمبے بانس باندھے گئے، اس طرح بیک وقت چالیس چالیس افراد کو کندھا دینے کا موقع ملتا رہا۔ جنازہ میوروڈ، برانڈرتھ روڈ اور ریلوے روڈ اسلامیہ کالج کی گراؤنڈ میں پہنچا۔ ہزاروں کی تعداد میں عوام الناس ادائے نماز جنازہ کی غرض سے پہلے ہی موجود تھے۔ جب جنازہ اس میدان میں پہنچا تو جنازے کے منتظمین نے فیصلہ کیا کہ جنازہ بادشاہی مسجد میں پڑھا جائے۔ اسلامیہ کالج کے میدان سے جنازہ اٹھا لیا گیا اور ہزارہا سوگواروں کیساتھ جنازہ برانڈرتھ روڈ والے دروازے سے نکل کر سرکلر روڈ پر دہلی دروازے کی جانب ہو لیا۔ جنازہ کے ہمراہ پچاس ہزار سے زیادہ لوگ تھے۔" (۲۱)

تازہ اعداد و شمار کے مطابق ملتان سے اس وقت پچیس اخبارات و رسائل باقاعدگی سے شائع ہو رہے ہیں۔ ان میں اب تک علامہ اقبال کے فکر و فن پر سینکڑوں مضامین طبع ہوئے ہیں۔ جو اقبالیات میں قابل قدر اضافہ ہیں۔ ان میں خاص طور پر روزنامہ "نوائے وقت" ملتان اور روزنامہ "امروز" ملتان نے اس سلسلے میں نمایاں حصہ لیا ہے۔ یہ اخبارات ہر برس باقاعدگی سے "یوم اقبال" پر خصوصی اشاعتوں کا بھی اہتمام کرتے رہے اور ان کے صفحات پر اقبالیات کے متنوع موضوعات پر بہت سے مضامین و منظومات بھی شائع ہوئی ہیں۔ ان اخبارات و رسائل میں نہ صرف مضامین کا

لازوال خزانہ محفوظ ہے بلکہ علامہ اقبال کے فکر و فن کے حوالے سے خطہ ملتان میں منعقد ہونے والی تقریبات کی روئیدادیں بھی چھپتی رہی ہیں۔

تاریخی حوالوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ بابا فرید گنج شکرؒ خطہ ملتان میں جنم لینے والے اردو زبان کے پہلے شاعر تھے۔ بیسویں صدی کے آغاز تک ملتان میں اردو شاعری کی ایک مستحکم روایت جنم لے چکی تھی لیکن بعد کے ادوار میں عہد جدید تک ملتان کے شعراء کا قبلہ اقبال ہی کی شخصیت بنی۔ بیسویں صدی کی دوسری دہائی کے آخر سے اس خطہ کی شاعری میں اقبال کا رنگ و آہنگ نمایاں نظر آتا ہے۔ اس سلسلے میں بیسویں صدی کے ابتدائی نصف میں ملتان کے نامور شعراء لالہ بال کشن بترہ ابر بھیم سین ظفر ادیب، منیر اکبر، اسد ملتانی کشفی ملتانی اور راجہ عبداللہ نیاز نے اپنی شاعری کا چراغ علامہ اقبال کی شمع شبستان سے روشن کیا اور اس روشنی سے اپنی لو کو اس حد تک ہم رنگ کیا کہ یہی ان کی شعری شناخت کا نشان بن گیا۔ بعد کی نسل میں بہت سے شعراء نے نہ صرف اپنی شاعری میں علامہ اقبال کو خراج عقیدت پیش کیا بلکہ پیروی اقبال کو موثر شعری قوت و تحریک کے طور پر اپنایا بھی۔

نثر کے میدان میں بھی خطہ ملتان میں اقبالیاتی ادب کا قابل قدر سرمایہ تخلیق ہوا ہے محمد اکرم خان کے کتابچے "ملت اور وطن" مطبوعہ ۱۹۳۸ء سے لے کر ۱۹۹۴ء میں شائع ہونے والی عبدالمجید ساجد کی کتاب "اقبال حیات عصر" تک گزشتہ چھپن برس میں اقبالیات کے موضوع پر تیئیس کتب شائع ہوئی ہیں۔ جن میں تنقید و تحقیق کا اعلیٰ معیار پیش کیا گیا ہے اور ملتان کے ادیبوں اور محققین کا یہ تخلیقی سرمایہ بلاشبہ ملک میں دیگر اقبالیات پر چھپنے والی کتب کے معیار سے کسی طور کم نہیں اور تاحال زیر طبع کتب و مسودات کے منظر عام پر آنے سے اس کی قدر و منزلت میں مزید اضافہ ہوگا۔ غیر

مطبوعہ کاموں میں علامہ عتیق فکری کا اقبالیات کے سلسلے میں تخلیقی و تنقیدی کام بے حد اہمیت کا حامل ہے۔ علامہ عتیق فکری ۱۹۲۵۔۱۹۸۶) ادیب اور محقق تھے ان کی چار کتب چھپ چکی ہیں۔ "احمد شاہ ابدالی سیاسی مکتوبات کی روشنی میں" (۱۹۵۸ء) "العتیق العتیق" (۱۹۵۹ء) "انسان اور خدا" (۱۹۶۱ء) "نقش ملتان" (۱۹۸۲ء) چوبیس تصانیف غیر مطبوعہ ہیں۔ غیر مطبوعہ تصنیف میں تین علامہ اقبال کے فکر و فن کی تشریح اور تنقید پر مبنی ہیں۔ پہلی کتاب "افلاطون" ہیگل اور اقبال کا نظریہ "فن" ہے۔ یہ ڈیڑھ سو صفحات پر مبنی ہے۔ اس میں تین مقالات ہیں یہ مسودہ مکمل ہے۔ دوسری غیر مطبوعہ کتاب "اقبال کا نظریہ زمان و مکان" ہے۔ اس مسودہ بھی مکمل ہے جو دو سو فل اسکیپ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے عنوانات درج ذیل ہیں :

1- زمان کی حقیقت

2- حرکت اور زمان

3- صوفیاء کرام کے زمانے کے متعلق رائے

4- لاتسبوالدہر کی تشریح

5- افلاطون سے لے کر آئن سٹائن تک زمانے کے متعلق بیانات

6- اسمائے الہیہ، ارادہ، حرکت اور زمانہ

7- میرا نظریہ زماں و مکان (قرآن کی روشنی میں)

اقبالیات سے متعلق تیسرا مسودہ معنوان "علامہ اقبال کے لیکچرز پر تصریحات" نامکمل ہے۔ اس کے دیباچہ میں علامہ عتیق فکری لکھتے ہیں،

"اقبال نے جن مسلمان فلاسفہ کے اپنے لیکچرز میں حوالے دیئے ہیں اور ان کے جن نظریات کو حوالے کے طور پر لائے ہیں وہ درست نہیں۔ مثلاً ابن رشد کائنات کے

حرکی، نظریے کا قائل تھا۔ اس نے "فصل المقال" میں حرکت اور کائنات پر ایک باب لکھا ہے۔ جب کہ اقبال ابن رشد کے حوالے سے کائنات کے جرکی نظریے کی نفی کی ہے اور اسے حقائق سے مبرا سمجھا ہے۔ امام غزالی کا نظریہ یہ نہیں ہے وہ کائنات پر تفکر کرنے کا قائل ہے اور تفکر ہی کو اشیاء کی حقیقت جاننے کا ذریعہ سمجھتا ہے جب کہ اقبال کہتا ہے کہ غزالی عقل اور تفکر کی نفی کرتا ہے۔ زماں و مکان پر بحث کرتے ہوئے اقبال عراقی سے حوالے دیتے ہیں جب کہ حقیقت میں عراقی کے یہاں زماں و مکاں پر سرے سے کوئی بحث بھی نہیں کی گئی۔" (۲۲)

ان مسودات کی اشاعت سے اقبالیات کی نئی جہتیں اور مبہم گوشے منظر عام پر آئیں گے۔ پروفیسر اسلم انصاری کا سرائیکی زبان میں خطبات کا ترجمہ، علامہ اقبال کے بارے میں ایک منظوم تصنیف اور پندرہ سو اشعار پر مبنی پیروی اقبال میں فارسی مثنوی "فرخ نامہ" تاحال غیر مطبوعہ ہیں۔ عبدالمجید ساجد کی کتاب "عقیدہ اقبال" بھی طباعت کے مراحل میں ہے۔ اس طرح یہ غیر مطبوعہ تخلیقی سرمایہ بھی مستقبل میں اقبالیات میں اضافہ نئے موضوعات اور مباحث کا باعث ہوگا۔

تنقید کسی تخلیقی کار کی تخلیق و جانچنے کا نام ہے۔ جس کا مقصد کسی تخلیق کی مختلف جہتیں اور مختلف سطحیں واضح کرنا ہے۔ ایک نقاد کسی ادب پارے کو ادبی معیار پر پرکھتا ہے اور اس کی قدر و قیمت متعین کرتا ہے۔ اسکی جمالیاتی اقدار کی وضاحت کرتا ہے اور اس کے مجموعی تاثر کو دریافت کرتا ہے۔ حالی کے "مقدمہ شعر و شاعری" سے عصر حاضر تک اردو تنقید کا ابتدائی سفر مختلف دبستانوں کی صورت تشکیل پاتا رہا ہے۔ کتاب اور صاحب کتاب کی تفہیم و تشریح کے لئے مختلف زاویہ نظر اور نظام فکر وضع کئے گئے ہیں۔

فکر اقبال اپنی آفاقی خصوصیات، شاعرانہ رفعت، اظہار و بیان کی علویت اور

تخلیقی حسن و جمال کے باعث آج بھی زندہ، قابل عمل اور پر کشش ہے۔ اس نے اردو ادب کو ایک نئی زندگی، ایک نئی تخلیقی قوت اور ایک ایسی عظیم روایت دی ہے کہ دنیا کے ادب میں اسے بلند مقام حاصل ہو رہا ہے۔ یہ سچ ہے کہ تخلیقی عظمتیں اسی طرح قوموں کو اٹھاتی اور زندہ رکھتی ہیں۔ فکر اقبال کی تفہیم اور تسخیر نو اس دور کا ایک صحت مند رجحان بن چکا ہے۔

اقبالیات میں چند ناقدین اور کتب کے علاوہ جو عمومی تنقید لکھی گئی ہے وہ تاثراتی تنقید ہے جواب کلیے کا روپ دھار چکی ہے۔ لیکن خطہ ملتان میں لکھی جانے والی اقبالیاتی تنقید تخلیقی تنقید کے زمرے میں آتی ہے۔ جس میں تازگی اور نئی معنویت کا احساس ہوتا ہے۔ ملتان میں علامہ اقبال پر لکھی جانے والی کتب میں فکر و نظر کا تنوع اور اسلوب کی بو قلمونی نظر آتی ہے۔ افتخار حسین شاہ نے اپنی کتاب "اقبال اور پیروی شبلی" میں علامہ اقبال اور شبلی نعمانی کے مابین فکری و واقعاتی مماثلتوں کا ایک نیا نقطہ نظر پیش کا ہے۔ وہ اقبال کو شبلی کی فکری توسیع قرار دیتے ہیں۔

پروفیسر جابر علی سید نے اپنی دو کتابوں "اقبال کا فنی ارتقاء" اور "اقبال ایک مطالعہ" میں اقبالیات کے نئے موضوعات کو اجاگر کیا ہے اور لسانی و عروضی حوالوں سے کلام اقبال کی تشریح و تفہیم کی ہے۔ "اقبال اور لفظ و معنی کا رشتہ"، "اقبال کے تین لہجے"، "اقبال اور ذوق استفسار"، "اقبال اور فطرت" یہ اقبالیات کے ایسے عنوانات ہیں جن پر بے حد کم لکھا گیا ہے۔

پروفیسر اسلم انصاری کی کتاب "اقبال عہد آفریں" خطہ ء ملتان میں علامہ اقبال کے فکر و فن پر لکھی جانے والی ایک اور اہم کتاب ھے، جسٹس جاوید اقبال اس کتاب کے بارے میں اپنی رائے دیتے ہوئے لکھتے ھیں،

"اقبال عہد آفریں" کی اہمیت اس میں ہے کہ اس کے مصنف کا نقطہ نظر فلسفیانہ اور طریق کار تحقیقی اور تجزیاتی ہے۔انہوں نے اس کتاب کے موضوعات کے علمی اور فنی تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے تحقیق و تنقید کا جو منہاج اختیار کیا ہے وہ بیک وقت کئی علوم سے اخذ نور کرتا ہے۔ جب کہ اس کا مرکزی سرچشمہ فیضان اقبال کا فکر و فن ہی ہے۔" (۲۳)

اسلم انصاری نے اقبالیات میں نئے موضوعات پر بھی طبع آزمائی کی ہے۔"اقبال کی مستقبل پسندی" اس سلسلے کی ایک کڑی ہے، جس میں انہوں نے یورپی ادب میں فیوچر ازم کی تحریک کے ساتھ کلام اقبال سے مطابقتیں اور مماثلتیں تلاش کی ہیں۔۱۹۸۶ء میں شایع ہونے والی حمید رضا صدیقی اور اجمل صدیقی کی کتاب "اقبال اور جدوجہد آزادی" اور ۱۹۹۳ء میں شائع ہونے والی ڈاکٹر انوار احمد کی کتاب "تحریک پاکستان میں علامہ اقبال کا کردار" علامہ اقبال کی سیاسی زندگی کے موضوع پر دو عمدہ کتابیں ہیں، جن میں تحقیق و تنقید کی روشنی میں تحریک پاکستان میں علامہ اقبال کے کردار کا جائزہ لیا گیا ہے۔ڈاکٹر طاہر تونسوی نے اقبالیات کے مختلف موضوعات پر آٹھ کتب مرتب کی ہیں۔انہوں نے علامہ اقبال کی زندگی اور فکر و فن پر مختلف اقبال فہم و اقبال شناس شخصیات کے نادر مقالات اور تحریریں الگ الگ عنوانات کے تحت جمع کی ہیں اور انہیں کتابوں کی صورت میں مدون کیا ہے۔جب کہ ملتان کی دو تعلیمی درس گاہوں کے مجلوں اور ادبی مجلس "نیرنگ خیال" میں اقبالیات پر شائع ہونے والے مضامین کی نشان دہی بھی کی ہے اور ان کا انتخاب بھی شائع کیا ہے۔یہ کتب ملک میں اقبالیاتی ادب کے فروغ میں اہم حیثیت کی حامل ہیں۔

علامہ اقبال کی شخصیت، فکر و فن اور فلسفہ پر سینکڑوں کتب اور مقالات لکھے جا چکے

ھیں، لیکن ان کی ایک مکمل اور مستند سوانح عمری کی کمی تاحال محسوس کی جاتی ھے۔

عبدالمجید ساجد کی ۱۹۹۰ء میں شائع ھونے والی کتاب ''اقبال۔ حیات عصر''اس معیار پر پوری اترتی ھے۔اس میں علامہ اقبال کی زندگی اور فکروفن پر مستند حوالوں کے ساتھ تحقیق کی گئی ھے اور اب تک شائع ھونے والی سوانح عمریوں اور فکروفن پر لکھی جانے والی کتابوں کی چھان بین کر کے علامہ اقبال کی شخصیت اور فکروفن کے اصل اور حقیقی پہلوؤں کو عیاں کیا گیا ھے۔

اقبالیات میں تحقیق اور دریافت کے سلسلے میں بھی خطہ ملتان میں کام ہوا ھے۔

۱۹۸۸ء میں پروفیسر انور جمال علامہ اقبال کی ۱۸ جنوری ۱۹۲۸ء کی ایک نثری تقریظ سامنے لائے ھیں۔اس میں علامہ اقبال نے اردو مرکز لاھور کی شائع کردہ کتب کو مفید قرار دیتے ھوئے اشاعتی سلسلے کا خیر مقدم کیا ھے۔علامہ اقبال کی یہ نثری تقریظ عرصہ دراز سے اخفاء میں تھی۔ پروفیسر انور جمال نے اس کو مزید حوالوں، اردو مرکز کی تفصیلات سے مزین کر کے شائع کرایا ھے۔اس میں علامہ اقبال لکھتے ھیں،

''لاھور میں اردو مرکز کے نام سے ایک علمی اکاڈمی قائم ھوئی ھے جس نے اردو ادب کی خدمت کو اپنے زمے لیا ہے اس اکاڈمی کے اراکین یوپی اور پنجاب کے بعض سرگرم ادیب اور شاعر ھیں۔اپنے دائرہ عمل میں انہوں نے اردو ادب کی اشاعت کے کام کو سب سے زیادہ اھمیت دی ہے۔ چناں چہ اس وقت زر کثیر کے صرف سے انہوں نے ایک سلسلہ کتابوں کا شائع کرایا ھے جس میں اردو نظم ونثر کا عمدہ انتخاب مندرج ھے۔''(۲۴)

ملتان میں مختلف اشاعتی اداروں، ریڈیو پاکستان اور تعلیمی درس گاھوں نے بھی اقبالیات کے فروغ میں گراں قدر خدمات انجام دی ھیں۔ بیکن ہکس اور کاروان ادب نے علامہ اقبال کے فکروفن پر نہ صرف ملتان کے ادیبوں اور نقادوں کی کتب شائع کیں ہیں بلکہ

کاروان ادب، ملتان نے اسلوب احمد انصاری کی "مطالعہ اقبال کے چند پہلو" (۱۹۸۶ء) اور یوسف حسین خاں کی "غالب اور اقبال کی متحرک جمالیات" (۱۹۸۶ء) میں شائع کیں۔

ریڈیو پاکستان ملتان نے علامہ اقبال کے ایک شعر کی تشریح سے لے کر علامہ اقبال کے کلام کو مختلف گلوکاروں کی آواز میں ریکارڈ کر کے نشر کیا۔ مختلف مواقعوں پر اقبال فہم اور اقبال شناس شخصیات کے انٹرویوز اور مذاکرے بھی نشر کیے گئے۔ ریڈیو پاکستان ملتان کی ایک یہ بھی روایت ھے کہ ھر برس ۲۱ اپریل اور ۹ نومبر کو علامہ اقبال کے حوالے سے خصوصی پروگرام پیش کئے جاتے ھیں۔

ریڈیو ملتان سے ملتان کے ادیبوں و دانش وروں کے اقبالیات پر نشر ھونے والے پروگرام و مضامین ریڈیو پاکستان کے جریدہ ماھنامہ "آھنگ" کراچی کی زینت بھی بنتے رھے۔ ریڈیو پاکستان ملتان نے طلباء اور خصوصا نوجوانوں میں علامہ اقبال کی فکر کے فروغ کے لیے اقبال کوئیز اور اقبال سیمینار بھی منعقد کرائے۔

ایمرسن کالج ملتان اور حال گورنمنٹ کالج بوسن روڈ ملتان کا شمار ملتان کی قدیم درس گاھوں میں ھوتا ہے۔ اس کالج کے تحت قائم "مجلس اقبال" نے علامہ اقبال کے فکرو فلسفہ کو عام کرنے میں نمایاں حصہ لیا۔ ملک کی نام ور علمی و ادبی شخصیات نے ان تقریبات میں حصہ لیا اور علامہ اقبال کے فکرو فلسفہ پر مقالات پڑھے اور علامہ اقبال کو منظوم خراج عقیدت پیش کیا۔ مجلّہ "نخلستان" گورنمنٹ کالج ملتان میں کالج یونین کے زیر اھتمام ۲۱ اپریل ۱۹۶۴ء کو منائے گئے "یوم اقبال" کی ایک تقریب کا حال شائع ھوا ھے۔

"۲۱ اپریل کو یوم اقبال منایا گیا، پروفیسر میاں محمود احمد پرنسپل نے اجلاس کی صدارت

کی مظہر نواز خاں، عشرت نقوی نے اقبالیات کے مختلف موضوعات پر مقالے پڑھے۔اس کے بعد مشاعرہ منعقد ھوا۔ پروفیسر اسلم انصاری، پروفیسر فرخ درانی، نسیم ملک، سہیل بزمی، اقبال ظہیر نے حصہ لیا۔"(۲۵)

گورنمنٹ کالج ملتان کی ایک اور تقریب "بیاد اقبال" کا حال کالج کے مجلہ نخلستان، شمارہ ۹۲۔۱۹۹۱ء میں اس طرح شائع ہوا ھے۔

"تقریبات کے پہلے روز بیاد اقبال کی محفل سے صدر تقریب پروفیسر افتخار حسین شاہ نے خطاب کرتے ھوئے کہا کہ علامہ اقبال صحیح معنوں میں اسلام کے شیدائی تھے۔ انہوں نے امت مسلمہ کو متحد رکھنے کے لیے اپنی شاعری سے بھرپور کام لیا۔ انہوں نے اظہار خیال کے لیے اردو اور فارسی زبانوں کو اختیار کیا تا کہ ان کا پیغام زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچے۔ مہمان خصوصی پروفیسر مرزا عبدالغنی نے فرمایا کہ اقبال کی شاعری قرآن پاک کی تفسیر ھے۔ اقبال مسلمان قوم میں اسلامی روایات جاری و ساری دیکھنا چاھتے ھیں۔"(۲۶)

بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان ۱۹۷۵ء میں قائم ھوئی۔ اس جامعہ نے بھی اس خطہ میں اقبال شناسی کے فروغ میں اپنا کردار ادا کیا ھے۔ ۱۹۷۷ء میں یونیورسٹی کے زیر اھتمام قائد اعظم اور اقبال سیمینار منعقد ھوا، جس میں ملک بھر سے نامور شخصیات نے شرکت کی اور قائداعظم کی خدمات اور علامہ اقبال کے فکروفن پر مقالات پڑھے جنہیں بعد میں یونیورسٹی کے شعبہ مطبوعات نے شائع کیا۔

مشہور ماھر اقبالیات اور سکالر ڈاکٹر این میری شمل کو وقتاً فوقتاً ملتان مدعو کیا جاتا رھا اور انہوں نے یہاں جو لیکچرز ملتان یونیورسٹی میں دیئے، ڈاکٹر اے بی اشرف نے بعد میں انہیں "لیکچرز آن اقبال" کے نام سے مرتب کیا ھے، انگریزی زبان میں یہ خطبات

اقبالیات میں نئی جہتوں کے افشاء کا باعث ہیں۔

ان میں سے ایک لیکچر بعنوان ''روڈولف پان وچ اور اقبال'' کا ترجمہ ڈاکٹر اے بی اشرف نے کیا ھے جو ان کے مضامین کے مجموعہ ''غالب اور اقبال'' میں شامل ھے۔

۱۹۷۷ء کے سال کو ملک بھر میں ''سال اقبال کے طور پر منایا گیا، ملتان یونیورسٹی کی طلباء یونین نے سالانہ تقریبات ۱۹۷۷ء میں علامہ اقبال کے حوالے سے بھی کئی تقریبات منعقد کیں۔ ان کی تفصیل ملتان یونیورسٹی میگزین، ''دانائے راز نمبر'' میں اس طرح شائع ھوئی ھے۔

''اکتوبر کے آخری ایام میں ''فکر اقبال اور عہد حاضر کے تقاضے'' کے عنوان سے ایک مذاکرہ ھوا، اس تقریب کی صدارت جناب وائس چانسلر نے کی جب کہ مہمان خصوصی ڈائرکٹر تعلیمات، بہاولپور ڈویژن جناب علامہ شبیر بخاری تھے۔ مذاکرہ میں سب سے پہلے مختار احمد عزمی نے تقریر کی پھر شعبہ اردو کے چیرمین، افتخار حسین شاہ صاحب نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ لاہور کے معروف استاد اور اقبال شناس پروفیسر مرزا محمد منور نے اپنے مخصوص انداز میں عہد حاضر کے تقاضوں کی تشریح و توضیح کی اور ان کی روشنی میں اقبال کا نقطہ نظر واضح کرنے کی کوشش کی۔ مہمان خصوصی کا زیادہ تر خطاب نسل نو سے تھا۔ تقریب کے آخر میں جناب وائس چانسلر نے بھی چند باتیں کیں تقریبات کے اس سلسلے کا ایک پروگرام ''اقبال کے مجرم'' خاصا دلچسپ تھا۔ یہ ایک عدالت تھی، جس میں ایسے طبقے ملزم کے طور پر پیش کیے گئے جنھوں نے اقبال کی شخصیت اور فکر سے ناجائز فائدہ اٹھایا ھے۔ چیف جسٹس کے فرائض لاہور ہائی کورٹ بار ایسو سی ایشن کے صدر عامر رضا نے انجام دیئے۔''(۲۷)

ملتان کے دیگر تعلیمی اداروں میں اقبالیات کے حوالے سے جو تقریبات منعقد ھوئیں،

ان کی اکثر تفاصیل ان تعلیمی اداروں کے مجلّوں میں ملتی ھیں، گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن کے مجلّہ "مسلک" میں ۱۶ نومبر ۱۹۷۷ء کی ایک تقریب "بہ مناسبت ولادت اقبال" کی رپورٹ شائع ھوئی ھے،

"مورخہ ۱۶ نومبر ۱۹۷۷ء کو آرٹس سوسائٹی کی جانب سے جشن ولادت اقبال کے سلسلے میں ایک تقریب منعقد ھوئی۔ مسٹر محمد اکرم سیال نے سٹیج سیکرٹری کے فرائض انجام دیئے۔ سعد اختر چیرمین ثانوی و اعلی تعلیمی بورڈ بہاول پور مہمان خصوصی کی حیثیت سے شریک ھوئے۔ مقامی تعلیمی اداروں سے وابستہ اکثر حضرات نے محفل کو رونق بخشی۔" (۲۸)

گورنمنٹ علمدار حسین اسلامیہ کالج ملتان کے جریدہ "سفینہ ادب" میں "سال اقبال کی تقریبات" کے عنوان سے گورنمنٹ علمدار حسین اسلامیہ کالج ملتان میں منعقد کیے جانے والے ایک پروگرام کی روئداد یوں شائع ھوئی ھے،

"۱۹۷۷ء اقبال کا سال قرار دیا گیا تھا۔ اس سلسلے میں کالج میں خصوصی پروگرام تیار کیے گئے۔ کالج کے پرنسپل پروفیسر بشیر احمد ملک کی صدارت میں کالج کے اساتذہ کا خصوصی اجلاس ھوا، جس میں پورے سال کے لیے پروگرام تیار کیا گیا۔ پرنسپل صاحب کی تجویز پر کالج کے اساتذہ کے لیے اقبالیات پر ھفتہ وار لیکچرز کا پروگرام بنایا گیا۔ پنجاب کے تمام کالجوں میں یہ اپنی نوعیت کا واحد پروگرام تھا۔ اس کے تحت ھر ھفتے کالج کی پڑھائی ختم ھونے کے فوراً بعد ایک خصوصی نشست ہوتی تھی، جس میں کالج کے تمام اساتذہ شریک ہوتے تھے۔ یہ نشست ایک گھنٹہ کی ہوتی تھی اور اس میں کالج کے کوئی استاد یا کسی دوسرے کالج کے مہمان استاد اقبالیات پر لیکچرز دیتے اور اس کے بعد سوال وجواب کی محفل ہوتی۔" (۲۹)

ملتان کی تعلیمی درس گاھوں کے مجلّوں میں علامہ اقبال کے فکر و فن پر لاتعداد مضامین شائع ھوئے ھیں، ان میں ملتان کے علاوہ ملک کی معروف علمی و ادبی شخصیات ڈاکٹر سیدّ عبداللہ، ڈاکٹر عبارت بریلوی، احمد ندیم قاسمی، ماھر القادری، ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی، پروفیسر ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار، پروفیسر ڈاکٹر تبسم کاشمیری، پروفیسر عبدالقادر کی تحریریں و منظومات شائع ھوئی ھیں۔

گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن ملتان کے مجلّہ "مسلک" ۳۔۷۲ ۱۹ء اقبال نمبر میں لفٹیننٹ جنرل محمد ضیاء الحق (بعد میں صدر پاکستان) کا بھی ایک مضمون بعنوان "اقبال اور نوجوان نسل" شائع ھوا ھے۔ یہ مضمون لفٹیننٹ جنرل ضیاء الحق نے جب کے وہ ملتان میں کور کمانڈر تھے، گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن ملتان میں منعقدہ ایک محفل مذاکرہ میں بحیثیت مہمان خصوصی پڑھا تھا۔ اپنے مضمون میں وہ لکھتے ھیں،

"وہی قوم اپنے عزائم میں کامیاب ھو سکتی ھے، جس کے نوجوان اپنے لیے جینے کے بجائے دوسروں کے لیے مرنے کو سعادت سمجھتے ھیں۔ اقبال مسلمانوں کی باطنی صلاحیتوں سے خوب واقف تھے اور یقین رکھتے تھے کہ اگر ھمارے نوجوان اپنے کردار کی بنیاد اپنے اسلاف کی روایات کو دیکھ کر بنائیں، تو یہ قوم اپنی منزل کو پالے گی۔" (۳۰)

ملتان کی تعلیمی درس گاھوں نے اپنے جرائد کے "اقبال نمبر" بھی شائع کیے ان میں گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن ملتان نے ۷۷=۱۹۷۶ء میں اپنے جریدے "مسلک" کا اقبال نمبر شائع کیا۔ اس شمارے میں کالج کے اساتذہ کے علاوہ طلباء کی بھی قابل قدر تحریریں موجود ھیں۔

گورنمنٹ علمدار حسین اسلامیہ کالج ملتان کے میگزین "سفینہ ادب" کا "اقبال نمبر" ۱۹۷۷ء میں پروفیسر حمید رضا صدیقی اور پروفیسر طاھر فاروقی کی کوششوں سے شائع

ھوا۔ اس شمارے میں پروفیسر طاھر فاروقی، پروفیسر مغیث الدین، منشی عبدالرحمن، پروفیسر حمید رضا صدیقی، پروفیسر عاصی کرنالی اور پروفیسر بشیر احمد ملک کی اعلیٰ درجے کی معلومات افزا نگارشات بھی شامل ھیں۔ گورنمنٹ ولایت حسین اسلامیہ ڈگری کالج ملتان کے مجلّہ "النخیل" کا "اقبال نمبر" ۱۹۷۷ء میں پروفیسر عاصی کرنالی نے قابل ستائش صورت میں شائع کیا۔ اس خاص شمارے میں پروفیسر آغا صادق، رئیس امروھوی، قیوم نظر، شیر افضل جعفری، ڈاکٹر خیال امروھوی، ارشد ملتانی، خواجہ خورشید احمد اور ڈاکٹر سید صفدر حسین کے اقبال کے متعلق قابل داد اشعار اور مضامین شامل ھیں۔

ملتان یونیورسٹی نے بھی ۷۸=۱۹۷۷ء میں "ملتان یونیورسٹی میگزین" کا دانائے راز نمبر" شائع کیا۔ اس میں بھی اساتذہ اور طلباء کے اقبالیات پر اعلیٰ پائے کی نثری اور منظوم تحریریں شائع ھوئی ھیں۔ تنظیمی اداروں کے ان جرائد میں طلباء و طالبات کی جو تحریریں شائع ھوئی ھیں، ان میں بھی فکر و نظر کا تنوع نظر آتا ھے۔

گورنمنٹ کالج برائے خواتین ملتان کا مجلّہ "گل صحرا" ۱۹۸۸ء میں زاھدہ بتول "انیس اور اقبال " کے عنوان سے لکھتی ھیں،

"انیس اور اقبال کے فن کے مشترک پہلوؤں میں ایک تو بحروں کے انتخاب کے مقابلے میں دونوں کی پسند اور ذوق کا اشتراک ھے۔ انیس کے دو مشہور مرثیے ھیں، "بخدا فارس میدان تہور تھا" اور "نمک خوان تکلم ھے فصاحت میری" ان دونوں کی بحر ایک ھے۔ اقبال کی دو معروف نظموں "شکوہ" اور "جواب شکوہ" کی بحر یہی ھے۔ اقبال نے اپنی دو ایسی نظموں کیلئے جن کے مطالب کو وہ ھر ھندی مسلمانوں کے گوش اور دل تک پہنچانا چاھتے تھے، انیس کے دو معروف مرثیوں کی بحر میں ارادتاً اختیار کی۔ (۳۱)

۷۹-۱۹۷۸ء کے ''گل صحرا'' میں نسرین اختر لکھتی ھیں،

''میں اپنے سمیت بہت سے اقبال شناس پر یہ الزام لگاتی ہوں کہ ھم فکر اقبال کی روح سے آشنا ھونے کی کوشش نہیں کر رھے ھیں۔ ھم اقبال کو سمجھاتے تو ھیں مگر خود نہیں سمجھتے.....

اقبال تو ایک بہار کا نغمہ ھے جو روح میں تحلیل ھو جاتا ھے۔ محبت کی شبنم ھے جو غنچہ دل کو تازگی اور رعنائی عطا کرتی ھے۔'' (۳۲)

ان مجلّوں میں تعلیمی درسگاھوں کے نو آموز شعراء نے بھی علامہ اقبال کو اپنے اشعار میں خراج عقیدت پیش کیا ھے۔

شوکت ھاشمی ملتان یونیورسٹی میگزین ''دانائے راز نمبر'' میں ''اقبال کے حضور'' کے عنوان سے علامہ اقبال کو منظوم خراج عقیدت پیش کرتے ہیں :

''فلسفیٔ محترم، اے شاعر روشن ضمیر
مشرق و مغرب تیرے گیسوئے حکمت کے اسیر
مشرق سے تا عرش تیرے ذھن کی پہنائیاں
قلب حق آگاہ تیرا بے مثال و بے نظیر'' (۳۳)

اسی شمارے میں شعبہ اردو کی طالبہ نگینہ گل نے اقبال کے ایک مصرع ''آئینہ ایام میں آج اپنی ادا دیکھ'' کی تضمین لکھی ھے،

''غم آگ بنا، گلشن دل راکھ ھوا، دیکھ
ویرانوں کی جانب کبھی باد صبا دیکھ
ھے میری صدا میں میرا چہرہ، میری آنکھیں
توفیق خدا دے تو ذرا میری صدا دیکھ'' (۳۴)

ملتان میں علاقائی زبانوں میں بھی اقبالیات پر قابل ذکر کام ہوا ہے۔ اس سلسلے کی پہلی کتاب ڈاکٹر مہر عبدالحق کی منظوم تصنیف "جاوید نامہ اقبال" اس میں علامہ اقبال کی فارسی تصنیف "جاوید نامہ" کا سرائیکی زبان میں منظوم ترجمہ کیا گیا ہے۔ یہ کتاب ۱۹۷۴ء میں شائع ہوئی۔

۱۹۸۲ء میں عبدالمجید ساجد نے پنجابی زبان میں "اقبال دی حیاتی" کے عنوان سے علامہ اقبال کی سوانح عمری مرتب کی۔ یہ علامہ اقبال پر پنجابی میں لکھی جانے والی پہلی سوانح عمری ہے۔ ۱۹۸۴ء میں عبدالمجید ساجد کی دوسری کتاب "دلاں دا چانن" منظر عام پر آئی۔ اس میں انہوں نے علامہ اقبال کی "بانگ درا" اور "بال جبریل" سے مختصر و طویل نظموں کا پنجابی زبان میں منظوم ترجمہ کیا ہے۔ اس کتاب کی ایک بڑی خوبی نئی پنجابی اصطلاحات اور الفاظ کا استعمال بھی ہے۔ ملتان میں چھپنے والے دو جرائد "وارث شاہ" اور "سرائیکی ادب" میں علامہ اقبال کی حیات اور فکرو فن کے مختلف پہلوؤں پر پنجابی اور سرائیکی میں مضامین شائع ہوئے ہیں۔

تعلیمی اداروں کے مجلّات میں انگریزی میں بھی اقبالیات پر متعدد مضامین شائع ہوئے ہیں۔

خطہ ملتان میں علامہ اقبال کے فکرو فن پر جو مقالات اور کتب تصنیف ہوئیں۔ اس کا ایک خاص پہلو اقبال اور اقبالیات کا دفاع بھی ہے۔ جس میں ملتان یکتا و منفرد ہے کہ اتنا بھرپور کردار اور تحریک ملتان کے علاوہ کہیں اور سے نہیں اٹھی۔ ملتان میں چھپنے والے پہلے کتابچہ "ملت اور وطن" سے لے کر عہد حاضر میں شائع ہونے والے تحریک تحفظ ختم نبوت ملتان کے مجلّہ ماہنامہ "نقیب ختم نبوت" ملتان تک ایک سلسلہ قائم ہے، جس میں ملتان کے ادیبوں و دانش وروں نے اقبالیات کے حوالے سے

معاندانہ تحریروں کا موثر جواب تحریر کیا اور ھرزہ سرائی کرنے والوں کے خلاف ایک قلمی محاذ قائم کیا ھے بلکہ بذات خود بھی اس کا اھم کردار بھی رھے۔ ان میں خطہ ء ملتان سے تعلق رکھنے والی دو شخصیات کے نام نمایاں ھیں۔ ان میں پہلا نام سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا ھے، جو علامہ اقبال کے عقیدت مند تھے اور علامہ اقبال نے ان کے بارے میں ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ

"شاہ جی اسلام کی چلتی پھرتی تلوار ھیں۔" (۳۵)

عطاء اللہ شاہ بخاری نے ۱۹۲۶ء میں علامہ اقبال کی انتخابی مہم میں حصہ لیا تھا۔ اور علامہ اقبال کے حق میں تقاریر کیں بعد میں علامہ اقبال نے یہ انتخابی معرکہ جیت لیا۔

خطہ ملتان کی دوسری شخصیت علامہ عبدالرشید نسیم طالوت تھے، جنھوں نے علامہ اقبال کے مولانا حسین احمد مدنی کے ساتھ "ملت اور وطنیت" کے معرکہ میں مفاہمتی کردار ادا کیا تھا۔ انہوں نے اس مقصد کے لیے مولانا حسین احمد مدنی کو خطوط لکھے اور ان کے نقطہ نظر سے علامہ اقبال کو بذریعہ خطوط آگاہ کیا اور یوں یہ قضیہ بالآخر اختتام پذیر ھوا۔ اقبالیات کے دفاع میں نثری محاذ پر جو پہلی آواز اٹھی وہ اسد ملتانی کی تھی، جنھوں نے اپنی نظمیں اور تنقیدی مضمون "اقبال انا اور تخلیق" میں موثر انداز میں اقبالیات کا دفاع کیا ھے اور اس کی قدر و قیمت کو اجاگر کیا ھے۔ اپنی ایک نظم "یوم اقبال" میں اسد ملتانی لکھتے ھیں،

"یہ کیا مذاق ھے اقبال کے کلام کے ساتھ
خلاف مقصد قرآں ھے اس کا استعمال
جو ھو مطابق خواھش تو حکمت و الہام
جو ھو خلاف طبیعت تو شاعرانہ خیال

وہ جس کو فتنہ مغرب قرار دیتا ھے
ھم آج اسی کو سمجھنے لگے دلیل کمال
وہ جتنے درد سے دیتا ھے درس خودداری
ھم اور بنتے ھیں اھل فرنگ کے نقال"(۳۶)

۱۹۵۵ء میں منشی عبدالرحمٰن کی ایک کتاب بعنوان "اقبال اور مسٹر" طبع ھوئی۔ یہ خلیفہ عبدالحکیم کی کتاب "اقبال اور ملا" کے جواب میں لکھی گئی۔ کتاب کے سرورق پر یہ الفاظ طبع ھوئے ھیں،

"دینی خیالات اور مذہبی جذبات کی روشنی میں "اقبال اور ملا کا حقیقت افروز جواب"(۳۷)

اس میں منشی عبدالرحمٰن نے کلام اقبال و مکتوبات اقبال سے استدلال کرتے ھوئے خلیفہ عبدالحکیم کے خیالات و نظریات کی نفی کی ھے، وہ لکھتے ھیں،

"بزم اقبال لاھور نے 'اقبال اور ملا" کے نام سے ایک رسالہ شائع کیا۔ جس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ علامہ اقبال مدعیان دین اور حامیان شرع متین کو دین کے لیے ایک خطرہ سمجھتے تھے۔"(۳۸)

جب کہ اس بارے میں منشی عبدالرحمٰن نے علامہ اقبال کے مکاتیت اور بیانات سے یہ ثابت کیا ھے کہ علامہ اقبال علماء کرام کو اسلام کی قوت عظیم کا سرچشمہ سمجھتے تھے۔
منشی عبدالرحمٰن کی دوسری کتاب "اقبال کی کردار کشی" ۱۹۸۶ء میں شائع ھوئی۔ اس میں بھی انھوں نے ان ھی خیالات کا اعادہ کیا ھے اور غلام احمد پرویز کے عقائد اور نظریات کو ھدف تنقید بنایا ھے اور ثابت کیا ھے کہ علامہ اقبال اور غلام احمد پرویز کے نظریات و عقائد میں کوئی مطابقت و مماثلت نہیں، یہ اقبالیات کے خلاف ایک سازش ھے کہ علامہ اقبال کی تصویر مجلہ "طلوع اسلام" کے سرورق پر شائع کی جاتی رھی۔

اس کتاب میں اپنے موقف کے حق میں انہوں نے بہت سی اقبال فہم و اقبال دوست شخصیات کے مضامین بھی شامل کئے ھیں۔ پروفیسر افتخار حسین شاہ اپنے ایک مضمون ''اقبال اور تنذی مخالف'' میں اقبالیات کا دفاع کرتے ھوئے لکھتے ھیں،

'اقبال واضح صورت میں نظم گو اقبال بن گئے وہ پہلے سیالکوٹ کی حدود سے باھر نکل کر پنجاب کے شاعر بنے ان کی شہرت پھر ھندوستان گیر ھوئی۔ اس سے آگے بڑھے تو شاعر عالم اسلام قرار پائے۔ یہی عالم ان کی نظر میں عالم انسانیت تھا۔ وسیع النظری کی یہ معراج تھی لیکن تنگ نظر مخالفین اس عالم میں بھی سرگرم عمل رھے اور ان پر تنگ نظری کی تہمت لگاتے رھے۔ انہیں متعصب اور فرقہ پرست شاعر کہا گیا تاکہ وہ ایک عالمی اعزاز نوبل پرائز سے محروم رھیں۔ اقبال بلند پرواز تھے انہوں نے انعامات سے بے نیاز اسرار خودی اور رموز بے خودی بیان کیے۔ بانگ درا سنائی۔ بال جبریل کی قوت دکھائی۔ ضرب کلیم سے ملت خوابیدہ کو جگایا اور پیام مشرق سنایا۔ زبور عجم پڑھنے کا مشورہ دیا۔ راہ حقیقت کے مسافر نے سفر کی کہانی بیان کی ارمغان حجاز پیش کیا اور نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ بلند پرواز عقاب کی طرح۔(۳۹)

جابر علی سیدؔ اپنی کتاب ''اقبال۔ ایک مطالعہ'' میں ''مثنویات اقبال اور الہلال'' کے حوالے سے تنازعہ کو موضوع بحث بناتے ھیں۔ جابر علی سید کا موقف ھے کہ یہ مثنویاں علامہ اقبال کے شاعرانہ ارتقاء کا حصہ ہیں، وہ لکھتے ہیں،

'اس مضمون میں یہ دیکھنا مقصود ھے کہ کس طرح الہلال کے ناظم فضل الدین احمد مرزا صاحب نے اور اس کے بعد خود مدیر ابوالکلام آزاد نے ''اسرار و رموز'' کو اپنے صحیفے کے آفتاب کا مطرح انوار قرار دیتے ھوئے ایک بے مثل سلسلہ مثنوی کو اس کی انفرادیت اور عظمت سے محروم کرنے کی کوشش کی ہے۔''(۴۰)

"اقبال اور جدوجہد آزادی" کے عنوان سے حمید رضا صدیقی اور اجمل صدیقی کی مشترکہ کاوش ۱۹۸۶ء میں شائع ہوئی۔ اس میں وہ چوہدری رحمت علی کے بارے میں لکھتے ہیں،

"بعض اصحاب تصور پاکستان کے سلسلے میں چودھری رحمت علی کو علامہ اقبال کے مقابل لانے کے لیے دلائل فراہم کر رہے ہیں اور اس بحث میں الجھے ہوئے ہیں کہ چودھری رحمت علی نے علامہ اقبال سے قبل تصور پاکستان پیش کیا۔ وہ اس حقیقت کو فراموش کر دیتے ہیں کہ چودھری صاحب علامہ کے افکار سے فیض یاب ہونے والی نسل سے تعلق رکھتے تھے اور چودھری صاحب کسی نیشنلسٹ تحریک علامہ کی کاوشوں سے پھلنے پھولنے والی تحریکوں ہی کا ایک حصہ ہے۔" (۴۱)

عبدالمجید ساجد کی کتاب "اقبال حیات عصر" ۱۹۹۴ء میں شائع ہوئی۔ اس میں وہ علامہ اقبال کے قادیانیوں سے تعلق کو رد کرتے ہیں اور اس سلسلے میں حیات اقبال سے واقعات کو اپنے موقف کے حق میں درج کرتے ہوئے لکھتے ہیں،

"کشمیر کی تحریک کے سلسلہ میں جب مارشل لاء لگا اور آزادی کے متوالوں کی پکڑ دھکڑ ہوئی تو ان کی امداد کے لیے علامہ اقبال، ملک برکت علی، مسٹر نعیم الحق اور شیخ عبدالحمید ایڈووکیٹ قانونی چارہ جوئی کرتے رہے۔

چوہدری ظفر اللہ خاں جو بہت بڑا وکیل تھا، وہ بھی کشمیریوں کی امداد کے لیے کشمیر جانا چاہتا تھا مگر جب علامہ اقبال کو اس بات کا پتہ چلا تو بہت غصے میں آکر یہ کہا کہ کس کے بلاوے پر جا رہے ہیں۔ شائد کشمیر کے کچھ لوگ ابھی چوری چھپے ان سے محبت رکھتے ہیں۔ علامہ اقبال قادیانیوں کے سخت خلاف تھے۔ اس لیے یہ نہیں چاہتے تھے کہ مسلمان کسی طرح بھی ان کے مرھون منّت ہوں۔ شیخ اعجاز (علامہ اقبال کا بھتیجا) نے

علامہ صاحب کو اپنی کتاب ''مظلوم اقبال'' میں قادیانی ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ھے۔ گگر علامہ قادیانی ھوتا تو در کنار قادیانیوں کے لیے دل میں ذرا سا بھی نرم گوشہ رکھتے تو ضرورت کے وقت ایک سر کردہ قادیانی وکیل کی مدد کو نہ ٹھکراتے۔'' (۴۲)

''اقبال اور احمدیت کے عنوان سے شیخ عبد الماجد کی ایک کتاب ۱۹۹۱ء میں منظر عام پر آئی۔ اس کتاب میں حقائق کو مسخ کر کے اور بعض دستاویزات میں تحریف کر کے علامہ اقبال کو قادیانیت کا ھم نوا ثابت کرنے کی مذموم کوشش کی گئی ھے۔ اس بارے میں ملتان کا ماھنامہ ''نقیب ختم نبوت'' رقم طراز ھے،

''ایک کتاب ''اقبال اور احمدیت'' منظر عام پر آئی ھے۔ کتاب کے مولف شیخ عبد الماجد نے اس ضخیم تالیف میں فرزند اقبال جسٹس جاوید اقبال کی کتاب ''زندہ رود'' کے بعض ابواب، عناوین اور مندرجات کی صحت کو چیلنج کیا ھے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ھے کہ علامہ اقبال کے قلم سے قادیانیت کے متعلق جو معرکہ آرا مقالات، مکاتیب بیانات اور اشعار رقم ھوئے اور جن کی اشاعت سے ھزاروں لاکھوں مسلمانوں کو قادیانی نبوت کے مکروہ عزائم اور مذموم مقاصد کو جاننے کا موقع ملا بلحہ علامہ اقبال نے یہ سب کچھ ذاتی اغراض اور سیاسی مفادات کے پیش نظر لکھا اور دراصل انہیں قادیانیت کے خلاف ''مجلس احرار اسلام'' نے استعمال کیا۔ زیر بحث کتاب کے قادیانی مولف نے جو کچھ لکھا یقیناً اسے یہی لکھنا چاھیے تھا لیکن حیرت ھے کہ اس کے جواب میں نہ جاوید اقبال نے زبان کھولی اور نہ کسی اور سرکاری یا غیر سرکاری اقبالی نے! زیر نظر مضمون اس سلسلے میں اوّلین جوابی تحریر ھے اور ادارہ نقیب ختم نبوت اس سلسلہ کو جاری رکھنے کا ارادہ رکھتا ھے۔'' (۴۳)

پروفیسر حفیظ الرحمان اپنے ایک مضمون ''اقبال کے نئے اور پرانے کرم فرما'' میں فکر

اقبال کے نکتہ چینوں کے بارے میں لکھتے ھیں،

''اقبال کے ان زیرک اور ھوشیار ''کرم فرماؤں'' نے ان کے اشعار کو سیاق و سباق سے الگ کر کے نت نئے اطلاقی معانی و مفاھم کے پیراھن عطا کیے اور بین السطور اپنے نظریات کی تائید چاھی۔ اس رد میں انھوں نے اقبال کے فکر و فلسفہ کے منور گوشوں پر اشتراکیت اور مادی تصورات کی بنفشی شعائیں منعکس کر کے بڑے ھی معصوم اور بظاھر عملی پیرائے میں اقبال کو اشتراکیت کا ھم نوا ثابت کرنے کی کاوشیں کیں لیکن یہ ''زمرد بھی حریف دم افعی نہ ھوا۔'' اقبال اشتراکی قرار نہ پا سکے البتہ ایسی کاوشیں کرنے والوں کا اپنا ذھنی و فکری حدود اربعہ اور سمٹ کر رہ گیا۔'' (۴۴)

۱۹۱۶ء میں بزم اقبال کے قیام سے اگر خطہ ملتان میں اقبالیاتی سرگرمیوں کا آغاز سمجھا جائے تو اٹھہتر برس پر مشتمل خطہ ملتان میں اقبالیات کی یہ مجموعی کاوشیں ملکی سطح پر اقبالیاتی ادب کا قابل فخر سرمایہ ھیں۔

فکر اقبال ایک روشن آفتاب کی مانند ھے اور اس کی ضوفشانی سے پوری اسلامی تہذیب کے خدوخال اجاگر ھو کر ھمارے شعور کو روشن کر دیتے ھیں۔ اکیسویں صدی کو اس حوالے سے بجا طور پر اقبال سے معنون کیا جا سکتا ھے کہ اقبال کا فکر و فلسفہ ھی آنے والے زمانوں میں ھماری نجات، ترقی اور خوش حالی کا باعث ھوگا۔ یہ شعور خطہ ملتان کے ادیبوں و شاعروں کی سوچ و تحریروں میں رچا بسا نظر آتا ھے، اور امید ھے کہ آنے والے زمانوں میں اس میں بتدریج اضافہ ھوتا جائے گا۔

حواشی

۱۔ قریشی، محمد عبداللہ حیات اقبال کی گمشدہ کڑیاں، بزم اقبال، لاہور، ۱۹۸۲ء ص ۵۳

۲۔ بحوالہ ملتان قدیم وجدید، مرتب ارشد حسین ارشد، بزم ترقی ادب، ملتان،

۱۹۶۸ء، ص ۱۵۲

۳۔ ماھنامہ "سرائیکی ادب" ملتان، جلد ۸، شمارہ ۲، فروری ۱۹۷۸ء، ص ۱۴

۴۔ اقبال (سہ ماھی) لاہور، بزم اقبال لاہور، جلد ۴۱، شمارہ ۲، اپریل ۱۹۹۴ء، ص ۴۸

۵۔ ایضاً، ص ۴۹

۶۔ ایضاً، ص ۴۹

۷۔ ایضاً، ص ۷۱

۸۔ ایضاً، ص ۷۶

۹۔ ایضاً، ص ۷۸

۱۰۔ ایضاً، ص ۸۳

۱۱۔ نیازی، سید نذیر، دانائے راز، اقبال اکادمی، لاہور، ۱۹۸۸ء، ص ۳۰۷

۱۲۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے فرزند سید عطاء المحسن سے بات چیت، بمقام ملتان،

مورخہ ۱۵ فروری ۱۹۹۵ء

۱۳۔ بحوالہ اقبال کے مصدوح علماء (مرتب) قاضی افضل حق قریشی، مکتبہ محمودیہ،

لاہور ۱۹۷۸ء، ص ۱۰۷

۱۴۔ ایضاً، ص ۱۰۸

۱۵۔ مولانا نور احمد فریدی سے ایک ملاقات (اس کا ریکارڈ شدہ متن بھی راقم کے پاس

محفوظ ھے۔) مورخہ ۲۰ ستمبر ۱۹۵۸ء، بمقام ملتان

۱۶۔ مجلہ اقبالیات (سہ ماہی)، اقبال اکادمی، لاہور، جلد نمبر ۳۱ شمارہ ۲۔ ۴، جولائی ۱۹۹۰ء تا جنوری ۱۹۹۱ء ص ۳۵

۱۷۔ ایضاً، ص ۳۸

۱۸۔ ایضاً، ص ۳۹

۱۹۔ روزنامہ الشمس، ملتان، جلد ۴، شمارہ ۱۶۸، ۲۶ اپریل ۱۹۳۸ء، ص ۱

۲۰۔ ایضاً، ص ۱

۲۱۔ ایضاً، ص ۱

۲۲۔ علامہ عتیق فکری کی لائبریری میں ایڈیٹر ماہنامہ جلترنگ کی وساطت سے غیر مطبوعہ مسودوں کی جانچ پڑتال اور علامہ اقبال کے بارے میں مسودات سے اندراج

۲۳۔ بحوالہ اقبال عہد آفریں، اسلم انصاری، مکتبہ کارواں ادب، ملتان، ۱۹۸۷ء، ص فلیپ

۲۴۔ بحوالہ مجلہ دلیل سحر، گورنمنٹ کالج سول لائنز ملتان، ۹۴۔ ۱۹۹۳ء، ص ۱۰۳

۲۵۔ بحوالہ مجلہ نخلستان، گورنمنٹ کالج ملتان، دسمبر ۱۹۶۵ء، ص ۱۰

۲۶۔ بحوالہ مجلہ نخلستان، گورنمنٹ کالج ملتان، ۹۲۔۱۹۹۱ء، ص ۲۰۷

۲۷۔ بحوالہ ملتان یونیورسٹی میگزین، ملتان یونیورسٹی ملتان، ۷۸۔ ۱۹۷۷ء، ص ۲

۲۸۔ بحوالہ مجلہ "مسلک" گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن، ملتان، ۱۹۸۷ء

۲۹۔ بحوالہ مجلہ "سفینہ ادب" گورنمنٹ علمدار حسین اسلامیہ کالج ملتان، ۱۹۷۷ء، ص ۸

۳۰۔ بحوالہ مجلہ "مسلک" ص ۱۵

۳۱۔ بحوالہ مجلہ "گل صحرا" گورنمنٹ کالج برائے خواتین ملتان، ۱۹۸۸ء،

ص ۴۳

۳۲۔ بحوالہ "گل صحرا" ۹۔۷۔۸۔۱۹۷ء، ص ۱۰۸

۳۳۔ بحوالہ "ملتان یونیورسٹی میگزین" دانائے راز نمبر، ص ۱۵۹

۳۴۔ ایضاً، ص ۱۷۱

۳۵۔ عبدالرحمٰن، منشی، چند نا قابل فراموش شخصیات "عالمی ادارہ اشاعت علوم اسلامیہ ملتان، ۱۹۸۰ء، ص ۱۳۶

۳۶۔ بحوالہ مجلہ طلوع اسلام، کراچی، جلد ۴ شمارہ ۴، اپریل ۱۹۵۱ء، ص ۴۷

۳۷۔ عبدالرحمٰن، منشی، اقبال اور مسٹر، گوشہ ادب، لاہور، ۱۹۵۵ء، سرورق

۳۸۔ ایضاً، ص ۱۲

۳۹۔ بحوالہ مجلہ "خیابان" دانائے راز نمبر، پشاور یونیورسٹی پشاور، ۱۹۷۷ء، ص ۳۲

۴۰۔ بحوالہ جابر علی سید اقبال ایک مطالعہ، بزم اقبال، لاہور، ۱۹۸۵ء، ص ۱۴۱

۴۱۔ بحوالہ اقبال اور جدو جہد آزادی، کاروان ادب، ملتان، ۱۹۸۶ء، ص ۱۵۲

۴۲۔ ساجد، عبدالمجید، اقبال حیات عصر، ادارہ تحقیق وادب، ملتان، ۱۹۹۴ء، ص ۱۲۴

۴۳۔ بحوالہ ماھنامہ "نقیب ختم نبوت" ملتان، جلد ۵، شمارہ ۱۱، نومبر ۱۹۹۴ء، ص ۱۹

۴۴۔ بحوالہ روزنامہ نوائے وقت، ملتان، ۲۱ اپریل ۱۹۹۴ء، ص ۱

کتابیات

نمبرشمار	نام مصنف-مرتب مرتب	نام کتاب	ناشر ادارہ / سن اشاعت
1-	ابن حنیف	سات دریاؤں کی سرزمین	کاروان ادب، ملتان، ۱۹۸۰ء
2-	احمد میاں جوناگڑھی، قاضی	اقبالیات کا تنقیدی جائزہ	اقبال اکیڈمی، کراچی ۱۹۶۵ء
3-	ادب، بھیم سین ظفر	جو ئبار*	ملتان ۱۹۳۸ء
4-	ادیب حسین ارشد (مرتب)	ملتان قدیم وجدید	بزم ترقی ادب ملتان، ۱۹۶۸ء
5-	ارشد ملتانی	ثبات	بزم ثقافت، ملتان ۱۹۸۳ء
6-	اسد ملتانی	مرثیہ اقبال	مطبع شمس، ملتان ۱۹۳۸ء
7-	اسلم انصاری	اقبال عہد آفریں	کاروان ادب، ملتان ۱۹۸۷ء
8-	افتخار حسین شاہ پروفیسر	اقبال اور پیروی شبلی	سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۷۷ء
	افتخار حسین شاہ پروفیسر	اقبالیات (بی اے) یونٹ (۱-۸)	علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد ۱۹۷۶ء
9-	انوار احمد، ڈاکٹر	تحریک پاکستان میں علامہ اقبال کا کردار	بیکن بکس، ملتان ۱۹۹۳ء
10-	انور سدید، ڈاکٹر	اردو ادب کی مختصر تاریخ	مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۹۱
11-	ایس ایم منہاج الدین، ڈاکٹر	افکار و تصورات اقبال	کاروان ادب، ملتان ۱۹۸۵ء
12-	// //	تصورات اقبال	// // ۱۹۸۹ء
13-	// //	افکار اقبال	// // ۱۹۸۹ء
14-	افضل الحق قریشی، قاضی (مرتب)	اقبال ممدوح علماء	مکتبہ محمودیہ، لاہور ۱۹۷۸ء

15-	اے بی اشرف، ڈاکٹر	غالب اور اقبال	بیکن بکس، ملتان، ۱۹۸۸ء
16-	ایچ بی خان	برصغیر پاک و ہند کی ساست میں علماء کا کردار	قومی ادارہ برائے تحقیق و ثقافت، اسلام آباد، ۱۹۸۵ء
17-	برنی، سید مظفر حسین (مرتب)	کلیات اقبال (جلد اول)	اردو اکادمی، دہلی ۱۹۹۳ء
18-	تابش، ذوالفقار احمد (مرتب)	نذر اقبال	اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۱۹۷۷
19-	جابر علی سید	اقبال کا فنی ارتقاء	بزم اقبال، لاہور، ۱۹۷۸ء
20-	// //	اقبال ایک مطالعہ	// // ۱۹۸۵ء
21-	// //	تنقید و تحقیق	کاروان ادب، ملتان ۱۹۸۷ء
22-	جاوید اختر بھٹی (مرتب)	ابر گہر بار	ملتان، ۱۹۹۵ء
23-	جاوید اقبال، ڈاکٹر	زندہ رود (حیات اقبال کا اختتامی دور)	شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، ۱۹۸۴ء
24-	جعفر بلوچ (مرتب)	اقبالیات اسد ملتانی	اقبال اکادمی پاکستان لاہور، ۱۹۸۴ء
25-	حکم چند	تواریخ ضلع ملتان	نیو امپیریل پریس، لاہور، ۱۹۸۴ء
26-	حمید رضا صدیقی / اجمل صدیقی	اقبال اور جدو جہد آزادی	کاروان ادب، ملتان، ۱۹۸۶ء
27-	رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر (مرتب)	۱۹۸۵ء کا اقبالیاتی ادب ایک جائزہ	اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۱۹۸۶ء
28-	// // (مرتب)	اقبالیات کے تین سال ۱۹۸۴ـ۱۹۸۷ء	حرا پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۳ء
29-	روبینہ ترین، ڈاکٹر	ملتان کی ادبی و تہذیبی زندگی میں صوفیائے کرام کا حصہ	بیکن بکس، ملتان، ۱۹۸۹ء
30-	ساجد، عبدالمجید	اقبال دی حیاتی	کاروان ادب، ملتان، ۱۹۸۲ء
31-	// //	ولاں دا چانن	// // ۱۹۸۴ء

-32	// //	اقبال حیات عصر	ادارہ تحقیق وادب، ملتان ۱۹۹۴ء
-33	سہیل بخاری، ڈاکٹر	اردو کی کہانی	مکتبہ شعاع ادب، لاہور ۱۹۷۵ء
-34	طاہر تونسوی، ڈاکٹر	ملتان میں اردو شاعری	سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۸۴ء
-35	طالوت، علامہ عبدالرشید نسیم	نظریہ قومیت اور مولانا حسین مدنی واقبال	کتب خانہ صدیقہ، ثمرہ غازی خان، س ن
-36	عاصی کرنالی	چمن	مکتبہ اہل قلم، ملتان، ۱۹۸۶ء
-37	// //	چراغ نظر	۱۹۹۲ء
-38	عبدالرحمن خان، منشی	تاریخ ملتان ذیشان	عالمی ادارہ اشاعت علوم اسلامیہ، ملتان، ۱۹۸۰ء
-39	// //	اقبال اور مسٹر	گوشہ ادب، لاہور، ۱۹۷۵ء
-40	// //	علامہ اقبال کی کردار کشی	جاوید اکیڈمی، ملتان، ۱۹۸۸ء
-41	// //	چند ناقابل فراموش شخصیات	عالمی ادارہ اشاعت علوم اسلامیہ، ملتان، ۱۹۸۰ء
-42	// //	بہار رفتہ	جاوید اکیڈمی، ملتان، ۱۹۷۵ء
-43	عبدالباقی	اسد ملتانی، شخصیت وفن	غیر مطبوعہ مقالہ (ایم۔اے اردو) جامعہ ذکریا، ملتان، ۱۹۷۸ء
-44	عرش صدیقی / اے بی اشرف (مرتبین)	اقبال اور قائد اعظم	ملتان یونیورسٹی، ملتان ۱۹۷۸ء
-45	غلام حسین ذوالفقار، ڈاکٹر	اقبال ایک مطالعہ	اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۱۹۸۷ء
-46	// //	اقبال کا ذہنی ارتقاء	مکتبہ خیابان ادب، لاہور، ۱۹۷۶ء
-47	کرم الٰہی بدر	تاریخ ملتان	رہبر ایجنسی، لاہور، ۱۹۷۸ء
-48	ممتاز حسین ملک	ملتان کے ادبی ادارے	غیر مطبوعہ تحقیقی مقالہ (ایم۔اے اردو) جامعہ ذکریا ملتان، ۸۳۔۱۹۸۲ء
-49	محمد اکرم خان (مرتب)	ملت اور وطن	ادارہ روزنامہ شمس، ملتان، ۱۹۳۸ء
-50	محمد کرام، شیخ	آب کوثر	ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۹۴ء

51- محمد اقبال، علامہ — کلیات اقبال (فارسی) — شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۹۴ء

52- // — کلیات اقبال (اردو) — اقبال اکادمی پاکستان، لاہور ۱۹۹۴ء

53- // — بال جبریل — شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۹۲ء

54- محمد عبداللہ قریشی — حیات اقبال کی گمشدہ کڑیاں — بزم اقبال، لاہور ۱۹۸۲ء

۵۵ محمود شیرانی، حافظ — پنجاب میں اردو — مکتبہ معین الادب، لاہور س ن

۵۶ مہر عبدالحق، ڈاکٹر — پیام فرید — سرائیکی ادبی بورڈ، ملتان ۱۹۸۷ء

۵۷ مہر عبدالحق، ڈاکٹر — جاوید نامہ اقبال — سرائیکی ادبی بورڈ، ملتان ۱۹۷۴ء

۵۸ مختار ظفر، ڈاکٹر — ملتان کی شعری روایت — غیر مطبوعہ مقالہ برائے پی ایچ ڈی (اردو) جامعہ زکریا، ملتان ۱۹۹۳ء

۵۹ ناصر زیدی (مرتب) — بیاد شاعر مشرق — مکتبہ عالیہ لاہور ۱۹۷۷ء

۶۰ نذیر نیازی سید — دانائے راز — اقبال اکادمی، لاہور ۱۹۸۸ء

۶۱ نور محمد قادری، سید — اقبال کے دینی اور سیاسی افکار — زمیندار پبلی کیشنز ایسوسی ایشن، گجرات ۱۹۸۲ء

۶۲ نور محمد قادری سید — اقبال کا آخری معرکہ — رضا پبلی کیشنز، لاہور ۱۹۷۹ء

رسائل (بہ اعتبار حروف تہجی)

۱- آستانہ زکریا (ماہنامہ) ملتان، جلد ۲، شمارہ ۱۰

۲- آئین مجلس اقبال، ملتان س ن

۳- آہنگ (پندرہ روزہ) کراچی، جلد ۳۰، شمارہ ۱۲، ۱۶ سے ۳۰ جون ۱۹۷۷ء

۴- اقبال (ہفت روزہ) ملتان، شمارہ ۲۲، جلد ۱۱، ۷ نومبر ۱۹۳۸ء

۵- اقبال (سہ ماہی) لاہور، اکتوبر ۱۹۸۱ء جنوری ۱۹۹۲ء اپریل ۱۹۹۴ء

۶- اقبالیات (اردو) سہ ماہی، لاہور، جنوری - مارچ ۱۹۸۹ء جولائی - جنوری

۹۱-۱۹۹۰ء

۷-الشمس (ہفت روزہ) ملتان نومبر ۱۹۲۲ء، اپریل ۱۹۸۶ء

۸-پاکستانی ادب (ماہنامہ) امیر خسرو نمبر، کراچی، جلد ۲، اکتوبر-نومبر ۱۹۷۵ء

۹-خیابان، دانائے راز نمبر، پشاور یونیورسٹی، پشاور ۱۹۷۷ء

۱۰-دانش، اسلام آباد، شمارہ ۳۲، ۱۹۹۳ء

۱۱-دلیل سحر، گورنمنٹ کالج سول لائنز، ملتان، ۹۴-۱۹۹۳ء

۱۲-سرائیکی ادب (ماہنامہ) ملتان، جلد ۸، شمارہ ۲، فروری ۱۹۷۸ء

۱۳-سفینہ ادب، گورنمنٹ علمدار حسین اسلامیہ کالج، ملتان، ۱۹۷۷ء

۱۴-شام و سحر (ماہنامہ) لاہور اپریل، ۱۹۹۰ء

۱۵-طلوع اسلام (ماہنامہ) کراچی، اپریل ۱۹۵۱ء مئی ۱۹۵۲ء اپریل، ۱۹۵۳ء

۱۶-گل صحرا، گورنمنٹ کالج برائے خواتین، ملتان، ۱۹۷۸ء، ۱۹۸۸ء

۱۷-معارف، اعظم گڑھ، شمارہ ۲، جلد ۲۷، فروری ۱۹۳۰ء

۱۸-ماہ نو (ماہنامہ) کراچی، مئی ۱۹۵۰ء اپریل ۱۹۵۳ء

۱۹-مسلک، گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن، ملتان، ۷۷-۱۹۷۶ء

۲۰-ملتان یونیورسٹی میگزین، دانائے راز نمبر، ملتان یونیورسٹی ملتان، ۷۸-۱۹۷۷ء

۲۱- نخلستان، گورنمنٹ ایمرسن کالج، گورنمنٹ کالج ملتان، ۱۹۴۸ء، ۱۹۶۵ء
۹۲-۱۹۹۱ء

۲۲-نقیب ختم نبوت (ماہنامہ) ملتان، جلد ۵، شمارہ ۱۱، نومبر ۱۹۹۴ء

۲۳-نقد و نظر (ششماہی) علی گڑھ، جون-دسمبر ۱۹۸۸ء

اخبارات

۱-الشمس (روزنامہ)، ملتان جلد ۴، شمارہ ۱۶۸، ۲۶ اپریل ۱۹۳۸ء

۲-امروز (روزنامہ) ملتان، ۱۹ مارچ، ۱۹۷۰ء

۳-نوائے وقت (روزنامہ) ملتان، ۲۱ اپریل، ۱۹۹۴ء، ۹ نومبر ۱۹۹۴ء

قلمی مسودات

۱-اسلم انصاری، مثنوی "فرخ نامہ"

۲-اسلم انصاری، خطبات اقبال کا سرائیکی ترجمہ

۳-عتیق فکری، علامہ، علامہ اقبال کے لیکچرز پر تصریحات، دیباچہ

۴-طالوت، علامہ عبدالرشید نسیم، ڈائری سے اقتباس "آہ ترجمان حقیقت"

ملاقاتیں-انٹرویوز

۱-اسلم انصاری، انٹرویو، ۱۵ اگست ۱۹۹۴ء بہ مقام گورنمنٹ کالج، ملتان

۲-عبدالجبار، ڈپٹی ڈائریکٹر، پریس لاز برانچ، پنجاب سول سیکریٹریٹ، لاہور سے انٹرویو، مورخہ ۲۴ اپریل، ۱۹۹۴ء

۳-عطاء المحسن، سید، انٹرویو ۱۵ فروری ۱۹۹۵ء بہ مقام دفتر تحریک ختم نبوت، ملتان

۴-مہر عبدالحق، ڈاکٹر، انٹرویو ۱۸ اگست ۱۹۹۴ء بہ مقام شادمان کالونی، ملتان

۵-نوراحمد فریدی، مولانا، انٹرویو ۲۰ ستمبر ۱۹۹۴ء، بہ مقام رائٹرز کالونی، ملتان

خطوط بہ نام راقم

۱-جگدیش چندر بترہ (بیرسٹر) مقیم دہلی کا خط، مورخہ ۱۴ جون ۱۹۹۴ء

پس نوشت

ملتان میں اقبالیاتی ادب کا جائزہ

(۱۹۹۵ء سے ۱۹۹۹ء تک)

ملتان میں اقبال شناسی کے موضوع پر مبنی تحقیق اگست ۱۹۹۵ء تک محدود تھی اس تحقیقی کام کو اشاعت کے مراحل میں تقریباً چار برس بیت گئے۔ میں نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اس تحقیق کی اہمیت کے پیش نظر اس کی اشاعت کا اہتمام کیا ہے چونکہ یہ تحقیقی کام دسمبر ۱۹۹۹ء میں طبع ہو رہا ہے اسلئے زیر نظر تحریر میں گذشتہ چار برس میں ملتان میں اقبالیات کے حوالہ سے کی گئی کاوشوں کا تذکرہ شامل کر دیا گیا ہے۔

خطۂ ملتان میں جامعہ زکریا نے اقبال شناسی کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ ۱۹۹۵ء میں زکریا یونیورسٹی میں "اقبال چیئر" قائم کی گئی شعبہ اردو کے چیئرمین اور ادیب و دانشور ڈاکٹر انوار احمد کو اس پر بہ حیثیت پروفیسر تعینات کیا گیا۔

۱۹۹۶ء میں اقبالؒ کے حوالے سے ملتان میں کوئی قابل ذکر کام منظر عام پر نہیں آیا سوائے چند مضامین کے جو یوم اقبال کے موقع پر اخبارات و جرائد میں شائع ہوئے۔

۱۹۹۷ء ملتان میں اقبالیات کے حوالے سے اہم سال تھا۔ اس برس یہاں دو اہم کتب شائع ہوئیں۔ پہلی کتاب عبدالمجید ساجد کی "ختم نبوۃ اور عقیدہ اقبال" ہے یہ ایک اہم موضوع تھا جس پر کام کی اشد ضرورت تھی۔ عبدالمجید ساجد نے نہایت عرق ریزی سے اقبال اور قادیانیت کے حوالے سے تمام مواد جمع کیا اور اس سلسلے میں جنم لینے والے سوالات کے جوابات تحریر کئے ہیں۔ یہ کتاب شیخ عبدالماجد کی کتاب "اقبال اور احمدیت" مطبوعہ ۱۹۹۱ء کے جواب میں تحریر کی گئی ہے۔

عبدالمجید ساجد نے تحقیقی تقاضوں کو بروئے کار لاتے ہوئے اس موضوع کا مکمل احاطہ کیا ہے اس لحاظ سے یہ اس موضوع پر ایک اہم دستاویز بن گئی ہے۔

اور اب اس موضوع پر اقبالؒ کے حوالے سے کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہ جانا چاہئے کہ وہ قادیانیت کو اسلام کے خلاف ایک سازش سمجھتے تھے۔ حرف آغاز کے عنوان سے کتاب دیباچہ اقبال اکادمی کے نائب ناظم ڈاکٹر وحید عشرت نے لکھا ہے۔ انہوں نے اس کتاب کو اپنے ارادوں کی تکمیل قرار دیا ہے۔ لیکن انہوں نے اس بات کی وضاحت نہیں کی کہ اقبال کے نام پر قائم کئے گئے اداروں نے اس اہم موضوع کی اشاعت و تحقیق سے اغماض کیوں برتا۔

کتاب میں قادیانی مذہب کو بھی انکی اپنی تحریروں کی روشنی میں رد کیا گیا ہے۔

۱۹۹۷ء میں شائع ہونے والی دوسری کتاب ڈاکٹر اسلم انصاری کی "فیضان اقبال" ہے یہ ۱۰۴ صفحات پر بنی ہے۔ اس عنوان سے شورش کاشمیری کی ایک کتاب بھی ہے۔ لیکن اسلم انصاری کی کتاب میں منظوم صورت میں مختلف موضوعات پر اظہار خیال کیا گیا ہے۔

ابتداء میں "فیضان جاوداں" کے عنوان سے بحضور اقبال اپنی عقیدت و جذبات اور فکر اقبال سے وابستگی کا اظہار کیا ہے لکھتے ہیں،

دلوں کی سرزمین میں اک بنائے نور رکھی تو نے

بہت کچھ دیا ہم کو بہ فیض ایزدی تو نے

اس کتاب کی دیگر منظومات میں نقادان اقبال کے منتخب افکار و خیالات پر مبنی منظوم ریڈیائی تشکیل سب سے اہم اور منفرد نوعیت کی شعری تخلیق ہے جس میں

نقادان اقبال کے افکار و نظریات کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ جو اسلم انصاری کے فن شعر اور اقبالیات میں ان کی دسترس اور عبور رکھنے پر دال ہے۔ اس میں خلیفہ عبدالحکیم، یوسف حسین خان، ڈاکٹر این میری شمل، عبدالوہاب عزام، پروفیسر آرتھر آربری کے نظریات و تنقید کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ کتاب میں فکر اقبال کے چند موضوعات مثلاً خودی، مرد کامل، شاہین، اقوام مغرب پر منظوم صورت میں اپنی رائے کا اظہار بھی کیا ہے اور اس کی توضیح و تشریح کی گئی ہے۔

۱۹۹۷ء میں ہی پروفیسر حفیظ الرحمٰن خاں کے علمی وادبی مضامین و کالموں کا مجموعہ "تناظرات" کے عنوان سے طبع ہوا۔ جس میں "اقبال" کے عنوان کے تحت ان کے چھ مضامین شامل اشاعت ہیں۔ جو اخبارات و رسائل میں شائع ہوئے ہیں ان مضامین میں اقبالیاتی ادب و شعر کا عصر حاضر میں جواز اور اس کی اہمیت کو ثابت کیا گیا ہے۔

۱۹۹۷ء میں متعدد تعلیمی اداروں کے مجلّات شائع ہوئے ان میں گورنمنٹ کالج ملتان کا مجلّہ "نخلستان" نہایت آن بان سے شائع ہوا اس میں اقبالیات کے حوالے سے دو اہم تحریریں شامل اشاعت ہیں۔

"اعلان بہار" کے عنوان سے پروفیسر اسلم انصاری نے علامہ اقبال کے خطبہ الہ آباد کو منظوم صورت میں پیش کیا ہے۔

میری رائے میں ہے مسلم بہ ایں دورِ فرنگ
چاہیے اک خطہ جغرافیائی بے درنگ

ہے مری چشم تخیل پر یہ منظر آشکار
ایشیاء کی سرزمین میں آ رہی ہے پھر بہار

اس کے علاوہ "صبح کا تارا" کے عنوان سے قیام پاکستان کی جدوجہد کے حوالے سے قائداعظم اور علامہ اقبال کو خراج عقیدت پیش کیا گیا ہے۔

اس شمارے کا دوسرا اہم مضمون پروفیسر افتخار حسین شاہ کا "اقبالیات میں ملتان کا حصہ" ہے اس میں ملتان میں اقبالیاتی کاوشوں کا احاطہ کیا گیا ہے۔

۱۹۹۸ء میں "اقبال شناسی اور نیاز و نگار" کے عنوان سے ایک کتاب ڈاکٹر طاہر تونسوی نے مرتب کی ہے اس میں انہوں نے برصغیر کے مقبول ادبی جریدے "نگار" اور اس کے ایڈیٹر نیاز فتح پوری کے اقبالیات کے موضوع پر مضامین کو کتاب کی صورت میں یکجا کر دیا ہے۔ اس کتاب میں نیاز فتح پوری کے علاوہ مختلف عنوانات کے تحت برصغیر کے نامور لکھنے والوں کے فکر انگیز مقالات بھی شائع کئے گئے ہیں جو "نگار" کے مختلف شماروں میں شائع ہوئے اور اب نایاب ہیں۔

ڈاکٹر طاہر تونسوی کی اس کاوش سے یہ اقبالیاتی ادب میں اہم حوالہ کی حامل کتاب ثابت ہو گی۔

۱۹۹۹ء میں "شعر و فکر اقبال" کے عنوان سے ڈاکٹر اسلم انصاری کی ایک کتاب شائع ہوئی اس کتاب کے عنوانات ان کی کتاب اقبال عہد آفریں کی ہی فکری توسیع قرار دیئے جا سکتے ہیں۔

اس میں اقبالیات کے چند متنوع موضوعات پر اظہار خیال کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور شمارہ

نومبر ۱۹۹۹ء میں رقم طراز ہیں۔

"ڈاکٹر اسلم انصاری نے بڑی ذہانت اور ایک قابل فہم شعور کے ساتھ اقبال کا مطالعہ کیا ہے کہ اقبال کا فکر و فلسفہ، مشرقی اقوام، خصوصاً ایشیائی مسلمانوں کیلئے آج بھی اتنا ہی اہم اور بامعنی ہے جتنا وہ بیسویں صدی کے ابتدائی عشروں میں تھا"

۱۹۹۹ء کے اواخر میں راقم کی کتاب "دیدبان" شائع ہوئی اس کتاب کے پہلے حصہ میں ملک کے نامور ادیبوں کے انٹرویوز اور دوسرے حصہ میں تحقیقی و تنقیدی مضامین شامل اشاعت ہیں ان میں سے چار مضامین بہ عنوان ملتان میں اقبال شناسی کی روایت، ملتان میں اقبال کے ملاقاتی، کریسنٹ کا ایک یادگار شمارہ، مجلّہ ایسٹ اینڈ ویسٹ اور اقبال شناسی اقبالیات کے موضوعات پر مبنی ہیں۔ ان میں علامہ اقبال کے حوالے سے چند نئے حقائق کو منظر عام پر لایا گیا ہے، مثلاً علامہ اقبال کا اسلامیہ کالج لاہور کے جریدہ کریسنٹ میں شائع ہونے والا مضمون اور اس کے مندرجات اور علامہ اقبال کی شاعری کے بارے میں پہلا تنقیدی مضمون بہ زبان انگریزی شامل ہیں۔

گذشتہ چار برس کے اس اجمالی جائزے سے جہاں یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ ملتان میں اقبالیاتی ادب کی رفتار اشاعت میں کمی واقع ہوئی ہے وہاں یہ پہلو اطمینان بخش اور قابل تحسین ہے کہ عبدالمجید ساجد کی کتاب عقیدہ ختم نبوۃ اور اقبال، اسلم انصاری کی شعر و فکر اقبال اور ڈاکٹر طاہر تونسوی کی مرتبہ کتاب "اقبال شناسی اور نیاز و نگار" کی اشاعت سے قومی سطح پر معاصر اقبالیاتی ادب کی متاع و معیار میں قابل قدر اضافہ ہوا ہے۔

ضمیمے

ادبیات

سوال بہ اقبال

از

جناب محمد اسد خان صاحب بی اے، ملتان

شاعر کو ڈاکٹر سر اقبال کے اسرار خودی پڑھکر جو شکوک پیش آئے ہین، وہ موزون نغمون مین ادا ہوئے ہین، صوفیانہ مثنوی گلشنِ راز کا وجود اسی طرح ہوا ہے، کیا ہمارے شاعر کے یہ شکوک ہمارے باکمال فلسفی شاعر کو ایک نئے گلشن راز کے کھلانے کی طرف متوجہ نہ کرین گے، "معارف"

پیشِ اقبال برم اے اسد این مشکلِ خویش	ہست دل در برِ من یا منم اندر دلِ خویش؟
ریختم در صدفِ جسم و بگشتم گوہر؟	یا نیم بیشتر از حاصلِ آب و گلِ خویش؟
پیکر از روشنیٔ من مہ کامل شدہ است!	یا بہ پیکر شدہ ام داغِ مہ کاملِ خویش؟
مثلِ مجنون ہمہ تن جلوۂ عریان باشم؟	یا چو لیلےٰ بشوم روشنیٔ محملِ خویش؟
بہرِ گوہر بزنم غوطہ بہ دریاے وجود؟	یا بہ کشتی ترددم در طلبِ ساحلِ خویش؟
یا بد اول کہ بجویم دلِ دانا ز خدا!	یا ازان پیش خدا را طلبم از دلِ خویش؟
بہ تلاشِ خضرِ عشق جنون درکار است؟	یا خرد را بکنم راہبرِ منزلِ خویش؟

دارم امید کہ آن فلسفیٔ صاحبدل

بکشاید بہ کرم عقدۂ این سائلِ خویش۔

ضمیمہ ۳

یوم اقبالؒ

محترم المقام جناب .... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

بزم اقبال اور حلقۂ مطالعۂ اسلام کے زیر اہتمام مورخہ ۲۴ اپریل ۱۹۶۷ء بروز پیر ۸ بجے شب ملت ہائی سکول میں یوم اقبال منایا جارہا ہے۔ اس تقریب کی صدارت جناب شفاء الملک حکیم محمد حسن صاحب قرشی صدر طبی رجسٹریشن بورڈ حکومت پاکستان و صدر مرکزی پاکستان طبی کانفرنس فرمائیں گے۔

اجلاس میں علامہ اقبال کی تعلیمات، فلسفہ، تصوف، اور شاعری پر اہل علم حضرات مقالات پڑھینگے اور تقاریر کے علاوہ علامہ کا کلام ترنم سے پیش کیا جائیگا۔

آپ کی شرکت بزم اور حلقہ کے لئے باعث مسرت و افتخار ہوگی۔

الداعی

گلزار احمد علوی (ایڈوکیٹ)

معتمد بزم اقبال، حلقہ مطالعہ اسلام

خورشید کالونی ملتان۔

بزم اقبال ملتان

محترمی جناب

اسلام علیکم

مستشرق المانوی ڈاکٹر اینی میری شمل
پروفیسر بون یونیورسٹی ' اقبال کی تعلیمات پر
خطاب فرمائیں گی - آپ کی شمولیت مجلس
کیلئے باعث مسرت ہوگی -

تاریخ : ۲ نومبر ۱۹۷۶ء
وقت : ۶ بجے شام
مقام : مسلم ہائی سکول

گلزار علوی
سیکریٹری مجلس اقبال
ملتان

بتقریب یوم والدین و تقسیم انعامات

بزم ادب مسلم ہائی سکول ملتان

کے زیر اہتمام

بسلسلہ

فروغ پیام اقبال

ایک خاص اجلاس

مورخہ یکم جولائی ۱۹۶۸ء، بروز پیر، بوقت پونے نو بجے صبح منعقد ہو رہا ہے

صدارت

عالیجناب شیخ محمد عثمان صاحب

سی ایس پی۔ کمشنر ملتان ڈویژن

تقسیم انعامات محترمہ بیگم صاحبہ شیخ محمد عثمان صاحب

معتمد و اراکین بزم ادب مسلم ہائی سکول ملتان

گرامی قدر بیگم صاحبہ و جناب چوہدری گلزار احمد صاحب ــــــــ کی شرکت کے متمنی ہیں۔

پروگرام

تلاوت کلام پاک	قاری حافظ زاہد سلطان
وہ حرف راز جو مجھ کو سکھا گیا ہے جنوں	راشد محمود (معتمد)
حیات اقبالؒ	عبد القدیر
پھر باد بہار آئی اقبال غزلخواں ہو	غلام احمد، شفاعت، فیاض اور ساتھی۔
اقبال کی آفاقیت	افتخار علی
یہ پیام دے گئی ہے مجھے باد صبحگاہی	ظفر، اطہر فضلی، ایوب اور ساتھی
اقبال کا نظریۂ وطنیت	رائے زادہ علی نواز خان
نہ میں اعجمی نہ ہندی نہ عراقی و حجازی	سلیمان اشفاق، اجمل، مبارک اور ساتھی۔
اقبالؒ کی شاعری میں مثالی نوجوان کا تصور	مصدق اقبال
تو جھکا جب غیر کے آگے نہ من تیرا نہ تن	اجمل، اعظم اور ساتھی
سالانہ رپورٹ	ہیڈ ماسٹر
استقبالیہ۔	آغا شیر احمد خان خاموش
ارشادات صدر	صاحب صدر
تقسیم انعامات	محترمہ بیگم صاحبہ
قومی ترانہ۔	طلباء مسلم ہائی سکول ملتان

فواکہات و مشروبات سے تواضع

معتمد: راشد محمود

ضمیمہ ۴

ملّت اور وطن

مولانا سید حسین احمد مدنی

اور

علامہ سر محمد اقبال

کی بحث

مُرتّبہ

ادارہ روزنامہ شمس ملتان شہر

در مطبع شمس ملتان شہر طبع گردید - قیمت دو آنے ۲

ضمیمہ ۵ حسبِ حال اشعار

ڈاکٹر اقبال

۱۵۱ - اقبال یہاں اے شاعر جادو بیاں
مر کے بھی تو زندہ ہے قائم جب تک ہے آسمان

ضمیری

بھول کر بھی ووٹ پھر اس کو نہ دینا چاہیے
صرف پیسہ ہی لیں جس کا حساب ناضمیری

نئے سال کا ترانہ

پیام محبت سناتا چلا جا + دلوں سے کدورت مٹاتا چلا جا
کوئی بے کسوں کو ستانے نہ پائے + غریبوں کو اپنا بناتا چلا جا

میرا ترانہ

کسی کا رنج ہو اے آبرا اپنا ہی رنج سمجھو
کسی کا اشک ہو لے لو تم اپنی آستینوں میں

دعوت عمل

اٹھو اپنی ہمت کے جوہر دکھاؤ
جو انسان ہو انسان کے کام آؤ
زمانے کی ہر تلخی کو مٹا کر
زمانے کو راحت کا خوگر بناؤ

اقبال
ملتان
جنوری ۱۹۵۱ء
جلد ۵
نمبر ۲

ضمیمہ ۸

مرثیۂ اقبالؒ

از

اسد ملتانی

شائع کردہ

ادارہ روزنامہ شمس ملتان شہر

قیمت تین آنے

۲۴۰

ضمیمہ ۹

سرائیکی ساہتیہ سنگم

सिरायकी साहित्य संगम

SIRAIKI SAHITYA SANGAM

(Foundation to Promote Siraiki Language, Art, Culture & Literature)

Jeevan Vihar, 3 Parliament Street, New Delhi 110 001 [illegible]

۱۱ جون ۱۹۹۶ء

میرے پیارے عزیز دوست اسعد فیضی صاحب!

تسلیم۔ آپ کا محبت نامہ ملا۔ آپ اقبال شناسی کے عنوان سے ایم فل کا تحقیقی مقالہ لکھ رہے ہیں پڑھکر از حد خوشی ہوئی۔ خدا کرے آپ اس نیک کام میں کامیاب ہوں اور علم و ادب کی روشنی کو اور بھی زیادہ پھیلائیں۔

جناب محترم لالہ بال کشن بترا ملتان سے آ کر 13/16 سول لائنز کان پور میں 27 جون 1969ء تک ایڈووکیٹ - انکم ٹیکس [illegible] کی پریکٹس کے علاوہ علم و ادب کی خدمت کرتے رہے اور 76 سال کی عمر میں بھگوان کو پیارے ہو گئے۔ اس سے قبل اُن کے اکلوتے بیٹے بھی فوت ہو گئے اور آج کل اُنکی اکیلی لڑکی اور داماد تقریباً ۶۵ سال کی عمر میں طویل محنت سے بیمار بستر پر دہلی میں رہ رہے ہیں۔ میں نے اُن سے جو معلومات دریافت کی اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ لالہ بال کشن بترہ جی نہایت سوشل تھے اور علامہ اقبال سے کئی دفعہ ملے تھے۔ وہ ملتان کی پبلک لائبریری کے پریذیڈنٹ تھے جو آج بھی باغ لنگاہ خاں میں مقیم ہے اور جہاں سے آپ کو "اقبال" اخبار کے پرانے پرچے بآسانی مل سکتے ہیں۔ وہ سناتن دھرم ہائی سکول ملتان سے میٹرک اور سناتن دھرم کالج لاہور سے بی۔ اے اور گورنمنٹ لاء کالج

ایل۔ ایل بی پاس کرکے ملتان میں پریکٹس کرتے تھے اور انہوں نے کئی کتابیں
بس ملتان کی سیر۔ ہندوستان کی سیر۔ [illegible]
اوتار وغیرہ لکھیں جو اس لائبریری میں موجود ہیں۔ ان کے خطوط کلیات مکاتیب اقبال
سوم جناب سید مظفر حسین برنی کی کتاب میں شاید آپ کو مل سکتے ہیں۔ جناب ابر صاحب
بیگم شریمتی جمنا دیوی کا انتقال 7 اگست 1993ء کو دہلی میں ہوا۔ ان کے ایک پوتے
سنجے بترہ چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ ہیں اور کانپور یوپی میں آباد ہیں۔ لیکن ان سے
خاص معلومات نہیں ہو سکیں گی۔ ان کی تصویر یعنی فوٹو میں خود ملتان پبلک لائبریری
لنگے خان میں 25 اگست 1993ء کو بطور تحفہ کے طور پر دے کر آیا تھا۔ جناب بال کرشن صاحب
ایم ملوہ ملز لمیٹڈ کے چیئرمین تھے۔ انڈین نیشنل انڈسٹری کے منیجنگ ڈائریکٹر تھے
ان الیکٹرک سپلائی کمپنی کے سیکریٹری تھے۔

ایک بسرا بکل انٹرنیشنل کا پرچہ آپ کی خدمت میں بھیج رہا ہوں۔ آپ اپنے
قلم سے نیاز مند کریں۔

میری طرف سے محترم ڈاکٹر وحید قریشی صاحب کی خدمت
میں بہت بہت سلام پیش کریں عین شفقت ہوگی۔
مہر عبدالحق و ڈاکٹر طاہر تونسوی صاحب کو بھی میرا سلام پیش کریں

آپ کا

جگدیش چندر بترہ

ضمیمہ ۱۰

بزمِ اقبال گورنمنٹ کالج ملتان کا گذشتہ اجلاس 24 مارچ 1963ء
کو نو بجے صبح پرنسپل تاج محمد خاں صاحب کی صدارت میں منعقد
ہوا۔ 23 مارچ کو ملتان شہر میں پاک و ہند مشاعرہ میں
جن شعرائے کرام نے شرکت کی تھی اُن میں سے جناب احمد ندیم قاسمی
جناب قتیل شفائی، جناب احمد فراز، محسن احسان، عابد حشری، خاطر
غزنوی اور لطیف جبل پوری نے از راہِ کرم ہماری دعوت کو قبول فرمایا
اور ہمارے مشاعرہ میں شرکت فرمائی۔ ان حضرات کے علاوہ مقامی
شعراء میں سے آغا شیر احمد خاموش، صادق منصور، ڈاکٹر قتیل
جعفری، فرخ درانی، رشید بہشتی، ریاض انور، صادق قمر، اقبال ارشد
اور فرحت ملتانی نے بھی اپنے کلام سے سامعین کو محظوظ فرمایا
یہ دلچسپ نشست دو گھنٹے جاری رہنے کے بعد اختتام کو پہنچی۔

ناظم

جنابِ صدر کے ارشادات عالیہ کے بعد یہ محفل ختم ہوئی۔

جنابِ والا! بزمِ اقبال کے اراکین نے طلباء کی تنقیدی صلاحیتوں کو اُبھارنے کیلئے پندرہ روزہ
تنقیدی اجلاس منعقد کرنے کا پروگرام بھی ترتیب دیا۔ اس سلسلے کا پہلا اجلاس
پروفیسر انوار انجم کی صدارت میں ۲۲ جنوری کو منعقد ہوا جس میں طارق علی احمد نے
غزل اور اجمل صدیقی نے مقالہ برائے تنقید پیش کیا مختلف طلباء نے تنقید میں حصہ لیا۔
ہمارے آئندہ پروگرام میں تنقیدی جلسوں کے علاوہ یوم اقبال اور مقابلۂ تقریر وغیرہ کے منصوبے
شامل ہیں۔ جنابِ والا! ہماری آج کی محفل اُس عظیم شاعر کی یاد میں
منعقد کی جا رہی ہے جس کے مداحین میں ہم سب شامل ہیں۔ میری مراد مرزا غالب سے ہے۔
ایک شاعر اور نثار کی حیثیت سے مرزا کی شخصیت مسلّم ہے۔ اُنہوں نے
نظم و نثر دونوں میں وہ کارنامے چھوڑے کہ جوں جوں اُن کی تہیں کھلتی جا رہی
ہیں وہ اور بھی دامن کش نظر ہوتے جاتے ہیں۔
حضرات! اس سے پہلے کہ یہ رپورٹ ختم کروں میں ضروری سمجھتا ہوں کہ آج کی محفل کے

صدر جناب ایم ڈی۔ رفیق صاحب ایم۔ اے کا شکریہ ادا کرتے ہیں جنہوں نے مختلف قسم کی مصروفیات کے باوجود اس اجلاس میں شرکت کی۔

اراکین بزم جناب پرنسپل صاحب۔ اساتذہ کرام۔ طلبا اور دیگر حضرات کے بھی تہہ دل سے ممنون ہیں جن کے تعاون سے آج کی محفل کامیاب ہو رہی ہے۔

معتمد   صدر

[illegible]   [illegible]

نیشنل بُک فاؤنڈیشن

اسلام آباد

لاہور ۔ راولپنڈی ۔ ملتان ۔ کراچی ۔ سکھر ۔ پشاور ۔ کوئٹہ

قیمت : ۲۰۰/= روپے